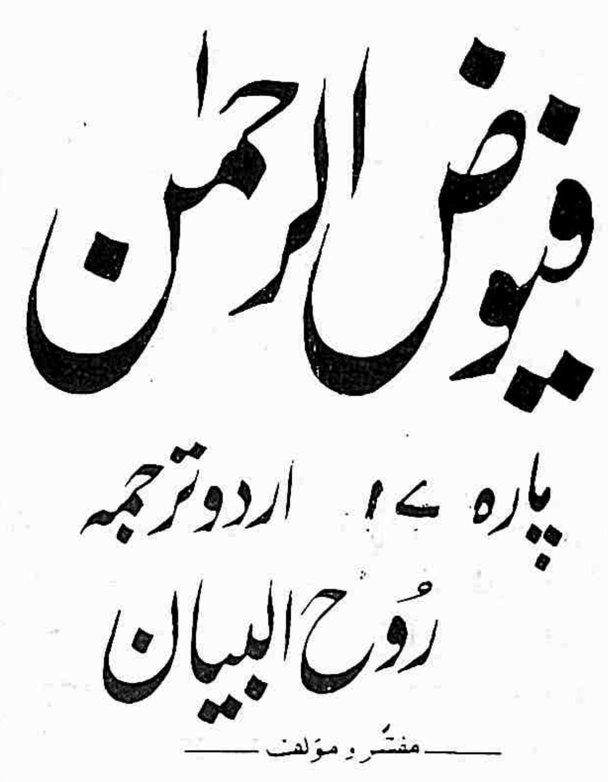


— مفسّر و مؤلف —

سراج العلماء، زبدۃ الفضلا حضرت علامہ مولانا شیخ اسماعیل حقی البروسوی

قدس سرّہٗ

— مترجم —

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد

اویسی رضوی

— ناشر —

مکتبہ اویسیہ رضویہ ○ ملتان روڈ ○ بہاولپور

نام کتاب ——— فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان پارہ ۱۷

مصنف ——— حضرت علامہ الشیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم ——— حضرت علامہ شیخ القرآن محمد فیض احمد اُویسی مدظلہٗ

مُصحح ——— الحاج چوہدری مشتاق محمد خان لاہور

سن طباعت ——— جولائی سنہ ۱۹۹۲ء

ناشر ——— مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور (پاکستان)

باہتمام ——— صاحبزادہ عطاء الرسول اُویسی

مطبع ——— عبدالحمید الجدہ پرنٹرز، لاہور

[illegible] ۳۵۰/۱۸

فہرست پارہ نمبر ۱۷



اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	وَّاثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ
مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا
النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ
تُبْصِرُوْنَ ۝ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝
بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ
اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ
مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ
فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ
ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ع

ترجمہ: لوگوں کا حساب قریب ہے اور وہ غفلت میں روگرداں ہیں ان کے رب کی طرف سے کوئی تازہ نصیحت نہیں آتی مگر وہ اسے سنتے ہیں تو ٹھٹھہ مخول کرتے ہوئے ان کے دل غفلت میں ہیں اور ظالموں نے چھپ کر مشورہ کیا۔ یہ نہیں مگر تمھارے جیسا بشر تو کیا تم جادو کے پاس دیکھ بھال کر جاتے ہو۔ فرمایا کہ میرا پروردگار آسمانوں اور زمین میں ہر بات کو جانتا ہے اور وہی سمیع علیم ہے۔ بلکہ انھوں نے کہا کہ یہ پریشان خواب خیال ہیں بلکہ اسے اس نے خود گھڑا بلکہ یہ شاعر ہے۔ تو ہمارے ہاں کوئی نشانی لائے جیسے پہلے لوگ رسول بنا کر بھیجے گئے ان سے پہلے کوئی بستی ایمان نہ لائی جسے ہم نے تباہ و برباد کیا تو کیا یہ ایمان لائیں گے اور ہم نے تم سے پہلے نہیں بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے تو ذکر والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے اور ہم نے انھیں ایسا جسم بنایا جو نہ کھائیں اور نہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں۔ پھر ان سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تو ہم نے انھیں نجات دی اور جنھیں ہم چاہتے تھے اور حد سے بڑھنے والوں کو ہم نے تباہ کر ڈالا۔ اور ہم نے تمھاری طرف کتاب نازل کی جس میں تمھارا تذکرہ تھا تو کیا تم نہیں سمجھتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانبیاء مکیہ ہے اس کی آیات ایک سو بارہ اور رکوعات سات ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ۔ قرب و اقترب کا ایک معنے ہے مثلاً کہا جاتا ہے: قرب الشئ و اقترب بمعنے دَنا اسی طرح کہا جاتا ہے: قربت منہ۔

العیون میں لکھا ہے کہ یہاں پر لام بمعنے من اور فعل کے متعلق ہے اور اسے فاعل پر اسی لیے مقدم کیا گیا ہے تاکہ بندوں کے دلوں پر قیامت اور حساب وکتاب کا خوف جلد تر اثر انداز ہو۔ اس لیے کہ 'مقترب' کے بجائے اقتراب کا انھیں زیادہ خطرہ محسوس ہوگا۔ اور الناس سے اہل مکہ کے وہ مشرکین مراد ہیں جو مرنے کے بعد اٹھنے کے قائل ہیں جیسا کہ آنے والے مضمون میں لفظ غفلت و اعراض وغیرہما سے معلوم ہوتا ہے۔ اور الحساب بمعنے المحاسبۃ ہے، یعنی جو شے بندے پر یا اس کے لیے ظاہر کی جائے تاکہ اس کی اسے جزا یا سزا دی جائے۔

ف: 'حساب' کے اظہار سے قیامت کا قریب ہونا مراد ہے اور یوم قیامت کو یوم الحساب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس دن میں سب سے زیادہ وقت حساب پر صرف ہوگا بلکہ اسی وجہ سے یہ دن سخت ترین ہوگا۔ اسی دن کی سختی کو دیکھ کر بندوں کے دلوں پر خاصہ اثر پڑتا ہے اسی لیے کہ حساب سے انسان کے حالات منکشف ہو جاتے ہیں اور اس کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حساب کا دن انھیں قریب ہے یعنے جب ایک ساعت گذرتی ہے تو دوسری ساعت حساب کے لیے قریب ہو جاتی ہے علاوہ ازیں جتنا دنیا کا عرصہ گذر گیا ہے بقایا زندگی حساب کے لیے بہت تھوڑی

رہ گئی ہے۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تمہارا (امت) کا بقا بہ نسبت گذشتہ امتوں کے ایسے ہے جیسے نماز عصر سے مغرب کا وقت۔

نکتہ: قیامت کے وقت کو پوشیدہ رکھنا انسان کے لیے مصلحت ہے اسی طرح موت کے وقت کے پوشیدہ ہونے میں بھی ایک راز ہے۔

اب معنٰے یہ ہوا کہ مشرکین مکّہ کا حساب کا وقت آ گیا ہے کہ ان سے اللہ تعالٰے ان کے اعمالِ سَیّہ کا حساب لے گا وہ قریب ہے۔

ف: کاشفی علیہ الرحمۃ نے بعض مفسرین سے نقل کیا ہے کہ اے مشرکین مکہ! تمہارے مؤاخذہ کا وقت قریب آ گیا ہے۔ انہیں اسی لیے یاد دلایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ یہی معنٰے قریب تر ہے اس لیے کہ موت کے بعد قیامت قریب ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے کوئی کسی کو قتل کر دے تو اس کے مؤاخذہ کا وقت اتنا بعید نہیں ہوتا اگرچہ کتنا وقت گذر جائے تب بھی اس کے لیے مؤاخذہ کا وقت ہر وقت سامنے رہتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے: من مات فقد قامت قیامۃ (جو مرتا ہے اس کے لیے قیامت قائم ہو جاتی ہے)۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ، وہ سہو و نسیان جو انسان کو قلتِ تحفظ و تیقظ کی وجہ سے طاری ہوتا ہے یعنے باوجودیکہ حساب قریب ہے لیکن وہ مکمل غفلت میں ہیں حالانکہ ان سے ذرّہ ذرّہ کا حساب ہو گا اور وہ اس تیاری سے بالکل فارغ بیٹھے ہیں انہیں معمولی طور پر توجہ بھی نہیں حالانکہ انہیں اعتراف ہے کہ ان کے اعمال کے ذرہ ذرہ کا حساب ہو گا اس کا انکار اور تکذیب کرتے ہیں حالانکہ ان کے عقول گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً حساب و کتاب ہو گا وہ اس لیے کہ عقل مانتی ہے کہ ہر عمل کی جزا ضروری ہے ورنہ فرمانبردار اور نافرمان کے درمیان فرق اٹھ جائے گا اور یہ حکمت اور عدالت کے خلاف ہے۔ مُّعْرِضُونَ ○ وہ ایمان اور آیات اور ان ڈرانے والے امور سے بھی اعراض کرتے ہیں جو ان کی غفلت دور کرتی ہیں۔

اعرض بمعنے ولّٰی مبد یا عارضہ یہ دونوں ھم ضمیر کی خبر ہیں۔ یاد رہے کہ چونکہ کفار کی غفلت جبلی اور فطری تھی اسی لیے ھم کی خبر اول ظرف مقرر کی گئی جو مستقر کے متعلق ہے بخلاف اعراض کے وہ ان کی فطرتی اور جبلی عادت نہیں تھی اور یہ جملہ حالیہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ جب انہیں نصیحت گر نصیحت اور ان کے حالات سے باخبر کرتا ہے تو بجائے ماننے کے اس کی نصیحت اور بات سے روگردانی کرتے ہیں چنانچہ فرمایا: ولکن لا تحبون الناصحین۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا :

کسے را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود
ز علمش ملال آید از وعظ ننگ
شقائق بباراں روید ز سنگ

ترجمہ : جسے غلط خیالی سر میں ہو اس کے لیے گمان بھی نہ کرو کہ وہ حق سنے گا۔ اسے علم سے ملال آئے گی
بارش کے وقت پتھر سے پھول پیدا نہیں ہوتے۔

العرائس للبقلی میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق کو حساب کی حاضری سے ڈرایا اور زجر فرمائی تاکہ وہ غفلت کے نشوں سے بیدار ہو کر برائیوں سے باز آجائیں اور حساب کا وقت ہر ایک کو بالکل قریب تر ہے۔ اگر انھیں معلوم ہو کہ اللہ تعالےٰ ایک لمحہ میں تمام لوگوں کا حساب لے گا اور اس کا حساب بال کی کھال اتارنے کے مترادف ہوگا اور اسے وہی حضرات جانتے ہیں جو ہر وقت اور ہر قدم پر اللہ تعالےٰ کی حاضری کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ وھم فی غفلۃ یعنے وہ لوگ حجاب میں ہیں اللہ تعالےٰ کے مشاہدہ سے محروم ہیں اسی لیے اس کی طاعت سے روگردان ہیں ایسے لوگوں کو نہ طاعات سے کچھ لذت نصیب ہوتی ہے نہ مشاہدہ سے کوئی حصہ پائیں گے۔

تفسیر عالمانہ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ نہیں آتا ان کے پاس کوئی حصہ قرآن مجید کے آیات کا جو انھیں حساب کی مکمل طور پر یاد دہانی کراتا ہے بلکہ انھیں غفلت کے خواب سے بیدار کرتا ہے گویا قرآن مجید ذکر کا عین ہے۔ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ یہ من مجازاً ابتدا غایت کے لیے اور یاتیہم کے متعلق ہے۔ اس میں قرآن مجید کی فضیلت و شرافت کا ذکر اور مشرکین نے جو اس کے ساتھ سلوک کیا اس کی مذمت ہے۔ مُّحْدَثٍ۔ مجرور اور ذکر کی صفت ہے یعنے اس کا منجانب اللہ نازل ہونا نیا نہیں بلکہ اس کریم کی حکمت کے تقاضا کے عین مطابق ہے اور بار بار کلامِ الٰہی کا نزول ان کو متنبہ کرنے کے لیے ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں۔ باقی رہا اس کا بدلتے حالات کے وقت نازل کرنا تو وہ بھی ان کی مصلحتوں اور ضرورتوں کی وجہ سے ہے۔ اس سے یہ کوئی نہ سمجھے کہ کلامِ الٰہی حادث ہے بلکہ کلامِ الٰہی تو قدیم ہے ہاں مصلحتوں اور ضرورتوں کی وجہ سے حادث ہے۔ اسی لیے کہ وہ قدیم ازلی ذات کی صفت ہے تو جیسے ذات قدیم اور ازلی ہے ایسے ہی اس کی صفت بھی قدیم اور ازلی ہے۔

ہم نے یہ اس لیے لکھا ہے کہ ایتان سے بعض لوگوں نے قرآن مجید کے حادث ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ قدیم نہ ہوتا تو مرکب از حروف و اصوات نہ ہوتا۔ ہم نے مانا کہ حروف و اصوات کی ترکیب حادث ہے لیکن کلام نفسی قدیم ہے۔

(کلام نفسی وہ معنیٰ قدیم ہے جو ذات باری تعالیٰ سے قائم ہے جسے ہم الفاظ سے بولتے اور سنتے ہیں جیسا کہ شرح عقائد میں ہے :

هو معنى قديم قائم بذات الله تعالىٰ يلفظ ويسمع بالنظم الدال عليه

کلام لفظی وہی نظم و عبارت ہے جس کی کلام نفسی پر دلالت ہے یعنے مسلمانوں کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ کی تمام صفات مکمل طور پر صفات کمال ہیں جس طرح کسی صفت کمال کی اس سے نفی ناممکن ہے اسی طرح کسی صفت عیب و نقص کا اس کے لیے ثبوت بھی محال ہے۔

چنانچہ معتبر اور مستند تفاسیر میں ہے :

۱۔ قاضی بیضاوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :

(ومن اصدق من الله حديثاً) انكار ان تكون احد اصدق منه فانه لا يتطرق الكذب الى خبره بوجه لانه نقص وهو على الله تعالى محال۔

(اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں) اس بات کی نفی ہے کہ کوئی ایک خدا سے زیادہ سچا ہو کیونکہ جھوٹ کسی طرح خدا کی خبر کی طرف راہ نہیں پاتا۔ کیونکہ جھوٹ عیب ہے اور وہ خدا کے لیے محال ہے۔ (محشی)

۲۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں :

(المسئلة السادسة) قوله ومن اصدق من الله حديثاً استفهام على سبيل الانكار والمقصود منه بيان انه يجب كونه صادقاً وان الكذب والخلف فى قوله محال واما المعتزلة فقد بنوا ذالك على اصولهم واما اصحابنا فدليلهم .... الخ

(چھٹا مسئلہ) اللہ تعالےٰ کا قول 'ومن اصدق' الاٰیۃ۔ بیان ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کا سچا ہونا واجب ہے اور کذب اور خلف اللہ تعالیٰ کے قول میں محال ہے۔ لیکن معتزلہ، پس انھوں نے اس کو اپنے اصول پر قائم کیا ہے اور ہمارے اصحاب پس ان کی یہ دلیل ہے آخر تک۔

۳۔ ایضاً

فقد جوزوا الكذب هذا خطا عظيم بل يقرب من ان يكون كفرا فان العقلاء اجمعوا على انه تعالىٰ منزه عن الكذب انتهى۔

پس بے شک انھوں نے کذب کو جائز کہا اور یہ بہت بڑی خطا ہے بلکہ قریب بہ کفر ہے اس لیے کہ عقلا نے اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کذب سے منزہ ہے۔

۴۔ تفسیر خازن میں ہے :

(ومن اصدق من اللّٰہ حدیثاً) ای لا احد اصدق من اللّٰہ تعالیٰ فانہ لا یخلف المیعاد ولا یجوز علیہ الکذب انتہی۔

اللہ تعالےٰ سے زیادہ سچا کون ہے از روئے کلام کے، یعنے نہیں ہے کوئی زیادہ سچا اللہ تعالےٰ سے اس لیے کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ اس پر کذب جائز ہے۔

باری تعالےٰ کے کذب کے محال ہونے پر نہ صرف اہلِ اسلام، نہ صرف اہلِ ملل یہودی، نصرانی بلکہ ہر سمجھ دار کافر بھی اتفاق کئے ہوتے ہے مگر نبراس میں ہے؛

واعلموا ان اھل الملل اجمعوا علی ان الکذب من اللّٰہ محال۔ ص۲۱۹

یعنی تمام اہلِ ملت والوں کو اتفاق ہے کہ اللہ تعالےٰ سے جھوٹ محال ہے۔

(سوال) اگر کہا جائے کہ اللہ تعالےٰ سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر تو ہو سکتا ہے، پھر تمہارا مدعا ثابت نہ ہوا (جواب) خدا کے برابر کسی کا سچا ہونا اولاً تو مخالفین کے نزدیک بھی مردود ہے ثانیاً یہ کہ کلام عرب میں خصوصاً اور جمیع محاوراتِ اہل لسان میں عموماً یہ لفظ نفی مساوات کے لیے ہی آیا کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی میں ہے:

ویفید نفی المساوات ایضاً کما فی قولھم لیس فی البلد اعلم من زید روح المعانی جلد ۵، ص ۱۰۵، وھکذا فی حاشیۃ العلامۃ الکازرونی علی البیضاوی، جلد ۲، ص ۱۰۶۔

یعنی یہ مساوات کی نفی کو بھی مفید ہے۔ چنانچہ محاورے میں کہتے ہیں شہر میں زید جیسا کوئی علم والا نہیں ہے۔

امکان کذب کے متعلق مزید ابحاث فقیر کی تفسیر اویسی میں ملاحظہ ہوں۔ یا سبحان السبوح کا مطالعہ کیجئے۔[1]

یاد رہے کہ قرآن مجید کا اطلاق کلام ازلی نفسی قدیم پر ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالےٰ کی صفت ہے اسے جو شخص حادث کہے کافر ہے۔ البتہ اس کا اطلاق جب نظم متلو (تلاوت کردہ ترکیب) پر ہوتا ہے تو یہ حادث ہے اسے بھی جو قدیم کہے تو وہ اپنی جہالت و حماقت پر مہر ثبت کرتا ہے۔

اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ۔ یہ مستثنیٰ مفرغ اور محلاً منصوب ہے اسی لیے کہ ما یأتیھم کے مفعول سے استثنا ہے اور استمعوہ سے پہلے لفظ قد مقدر ہے۔ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ یہ استمعوہ کے فاعل سے حال ہے یعنے کفار کلامِ الٰہی کو سن کر ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ لعب سے مشتق ہے ہر وہ امر کہ جس کے کرنے سے مقصد صحیح کا ارادہ نہ ہو۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ۔ یہ دوسرا حال ہے لہا سے مشتق ہے بمعنے ذھل و غفل۔

---

[1] : [.....] اضافہ از اویسی غفرلہٗ۔

راغب (اصفہانی) نے لکھا کہ ہر وہ کام جو انسان کو مقصد و مراد سے باز رکھے مثلاً کہا جاتا ہے :

"لهوت ولهيت بكذا بمعنے اشتغلت عنه بلهو، یعنے میں نے انھیں لہو و لعب میں مشغول رکھا۔

اور کہتے ہیں :

الهاه عن كذا بمعنے شغله عما هوا۔

اب معنی یہ ہوا کہ ان کے ہاں قرآن مجید نیا نہیں آیا مگر اس حال میں کہ کفار کا سننا لہو و لعب کے طور پر تھا اور وہ اس سے ٹھٹھا مخول کرتے اس میں کسی قسم کا غور و خوض نہیں کرتے اس لیے کہ نہایت درجہ کی غفلت میں ہیں اور اس میں تفکر و تدبر نہیں کرتے تاکہ اپنے انجام بخیر بنالیں لعب کو لہو پر مقدم کرنے میں تنبیہ ہے کہ کفار کو غفلت نے حق کو حاصل کرنے سے کوسوں دور رکھا ہوا ہے اور پھر ٹھٹھا مخول میں مشغول ہوئے کیونکہ ٹھٹھا مخول اسی لہو کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے نہ حق کو پا سکے نہ انھیں اپنے انجام کے لیے تدبر و تفکر کا موقعہ ملا۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قلب لاهی وہی ہے جو دنیا کے احوال میں تشاغل اور احوال آخرت سے غافل ہو۔ اور واسطیؒ نے فرمایا کہ کفار کے قلوب مصادر و موارد و مبدا و منتہی سے غافل ہیں اسی لیے ان کے لیے فرمایا : لاهية قلوبهم۔

ے

یا الٰہی بجود نا متناہی
از سوا دُور کن دل لاہی

ترجمہ : اے اللہ! اپنے جود غیر متناہی سے ہمارے غافل دل کو ماسویٰ سے دور فرما۔

وَ اَسَرُّوا النَّجْوَى :

حل لغات اسروا النجوی مصدر ہے بمعنے کسی کو راز کی بات کہنا۔ پھر اسے التناجی کا اسم قرار دیا گیا ہے بمعنے وہ بات جو ایک دوسرے کو راز کے طور پر کہی جائے یعنے دو یا دو سے زائد انسانوں کے درمیان راز کی بات، مثلاً کہا جاتا ہے :

"تناجي القوم"

یہ اس وقت بولتے ہیں جب غیروں سے چھپ کر دو یا دو سے زائد انسان آپس میں باتیں کریں۔

راغب اصفہانیؒ نے فرمایا : ناجيته اى ساررته یعنے میں نے اس کو راز کی بات بتائی اور اس نے مجھے۔

دراصل نجوۃ اس جگہ پر کوچ کر جانے کو کہا جاتا ہے جو اونچی جگہ ہو چونکہ اس نے دوسری زمین سے ہٹ کر اونچائی کو اختیار کر لیا ہے اسی لیے اسے نجوۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سرگوشی سے بات کرنے والے

غیروں سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے عموماً پوشیدہ اور آہستہ بولتے ہیں اسی لیے ان کی بات کو نجویٰ سے تعبیر کیا گیا۔ اور پھر چونکہ پوشیدہ و آہستگی پر وہ مبالغہ کرتے تھے اسی لیے اللہ تعالٰے نے ان کے لیے فرمایا : واسروا النجوی۔

الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ، اور چھپے راز کی بات کہی ان لوگوں نے جنھوں نے شرک اور معصیت کا ارتکاب کرکے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ یہ واسروا کی ھم ضمیر سے بدل ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ ظالم اسی وجہ سے ہیں کہ جو انھوں نے باتوں کو چھپا کر ایک دوسرے سے کہیں۔ اس کے بعد سوال ہوا کہ انھوں نے اپنے میں کونسی راز کی باتیں کہیں۔ جواب ملا کہ انھوں نے آپس کے راز و نیاز میں کہا :

هَلۡ هٰذَاۤ ۔ هل نافیہ ہے یعنے نہیں ہیں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ مگر تمھارے جیسا بشر کہ گوشت و پوست اور خون میں تمھارے مساوی ہیں۔ تمھاری طرح کھاتے پیتے ہیں جن چیزوں کا عام بشر محتاج ہوتا ہے وہ بھی انہی کے محتاج ہیں جیسے تم مرو گے وہ بھی مریں گے[1] جب وہ ان امور کے محتاج ہیں تو وہ صرف بشر ہیں وہ رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ غلط ہے (معاذ اللہ) ظاہری چمڑے اور صاف جسم والے کو بشر کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس کا چمڑا بالوں میں حیوانات کی طرح چھپا ہوا نہیں بخلاف دوسرے حیوانات کے کہ ان کے کسی کے جسم پر بال ہیں اور کسی پر پَر، اُون وغیرہ ہے۔ اور اس کا اطلاق واحد جمع ہر دونوں کے لیے برابر ہوتا ہے اور قرآن میں ہر جگہ لفظ بشر سے جثہ اور اس کا ظاہر مراد ہے۔

اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ ۔ ہمزہ انکار کے لیے اور فا، فعل مقدر پر عطف ہے۔ وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ۝ تاتون سے انکار کے لیے حال منفردہ اور استبعاد کے لیے حال مؤکدہ ہے یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمھارے جیسے بشر ہیں اور یہ جو مجموعۂ قرآن لائے ہیں یہ جادو ہے پھر ایک دوسرے کو کہتے کہ جب تم مانتے ہو تو پھر تم ان کے ہاں کیوں حاضر ہو کر ان کی باتوں پر یقین کرتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ ان کا ہر کام جادو ہے۔

ف : کفار نے یہ باتیں اسی لیے کیں کہ ان کا عقیدہ تھا کہ رسول صرف فرشتہ ہو سکتا ہے کوئی انسان اللہ تعالےٰ کا نبی مرسل نہیں ہو سکتا اگر کوئی دعویٰ کرے تو غلط ہے۔ اگر نبی سے معجزات کا صدور ہو تو وہ انھیں جادو اور تخیلات اور مکر و فریب (جن کی کوئی حقیقت نہ ہو) کہہ کر ٹھکرا دیتے۔

ف : امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت میں طعنہ زنی کی کہ وہ بشر ہیں اور وہ معجزات جو ان سے صادر ہوتے ہیں وہ جادو ہیں۔ ان کا یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ نبوت کی صحت کا دار و مدار معجزات پر ہے نہ صور خیالیہ پر۔ جب کسی بندۂ خدا سے معجزات کا صدور ہو گا اسے نبی ماننا واجب ہو گا۔ جب انھوں نے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معجزات دیکھے تو ان پر واجب تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت پر ایمان لاتے ہے

---

[1] : بعینہٖ یہی باتیں آج کل کے وہابیوں دیوبندیوں سے سنی جاتی ہیں۔ ۱۲

لوح صورت بشوے و معنے جو
کہ صور برگ شد معانی بو

ترجمہ: تختی سے ظاہری صورت دھو ڈال اور معنے کو ڈھونڈ اس لیے کہ صورتیں تو بمنزلہ پتوں کے ہیں اور حقائق بمنزلہ خوشبو کے، اور مقصد خوشبو ہوتا ہے نہ کہ پتے۔

نکتہ: کفار نے حضور علیہ السلام پر بشری تہمتوں کو اپنے دل میں اس لیے چھپایا تاکہ وہ آپس میں مشورے اور مختلف تدبیریں تیار کر سکیں۔ اس لیے کہ مشورہ کرنے والوں کی عام عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے امور کو حتی الامکان دشمنوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔

حدیث شریف حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی حوائج کی کامیابی کے لیے پوشیدہ رکھنے سے مدد چاہو، اس لیے کہ صاحبِ نعمت پر حسد کیا جاتا ہے۔

قٰلَ ۔ اس کے فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب آپ کو بذریعہ وحی کفار کے اقوال و احوال اور ان کے پوشیدہ سرگوشیاں واضح اور منکشف ہوئیں[1]۔ **رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ** ، میرا رب تعالٰی جانتا ہے ہر بات کو کھلم کھلا ہو یا پوشیدہ درآنحالیکہ تم کہو ۔ **فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ** ، آسمان یا زمین میں۔ جب ایسا وسیع العلم ہے تو پھر تمہاری سرگوشیاں اس کے آگے کس طرح مخفی رہ سکتی ہیں جب وہ تمہاری سرگوشیاں جانتا ہے تو پھر تمہارے اعمال کیسے نہیں جانیں گے۔ **وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ** ○ اور وہ تمام مسموعات کو خوب جانتا ہے۔ منجملہ ان کے تمہاری سرگوشیاں ہیں ان کا بھی اسے علم ہے اسی لیے تمہارے تمام اقوال و افعال کی تمہیں جزا دے گا۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ :

حلِ لغات: اضغاث ضغث (بالکسر) کی جمع ہے وہ گھاس کا مٹھا جس میں خشک و تر ملا ہوا ہو۔ اور اضغاث احلام سے وہ پریشان خواب مراد ہیں جن کی تاویل میں اختلاط ہو۔ (کذا فی القاموس)

اور الاحلام حلم (بضم الحا و سکون اللام) بمعنے الرویا (خواب) اور بضم اللام بمعنے عقل، ایک لغت میں آیا ہے الاحلام بمعنے مطلق خواب، حق ہوں یا باطل اور اضغاث احلام (بمعنے اباطیل) کی طرف اضافت اضافۃ الخاص الی العام کے قبیل سے ہے اور یہ اضافت بمعنے من ہے الرویا، حق خواب اور الحلم باطل خواب پر بولا جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے :

---

[1] : اس سے معلوم ہوا کہ علم کے باوجود کفار کو سمجھانے کے لیے اس علم کو اللہ تعالٰی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

الرویاء من اللہ و الحلم من الشیطان۔ (رویا منجانب اللہ اور حلم شیطان کی جانب سے ہوتا ہے)۔

ف: یہ اعراض منجانب اللہ ہے کہ ایک حکایت سے قول دیگر کی طرف انتقال کیا گیا ہے یعنے اللہ تعالٰے نے کفار کی مذمت کرکے فرمایا کہ وہ نہ صرف میرے محبوب کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر بشر کی رٹ لگاتے یا ان کے معجزات دیکھ کر انھیں جادوگر کہتے ہیں بلکہ ان کا نظریہ ہے کہ یہ قرآن ان کے پریشان خواب ہیں جو وہ نیند میں دیکھ کر عوام میں پھیلاتے ہیں (معاذ اللہ) بَلِ افْتَرٰىهُ، بلکہ حضور علیہ السلام نے قرآن مجید کے مضامین از خود گھڑ لیے ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی انھیں حقیقت سے کوئی مناسبت ہے۔ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ، اور یہ جو کچھ لائے ہیں یہ تخیل شاعرانہ ہے جسے سننے والا سمجھتا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت ہے حالانکہ ان کے مضامین کی کوئی حقیقت نہیں۔

ف: مبطل اور کمزور انسان جب دلائل نہیں دے سکتا تو بالمقابل کے دلائل و براہین کے سامنے ہتھیار ڈالتا ہے تو عالم تحیر میں ڈوب کر اس طرح کی باتیں کرتا ہے اور اپنے ایک باطل قول کو چھوڑ کر دوسرے باطل ترین کی طرف رجوع کرتا ہے جیسے مضمون ہٰذا میں ہے کہ پہلے اللہ تعالٰے نے اعراض فرمایا پھر کفار نے اپنے کلام میں اعراض در اعراض کیا ان کا ہر اعـــراض مبنی بر بطلان ہے۔

تحقیق شعر

امام راغب علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

شعرت بمعنی اصبت الشعر۔ اسی سے "شعرت کذا بمعنی علمت علما فی الدقۃ" مستعار ہے کہ وہ اصابۃ الشعر کی طرح ہے۔

بعض نے کہا کہ شاعر کو اس نام سے اسی لیے موسوم کرتے ہیں کہ وہ نہایت درجہ کا فطین اور دقیق معرفت رکھتا ہے۔

دراصل شعر علم دقیق کا نام ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

"لیت شعری"

اور عرف میں موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو اس طرح کے کلام پر قادر ہو اسے شاعر کہتے ہیں۔ بل ھو شاعر (اور اس طرح کی اور آیات) میں شاعر کو بعض مفسرین نے اسی معنے عرفی پر محمول کیا ہے اس لیے کہ کفار نے حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی لیے متہم کیا تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید کا ہر جملہ منظوم و مقفّٰی کے مشابہ ہے مثلاً: وجفان کالجواب وقدور راسیات۔ اور تبت ید ابی لہب وتب۔

لیکن بعض محققین نے کہا کہ کافروں کو حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کہنا عرفی معنے کی وجہ سے نہیں اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے مضامین شاعرانہ اسلوب پر نہیں۔ چنانچہ اسے عجم کے بکریوں کے چرواہے بھی جانتے ہیں چہ جائیکہ فصحا و بلغائے عرب۔ ہاں کفار[1] نے حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کو شاعر بمعنے کاذب کہا۔ اس لیے کہ اہل عرب شعر سے

---

[1] یہی تقریر وہابیہ کے سوال "وما علمناہ الشعر الخ" میں بیان کی جاتی ہے تفصیل تفسیر اویسی میں ہے۔ ۱۲

کذب مراد لیتے ہیں اور شاعر کو کاذب کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادلہ کاذبہ کو شعر سے تعبیر کرتے ہیں۔
(چنانچہ فن منطق میں اس کا ایک مستقل باب موجود ہے)۔ اور (جاہلیت وغیرہ کے اشعار) کذب کے معدن سمجھے جاتے تھے۔ اہل عرب کا مقولہ مشہور ہے:

احسن الشعر اکذبہ۔ سب سے بڑے کاذب کی نشانی یہ ہے کہ اس کے اشعار اچھے ہوں۔

اسی لیے حکمار نے فرمایا: ہم نے سچے پکے دیندار کو شعر گوئی کی طرف مائل نہیں پایا۔

در قیامت نرسد شعر بفریاد کسے
گر سراسر سخنش حکمت یونان گردد

ترجمہ: قیامت میں شعر کسی کام نہیں آئے گا اگرچہ اس کے سخن میں تمام یونان کی حکمت موجود ہو۔

سوال: حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالٰی نے شعر گوئی ولایت کی علامت بنائی ہے کما قال:

از کرامات بلند اولیا
اولا شعر است آخر کیمیا

ترجمہ: اولیار کی بہت بڑی کرامات میں سے پہلے شعر گوئی اور انتہائی کرامت کیمیا ہے۔

جواب: اس سے کلام موزوں بنانے کی قدرت مراد ہے ورنہ ولایت کے تقاضوں سے نہیں کہ خواہ مخواہ شعر گوئی میں لگے رہیں۔

فَلْيَأْتِنَا۔ شرط محذوف کی جزا ہے جیسا کہ کلام کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔

دراصل عبارت یوں تھی:

وان لم یکن کما قلنا... الخ اگر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے نہیں جیسے ہم کہتے ہیں بلکہ ان کے دعوٰی کے مطابق وہ واقعی اللہ تعالٰی کے رسول ہیں تو لائیں ہمارے ہاں بہت بڑے آیات۔

بِآيَةٍ كَمَآ أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ○ جیسے آیات پہلے رسل کرام لاتے تھے جیسے ہاتھ کا سفید ہونا اور عصا کا سانپ بن جانا اور مردوں کو زندہ کرنا اور پتھر سے اونٹنی نکالنا وغیرہ، اگر وہ ایسے معجزات دکھائیں تو ہم ان پر ایمان لائیں گے۔

اس معنے پر ما موصولہ ہوگا اس کا عائد محذوف ہے اور کاف محلاً مجرور آیت کی صفت ہے۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ۔ مکہ کے مشرکین سے پہلے کفار ایمان نہیں لائے۔ مِّنْ قَرْيَةٍ "قریہ" ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اس سے اہل قریہ مراد ہیں۔ یہ محلاً مرفوع اور اٰمنت کا فاعل ہے تاکید عموم کے لیے مِن زائد ہے۔

اَهْلَكْنٰهَا جو ہم نے اس آبادی کے ساتھ ان میں رہنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا یعنے جب انھوں نے انبیاء کرام علیہم السلام سے معجزات طلب کیے اور ان کی طلب پر انبیاء علیہم السلام نے معجزات دکھائے لیکن معجزات کو دیکھنے کے باوجود انکار کیا تو ہم نے انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

یہ قـریـة کی صفت ہے۔

اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ○ ہمزہ وقوع کے انکار کے لیے ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ وہ کفار سابقین بعضوں نے انبیاء علیہم السلام سے معجزات طلب کیے۔ اور انبیاء علیہم السلام نے ان کی طلب پر معجزات ظاہر کیے تو وہ ایمان نہ لائے تو کیا یہ ایمان لائیں گے اگر ان کے سوالات و مطالبات پورے ہوں حالانکہ یہ ان سے زیادہ سرکش اور خر مغز ہیں۔ کما قال تعالےٰ :

اکـفـارکـم خـیـر مـن اولٰـئـکـم یعنے تمھارے زمانہ کے کفار ان کفار جیسے ہیں جو نوح و ہود اور صالح و لوط علیہم السلام اور فرعون کے زمانہ میں تھے۔ وہ کفار طلب آیات میں اس شخص کی طرح تھے جو اپنے ہاتھوں آپ مارا جائے۔

حضرت حسان (ابن ثابت) رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا :-

: لا تـك كالشـاة التي كان حتفها
بحفر ذراعيها فـلـم ترض مخضرا

ترجمہ : اس بکری کی طرح نہ ہو جس کا ذبح ہونا اپنے دونوں ہاتھوں سے ہوا کہ زمین کھود کر چھری نکال دی حالانکہ وہ اس کھودنے کو پسند نہ کرتی تھی۔

واقعہ عجیبہ : منقول ہے کہ کسی شخص کو بکری ہاتھ لگی اس نے چاہا کہ بکری کو ذبح کرے لیکن چھری پاس نہ تھی، بکری بندھی ہوئی تھی وہ اپنے پاؤں سے زمین کو کریدتی رہی یہاں تک کہ اس سے چھری برآمد ہوئی تو اس شخص نے اس چھری سے بکری کو ذبح کر دیا۔

اب یہ مثال اس شخص کے لیے دی جاتی ہے جو اپنے ہاتھوں آپ مارا جائے۔

فائدہ ردّ وہابیہ : اس میں تنبیہ ہے کہ کفار کے مطالبہ پر معجزات ظاہر نہ کرنے میں ان پر رحمت و شفقت فرمائی گئی ہے اس لیے کہ ان کے حسب طلب اگر معجزات ظاہر ہوتے اور وہ ایمان نہ لاتے تو وہ تباہ و برباد کن عذاب کے مستحق ہوتے جیسے پہلے کافروں کے ساتھ ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کی امت کو تباہ کن عذاب قیامت نہیں آئے گا۔

(وہابیہ نے ایسے مقامات پر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے عدم اختیار کا شور برپا کیا ہوا ہے۔ ان غریبوں کو حقیقتِ حال کا علم نہیں یا ثبوت دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں)۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ آیت اگرچہ قیامت کے منکرین کے لیے نازل ہوئی ہے لیکن مضمون کے لحاظ سے ہمارے زمانہ کے بعض مدعیان اسلام کو بھی شامل ہے۔ وہ اس طرح کہ اس عالم دنیا میں اللہ تعالٰی کسی خاص بندے میں قرآن مجید کے اسرار ورموز پیدا فرماتا ہے اور اسے علوم لدنیہ کے حقایق معلوم ہوتے ہیں تو ان کے منکرین بھی ان کے ساتھ پیدا فرما دیتا ہے جو ان کے کمالات وکرامات کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ ان کے ہر معاملے اور ہر کام پر ٹھٹھہ مخول کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب خواہشات نفسانی کی اتباع میں غافل اور شہوات دنیویہ سے متعلق ہو کر ان کے قلوب ذکر الٰہی سے روگرداں اور اس کی طلب سے بھولے ہوئے ہیں اور اندرونی طور پر ان کی سازشیں ان ظالمین سے ہیں جو اولیاء اللہ کے منکرین ہیں اور انھیں کہتے ہیں کہ تمھارا ہر کام اور ہر کلام جادو اور مکر وفریب پر مبنی ہے آپ انھیں فرمائیے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالٰی کے سپرد ہے وہ اہلِ سما یعنے قلوب اور اہلِ ارض یعنے نفوس کے امور کو جانتا ہے اس لیے کہ اہلِ قلوب کے اقوال کو سنتا اور اہلِ نفوس کے اقوال اور ان کے انکار کو جانتا ہے اور اسے ان کے دلوں کے راز اور ان کے افعال واوصاف اور پوشیدہ اسرار کے اوصاف معلوم ہیں بلکہ محققین کے کلام کو وہ خیالات فاسدہ تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہ انھوں نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالٰی کے الہامات ہیں اور بعض ان کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ وہ شاعر ہیں یعنے جو کہتے ہیں یہ ان کی صداقت نفس اور ذکائے طبعی اور اس کی قوت سے ہے۔ بعض نے کہا کہ انھیں کہو کہ اگر واقعی تم ولی اللہ ہو تو کوئی کرامت دکھاؤ جیسے متقدمین مشائخ نے کرامات دکھائیں۔ اللہ تعالٰی نے ان کے رد میں فرمایا کہ ان سے پہلے لوگوں نے جب اولیاء کرام کی کرامات دیکھیں اور پھر بھی انکار کیا تو ہم نے انھیں رسوائی اور دوری ومحرومی سے تباہ وبرباد کیا۔ ایسے لوگ ارباب حقائق سے اگرچہ کرامات بھی دیکھیں تو بھی اولیاء کرام کا انکار کریں گے اس لیے کہ یہ سابقہ منکرین کی طرح کفر پر پیدا کیے گئے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مغز را خالی کن از انکار یار
تاکہ ریحان یابد از گلزار یار
تا بیابی بوے خلد از یار من
چوں محمد بوی رحمان از یمن

ترجمہ: انکار یار سے مغز کو خالی رکھ تاکہ تمھیں گلزار یار سے خوشبو نصیب ہو۔
تاکہ تمھیں یار کی بہشت سے خوشبو حاصل ہو جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتے تھے۔

یک منارہ در ثنای منکراں
کو درین عالم کہ تا باشد نشاں

۲۔ منبری کو کہ بر آنجا مخبری
یاد آرد روزگار منکری

۳۔ روی دینار و درم از نامشان
تا قیامت میدہد از حق نشان

۴۔ سکۂ شاہاں ہمی گردد دگر !
سکۂ احمد ببین تا مستقر

۵۔ بررخ نقرہ دیاروی زری !
د انما برسکۂ نام منکری

۶۔ ہر کہ باشد ہمنشین دوستان
ہست در گلخن میان بوستان

۷۔ ہر کہ با دشمن نشیند در زمن
ہست او در بوستان در کولخن

ترجمہ: ۱۔ منکروں کی یادگار دنیا میں رکھی گئی تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔

۲۔ جب منکرین کی یادگار سے کوئی گذرتا ہے تو اسے وہ یاد دہانی کراتا ہے۔

۳۔ روپوں اور سکوں پر وہ نام کندہ کراتے ہیں تاکہ قیامت تک نشان باقی رہے۔

۴۔ لیکن بادشاہوں کے سکے مٹ گئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشان قیامت تک باقی ہے۔

۵۔ سکہ ہو یا سونا کسی منکر کا نام کندہ ہے تو کیا ہوا۔

۶۔ جو دوستوں کے ساتھ بیٹھتا ہے وہ باغ کے پھولوں پر ہے اگرچہ آگ کی بھٹی میں ہو۔

۷۔ کوئی دشمن کے درمیان ہو تو وہ اگرچہ باغ میں ہو تب بھی سمجھو کہ آگ میں ہے۔

اے اللہ! ہمیں اولیاء اللہ کی مجلسوں میں بیٹھنے کی توفیق بخش اور قیامت میں ان کے ساتھ اٹھا، بحرمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا ، یہ کفار کے قول: ھل ھذا الا بشر مثلکم، کے قول کا جواب ہے۔ ہم نے آپ سے پہلے تمام امتوں کی طرف ان کے ہم جنس وہ مرد بھیجے جو نبوت ورسالت کے اہل تھے۔ **نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ** ، ہم بواسطۂ ملائکہ شرائع واحکام و دیگر قصص و اخبار کے لیے وحی بھیجتے رہے ان کی اور آپ کی وحی میں کسی قسم کا

فرق نہیں ہے اور نہ ہی ان کی حقیقت کی مدلول میں کوئی تفاوت ہے اور جیسے آپ بشر ہیں وہ بھی بشر تھے۔ جب یہ بات مسلم ہے تو پھر کفار کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی نبوت کو نہیں مانتے، آپ کوئی نئے نبی بن کر تو نہیں آئے اور نہ ہی آپ کی وحی ان کی وحی کے خلاف ہے۔ اب ان کی بدقسمتی ہے کہ آپ کی طرف غلط باتیں منسوب کر رہے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کے تابعین پیدا فرماتا رہتا ہے اور انھیں وحی الہام سے مخصوص فرماتا ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حواریین پیدا فرمائے جنھیں عیسیٰ علیہ السلام کی تابعداری کی برکت سے وحی الہام سے نوازا گیا۔

کما قال تعالےٰ:

واذا اوحیت الی الحواریین ان امنوا بی و برسولی۔ اور جب ہم نے حواریین کی طرف وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے رسول علیہ السلام پر ایمان لاؤ۔

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ پہلے ہم نے بتایا ہے کہ ذکر کا اطلاق کتب الٰہیہ پر ہوتا ہے یعنے اگر تم مذکور بیان کو نہیں جانتے تو اے کافرو! جاملو! اہل کتاب سے پوچھو جو سابقہ رسل کرام علیہم السلام کے حالات کو جانتے ہیں ان سے سوال کرنے سے تمہارے شبہات زائل ہو جائیں گے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جم غفیر کی خبر بھی علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔

ف: یہ اس لیے فرمایا گیا کہ وہ مشرکین جو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عداوت میں شب و روز لگے رہتے تھے۔ وہ ان اہلِ کتاب سے بھی حضور علیہ السلام کے متعلق مشورہ لیتے تھے اور انھیں یہ بھی اقرار تھا کہ پہلے رسل کرام علیہم السلام بشر تھے اگرچہ اہلِ کتاب کو صرف ہمارے نبی علیہ السلام کی نبوت سے انکار تھا۔

ف: حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ آپ کو اصول و فروع پر اس قدر زیادہ وسعت کیسے نصیب ہوئی۔ آپ نے یہی آیت پڑھ کر فرمایا کہ اہلِ علم سے سوال علوم پر حاوی ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا:

حلِ لغات: الجسد، انسان، جن اور ملائکہ کے جسم کو کہا جاتا ہے۔

ف: امام راغب رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ الجسد، الجسم کی طرح ہے لیکن جسد، جسم سے اخص ہے اس لیے کہ جسد، وہ ہے جس میں لون (رنگ) ہو اور جسم وہ ہے جس میں رنگ وغیرہ نہ ہو جیسے پانی ہوا اور یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے اسی لیے منصوب ہے۔ اس کا معنے یہ نہیں کہ پہلے جسد نہیں تھے اب انھیں جسد بنایا گیا جیسا کہ جعل بمعنے تصییر کا تقاضا ہے بلکہ اس کا معنے یہ ہے کہ ہم نے ابتداءً انھیں جسد بنایا ہے جیسے "سبحان من صغر البعوض وکبر الفیل" میں ابتدار کا معنے مفہوم ہوتا ہے۔

لَا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ ، یہ 'جسد' کی صفت ہے ۔ اور طعام گندم اور ان اشیاء کو کہا جاتا ہے جو کھانے کے لائق ہیں اور الطعم صرف غذا (کھانے) کو کہتے ہیں یعنی ہم نے انبیاء علیہم السلام کو ایسے اجسام پیدا نہیں کیا جو کھانے اور پینے سے مستغنی ہوں بلکہ وہ طبعی طور پر کھانے پینے کے محتاج ہیں تاکہ کھانے پینے سے جسم میں زندگی بسر کی جا سکے ۔ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ اور نہ ہی وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے اس لیے کہ جو شے بھی اس طرح کی زندگی رکھتی ہے وہ قابلِ فنا ہوتی ہے اور خلود شے کے تغیر و فساد سے بری ہونے کو کہتے ہیں اور وہ شے جو اپنی پہلی حالت پر باقی رہے ۔ لیکن یہاں پر تا دیر سلامت رہنے کو کہا جاتا ہے جیسے ملائکہ کرام کہ یہ اس عالمِ دنیا میں تا دیر رہ کر آخر فانی ہوں گے اور کفار کا عقیدہ تھا کہ ملائکہ کرام علیہم السلام کو موت نہیں ۔

اب آیت کا معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کو اجسام بنایا ہے کہ وہ طبعی طور پر غذا کے محتاج ہیں اور ایک مدّت کے بعد ان پر موت طاری ہو گی ۔

یاد رکھئے کہ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے سے

انبیاء کو اجل آنی ہے فقط آنی ہے ۔

یہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ نہیں بلکہ بشر ہیں اگرچہ ملائکہ کرام کو بھی خلود نہیں بلکہ ایک دن ان پر بھی موت آئے گی ۔

ردِّ وہابیہ : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام میں طبعی طور پر طعام کی ضرورت رکھی گئی ہے بخلاف ملائکہ کرام کے کہ ان کی طبیعت کو طعام وغیرہ کی ضرورت نہیں اور انبیاء و اولیاء میں طعام کی ضرورت نبوت و ولایت کے کمال کے منافی نہیں اس لیے کہ طعام وغیرہ کی ضرورت ان کے احوال لوازم اور ان کے کمال کے توابع سے ہے اور ان کے لیے طعام وغیرہ میں چند فوائد ہیں :

(۱) طعام روحِ حیوانی (جو روحِ انسان کا مرکب ہے) کے لیے ایسے ضروری ہے جیسے چراغ کے لیے تیل ۔ اور یہی جمیع صفاتِ نفسانیہ شہوانیہ کا سرچشمہ ہے اور وہ یہی شوق و محبت کی سواری ہے اور اسی شوق و محبت سے سالک صادق بُعد و محرومی کے راستے طے کرتا ہے اور اسی سے عاشقِ صادق فراق اور جدائی کی ہلاکتوں سے گذر کر کعبۂ وصال تک پہنچتا ہے ۔

(۲) طعام خواہشِ نفسانی کا نتیجہ ہے یہی طعام نفس کو خواہشات کی طرف لاتا ہے پھر مردِ مولیٰ نفس کو خواہشات کو روک کر واصل باللہ ہوتا ہے ۔ کما قال تعالٰے :

ونهى النفس عن الهوى ۔

اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں :

لولا الهوى ما سلك احد طريقا الى الله ۔ اگر خواہشاتِ نفسانی نہ ہوتیں تو کوئی بھی اللہ تعالٰی

تک نہ پہنچتا۔

(۳) بہت سے وہ علوم جو اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام کو سکھائے ان سے اکثر اکلِ طعام سے متعلق ہیں مثلاً، مذوقات کے ذوق اور تلذذ بالمشتہیات اور لذتِ شہوت و جُوع وعطش، شبع (سیر ہونا) پیاس، ہضم الطعام، اس کا ثقیل ہونا اور صحت، مرض، دار، دوا وغیرہ کا علم اسی طرح وہ علوم جو فن طب سے متعلق ہیں اور وہ علوم جو ان کے توابع ہیں جیسے ادویہ کی معرفت اور گھاس، پھول، بوٹی اور ان کے خواص وطبائع وغیرہ کے علوم اسی اکل طعام سے متعلق ہیں۔

ہم صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ اکل طعام کے بے شمار فوائد ہیں۔

حکایت: کسی ایک صوفی محقق پر اسم "الصمد" کی تجلیات جلوہ گر ہوئیں تو انھوں نے چھ ماہ نہ کھایا نہ پیا۔ ان کے شیخ اور پیر ومرشد نے فرمایا کہ بیٹے! کچھ نہ کچھ کھالیا کرو اس لیے کہ کمالاتِ محمدی کا راز کھانے اور نہ کھانے اور سونے اور بیدار رہنے وغیرہ میں مضمر ہے ورنہ اسلام میں رہبانیت کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ ہاین مکن خود را خصی رہبان مشو
زانکہ عفت ہست شہوت را کرو

۲۔ بی ہوا نہی از ہوا ممکن نبود
ہم غزا بر مردگان نتوان نمود

۳ پس کُلُوا از بہر دام شہوتست
بعد ازاں لاتسرفوا آن عفتست

۴۔ چونکہ رنج صبر نبود مر ترا
شرط نبود پس فرو ناید جزا

۵۔ حبذا آن شرط و شادا آن جزا
آن جزای دل نواز جانفزا

ترجمہ: (۱) خبردار! خصی رہبان نہ ہو اس لیے کہ عفت شہوت کی گرو ہے۔

(۲) خواہش کے بغیر شہوت سے نہیں روکا جاتا۔ اور مردوں کے ساتھ جنگ نہیں لڑی جاتی۔

(۳) کُلُوا (کھاؤ) کا حکم بھی شہوات کی پھانسی ہے۔ اس کے بعد لا تسرفوا (حد سے نہ بڑھو) کا حکم عفت ہے۔

(۴) اگر کسی کو صبر کا رنج برداشت نہیں تو اسے جزا نہیں ملے گی۔

(۵) شر بھی خوب اور جزا بھی بھلی، وہ جزا دلنواز واہ واہ۔

ف: امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: قیامت میں چار شخصوں کی عبادت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا:

(۱) زاہد خصی۔

(۲) لشکری کا تقویٰ، جو بوجہ مجبوری اپنے آپ کو متقی بنائے اور جو مخلصانہ طور پر ہر فعل و قول میں اللہ تعالٰی کا خوف اور تقویٰ رکھے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

(۳) عورت کی امانت، جیسا کہ ہم نے فوجی کے لیے کہا اسی طرح عورت کے لیے سمجھئے۔

(۴) نابالغ لڑکے کی عبادت، یہ اکثریت پر محمول ہے ورنہ ان سب کی عبادات اللہ تعالٰی کو محبوب ہیں۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اور فعل صدق دوسرے مفعول کی طرف حرف جر سے متعدی ہوتا ہے اور وہ یہاں واختار موسٰی قومہ کی طرح محذوف ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی پھر ہم نے ان کے ساتھ وعدہ پورا کر دکھایا کہ وحی کے منکرین کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَ مَنْ نَّشَآءُ، پس انھیں اور ان پر ایمان والوں کے علاوہ دوسروں کو جنھیں ہم نے چاہا نجات بخشی یعنے جنھیں باقی رکھا گیا ان کے باقی رکھنے میں حکمت الٰہی کا تقاضا تھا وہ خود یا ان کی اولاد سے جنھوں نے دولت ایمان سے نوازا جانا تھا اور عرب کو دائمی عذاب سے نجات بخشنے کی حکمت بھی یہی تھی کہ ان کی اولاد کو دولت اسلام نصیب ہوئی۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ ومن نشاء سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امم سابقہ میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ صرف ان پر ایمان لانے والے محفوظ ہوئے باقی تمام کفار ہمہ گیر عذاب میں تباہ و برباد ہو گئے تھے جیسا کہ دوسرے مقام پر واضح الفاظ میں فرمایا:

ثم ننجی رسلنا والذین امنوا کذلک حقا علینا ننج المومنین۔

اور اہل عرب چونکہ عذاب سے محفوظ رہے صرف اسی لیے کہ ان کی نسلوں سے اہل ایمان پیدا ہونے تھے اسی لیے اولاً ان پر عذاب نہیں آیا اگر بعض مواقع پر مبتلا ہوئے تو ان میں سے وہ بچ گئے جو خود مسلمان ہوئے یا ان کی نسلوں سے ایمان لانے والے پیدا ہوئے جیسے بدر کی لڑائی سے واضح ہے۔

وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ○ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔ تجاوز عن الحد سے ان کا کفر اور معاصی کا مرتکب ہونا مراد ہے۔

راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس کا مادہ السرف ہے بمعنے التجاوز عن الحد فی کل فعل یفعلہ الانسان، ہر وہ کام جو انسان کرے اس کی حد سے آگے بڑھنے کو عربی میں سَرَفٌ کہتے ہیں اگرچہ انفاق میں اس کا

استعمال زیادہ مشہور ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ، ہم نے تمھاری طرف نازل فرمائی ہے۔ کِتٰبًا، کتاب عظیم الشان و منیر البرہان۔ فِیْہِ ذِکْرُکُمْ، اس میں تمھارے لیے نصیحت ہے اور اچھے وعدے دیئے گئے ہیں تاکہ تم نیکی کی طرف رغبت کرو۔ اور اس میں وعیدیں ہیں تاکہ تم خوفِ خداوندی سے ڈرو، نہ یہ جادو ہے نہ شعر (جھوٹ) ہے نہ پریشان خیالات ہیں اور نہ نبی علیہ السلام نے اسے اپنی طرف سے گھڑا ہے جیسے تمھارے دعاوی ہیں۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ فا 'عاطفہ ہے اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جو کہ افلا تتفکرون ہے یعنے کیا تفکر و تدبر کو کام میں لے کر سمجھتے نہیں کہ معاملہ یوں ہے۔

بعض نے کہا کہ یہاں 'ذکر' بمعنے شرف ہے یعنی تمھاری شرافت و بزرگی اسی کتاب میں ہے کہ یہ تمھاری زبان عربی میں نازل ہوئی ہے۔

ف: کاشفی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ آیت ھٰذا میں حفاظِ قرآنِ مجید کی شرافت و بزرگی کا بیان ہے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اشراف امتی حملة القران۔ میری امت کے بزرگ ترین لوگ قرآن مجید کے حفاظ ہیں۔

اسی معنے کی تائید و تاکید کرتا ہے۔ لیکن اسمی و رسمی حفاظ مراد نہیں بلکہ جو قرآن مجید کی تلاوت پر مداومت اور اس پر عمل کی مواظبت رکھتے ہیں۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ للفناری)۔ ؎

اہلِ قرآنند اہل اللہ و بس
اندر ایشان کے رسی اے بوالہوس
اہل باشد جنس و جنس این کلام
نیست جز مرغی کہ پرواز ز دام

ترجمہ: اہلِ قرآن ہی اہل اللہ ہیں ان کے مرتبہ کو تم اے ابوالہوس کیسے پہنچ سکتے ہو اس لیے کہ اہل اسے کہتے ہیں جو اس کلام کا ہم جنس ہو ورنہ اس کی مثال اس پرندے کی سی ہے جو قید سے چھوٹ کر بھاگے۔

حدیث شریف (۱) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ کے دو اہل ہیں وہی دراصل ایک ہیں اہلِ قرآن وہی اہلِ اللہ ہیں یعنے اس کے خواص بندے ہیں۔

لہ: اعجوبہ: ہمارے دور کے ملحدین یعنے منکرین حدیث اپنے آپ کو اہل قرآن اور ہمارے دور کے معتزلہ وہابی غیر مقلدین اپنے آپ کو اہلحدیث کہلوا کر لکھوا کر اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں۔ ۱۲

حدیث شریف (۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصال کی گھڑی قریب ہوئی تو ہم اپنی اماں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرہ پاک میں جمع ہوتے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا تو آپ کی چشماں مبارکہ سے آنسو بہہ نکلے اور مرحبا خوش آمدید (اللہ تعالےٰ تمھیں زندہ رکھے، اللہ تعالےٰ تم پر رحم فرمائے) کہا اور فرمایا: میں تمھیں اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور تقوٰے کی وصیت کرتا ہوں، اب میرا تم سے جدائی، اور اللہ تعالےٰ کی طرف اور سدرۃ المنتہٰی کی طرف چلے جانے کا وقت قریب ہے اور اب میں جنۃ الماوٰی کی طرف جانے والا ہوں۔ میرے وصال کے بعد مجھے میرے اہل بیت غسل دیں گے اور مجھے انہی کپڑوں میں یا یمنی کپڑوں میں کفنائیں گے۔ پھر جب تم میرے غسل وکفن سے فراغت پا لو تو میرا جنازہ (مبارک) میری لحد کے قریب رکھ کر تم سب باہر چلے جانا اس لیے کہ میری نماز جنازہ سب سے پہلے میرے حبیب جبرائیل پھر میکائیل پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت اپنے ساتھیوں سمیت پڑھیں گے۔ اس کے بعد تم جماعت در جماعت ہو کر پڑھنا۔[۱]

---

[۱] ہم اہلسنت تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازے مبارکہ کو جنازہ کہنا بھی بے ادبی سمجھتے ہیں لیکن کیا کریں اس کا بدل لفظ نہیں ملتا۔ لیکن باوجود اس ہمہ ہم شریعت کے قانون کا انکار نہیں کرتے آپ پر موت طاری ہوئی اس کے بعد آپ دائمی حقیقی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا جنازہ عام اموات کی طرح نہ پڑھا گیا بلکہ اس میں ہر ایک صحابی نے اپنی مغفرت کے لیے شفاعت طلب کی افسوس ہے کہ وہابی تو حضور علیہ السلام کو عام میت کی طرح مانتے ہیں، اور دوسری طرف شیعہ صحابہ کرام بالخصوص صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی جنازہ مبارکہ میں شمولیت نہیں مانتے۔

اس مسئلہ پر مستقل کتاب فقیر نے لکھی ہے اس سے چند حوالے لیجئے:

(۱) جلاء العیون میں ہے:

وقت نماز جنازہ حضرت رسول خدا ابوبکر نے چاہا کہ پیش امام ہو۔ امیر المومنین نے ہٹا دیا ہے۔ اور خود امامت کی۔ بعد اس کے اجازت دی۔ اصحاب دس دس داخل ہوتے اور درود بھیجتے تھے یہاں تک کہ اہل مدینہ و اطراف مدینہ حضرت پر درود بھیجتے تھے... الخ

اور ایسا ہی کتاب اظہار الہدیٰ صہ ۲۰۵ میں ہے۔ اور اصول کافی صہ ۲۳۶ معتبر کتاب شیعہ سے امام جعفر علیہ السلام سے مذکور ہے:

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما قبض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلت علیہ

کہا حضرت امام جعفر محمد باقر نے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو تمام ملائکہ و تمام مہاجرین و

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

الملٰئکۃ والمهاجرون والانصار فوجاً فوجاً... الخ

انصار نے فوجاً فوجاً نماز جنازہ آپ کی ذات پر پڑھی۔

اور کتاب ماتم جلد ا صـ ۶۵ پر بھی لکھا ہے :

عن ابی جعفر علیه السلام قال قال الناس کیف الصلوٰۃ علیه فقال علی علیه السلام ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم امامنا حیا ومیتا فدخلوا علیه عشرة عشرة فصلوا علیه یوم الاثنین ولیلة الثلثاء حتی الصبح ویوم الثلثاء حتی صلی علیه صغیرهم وکبیرهم وذکرهم واناثهم ونواحی المدینة بغیر امام.الخ

کہا امام جعفر نے کہ لوگوں نے آپس میں کہا کہ آپ کی ذات کا جنازہ کیونکر پڑھیں گے۔ پس کہا علی متقی نے آپ کی ذات حیاتی و مماتی میں ہماری امام ہے۔ لہٰذا آپ کی ذات پر دس دس آدمی کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھو۔ پس روز دوشنبہ نماز شروع ہوئی سہ شنبہ و منگل تک برابر بارہ پہر تک نماز اسی صورت میں ہوتی رہی اور تمام چھوٹوں اور بڑوں اور عورتوں اور مردوں نے اور تمام گرد و نواح مدینہ والوں نے بغیر امام کے نماز ادا کی

کتاب اہلسنت، شمائل ترمذی صـ ۳۰ کے حاشیہ میں بایں طور مسطور ہے :

قال ابوبکر یدخل قوم فوجاً فوجاً و کل واحد منهم یصلی علیه علیحدة و قال علی ابن ابی طالب رضی الله عنه ما یوم علیه لانه امامنا حال حیاته و امامنا حال مماته و قال ابوبکر ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اوصی بذلك الوجه وقع التاخیر فی دفنه... الخ

فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ لوگ فوج فوج داخل ہو کر آں حضور علیہ السلام کے جنازہ کی نماز ہر ایک نے ان میں سے علیحدہ علیحدہ پڑھی۔ اور کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ کوئی امام نہ بنے کیونکہ آپ کی ذات ہماری حیات و ممات میں امام ہے۔ اور کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی۔ اور اسی لیے حضور کے دفن کرنے میں دیر ہوئی۔

فتح المبین صـ ۱۴۸ پر لکھا ہے :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

(بقیہ حاشیہ صـ ۲۴ پر)

اور کہتے :

یا رسول اللہ انت نور ربنا و شمع جمعنا و سلطان امرنا اذا ذھبت عنا الی من نرجع فی امورنا۔

اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے رب کے نور اور ہماری مجلسوں کی شمع اور ہمارے جملہ امور کے سلطان تھے جب کہ اب آپ ہم سے رخصت ہوگئے تو پھر ہم اپنے امور کس کے ہاں لے جائیں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)

ان عبارات سے صاف صاف معلوم ہوا کہ تمام اصحاب مہاجرین و انصار نے آپ کے دفن کرنے سے پہلے نمازِ جنازہ ادا کی۔ اور اس پر یہ دلیل بھی شاہد ہے کہ جب آپ کی ذات کا جنازہ تیار ہوا اور دس دس آدمی داخل ہوتے اور نمازِ جنازہ پڑھتے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ دروازہ میں کھڑے ہوکر لوگوں کو کہتے کہ خالی کرو جنازہ کو اہل اس کے کہ وہ یہ ہے :

نادی عمر ابن الخطاب خلوا الجنازۃ و اھلھا .... الخ (نقل از ماثبت بالسنۃ صہ ۱۲۴ - مؤلفہ شیخ عبدالحق رح)۔

اور اگر شیعہ کہیں کہ اصحاب ثلاثہ تو خلافت کے جھگڑے میں مشغول رہے اور آپ کا جنازہ نہ پڑھا اگر پڑھا بھی تو بعد دفن کے پڑھا ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوپر کی تمام عبارتوں سے صاف معلوم ہوچکا ہے کہ قبل از دفن آپ کے تمام صحابہ نے جنازہ ادا کیا۔ اور اگر معترض کو سمجھ نہیں آئی تو فقیر دوبارہ تحریر کر دیتا ہے :

کتاب ماثبت بالسنۃ صہ ۱۱۸ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے پیر کے روز سلہ میں ربیع الاوّل کی ۱۲ ر تاریخ کو انتقال فرمایا تو اس الم سے حضرت عمر و عثمان و علی اور تمام صحابہ کرام دیوانوں کی طرح ہوگئے تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق اپنے گھر سے دوڑتے ہوئے آئے اور آپ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور روئے اور پیشانی مبارک کا بوسہ لیا۔ اور جب ان کو ہوش آیا تو فرمایا: صبر کرو۔ اور خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ فنا کا مقام ہے ہر ایک چیز ما سوا اللہ کے فنا ہونے والی ہے۔ اور اسی اثنا میں ایک محلّہ بنی ساعدہ میں تنازعۂ دربارۂ خلافت شروع ہوا۔ اہل مدینہ یعنی انصار کہتے کہ خلیفہ ہم سے ہونا چاہیئے۔ جب یہ بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سنی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر بنی ساعدہ یعنے سعد بن عبادہ کے گھر مشورہ کے لیے تشریف لائے اور وہاں تمام مہاجرین و انصار سے گفتگو کی۔ اور تمام مہاجرین و انصار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر خلیفہ اوّل نے منبر پر خطبہ پڑھا اور حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی طلب کیا۔ اور انھوں نے بڑی خوشی سے خلیفہ اوّل کی بیعت کی۔ اور یہ بہت صحیح ہے۔ نقل از تفریح الاحباب صہ ۳۴۔ اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے کتاب مذکورہ صہ ۱۲۶ پر لکھا ہے :

جب یہ مقدمہ طے ہوا تو پھر تمام اصحاب مہاجرین و انصار آپ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوتے۔ و ھو ھذا :

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵ پر)

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمھارے ہاں بہت بڑی روشن دلیل چھوڑے جا رہا ہوں یعنے ایسا طریقہ واسع و واضح کہ جس کی شب دن سے زیادہ روشن ہے۔ اور تمھارے ہاں --- (بقیہ متن صفحہ نمبر ۲۷ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ولما فرغ الناس من بیعته ابی بکر و جمعهم الله و مما اهتم به اصحابه بعد موته صلی الله علیه وسلم و تقرر الامر علی ابی بکر اقبلوا علی تجهیز النبی صلی الله علیه وسلم والاشتغال به ... الخ

یعنے جب لوگ ابوبکر کی خلافت سے فارغ ہوئے۔ اور اللہ نے ان کو متفق کر دیا اور اس سے کہ جس کا صحابہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کے بعد اہتمام کیا تھا اور خلافت ابوبکر پر ٹھہر گئی تو پھر حضور علیہ السلام کی تجہیز و تکفین اور اس کاروبار پر متوجہ ہوئے۔ اور سب سے پہلے تمام صحابہ سے حضرت علی و ابن عباس و بنو ہاشم نے آپ پر نماز پڑھی پھر مہاجرین میں سے ابوبکر صدیق وغیرہ نے۔ پھر تمام اصحاب انصار رضی اللہ عنہم نے۔

ضمیمہ جات مقبول ترجمہ صہ ۵۴ پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے کے متعلق لکھا ہے :

"جناب سردار دو عالم نے وفات پائی تو جوق جوق مہاجرین و انصار اور ملائکہ نے آں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا"

شیعہ کی معتبر تفسیر صافی کے صہ ۴۲۶ پر امام محمد باقرؒ کا فرمان مذکور ہے :

لما قبض النبی صلت علیه الملئکة والمهاجرون والانصار فوجًا فوجًا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد فرشتوں اور مہاجرین و انصار نے فوج در فوج ہو کر آپ پر نماز جنازہ (صلوۃ وسلام) پڑھی۔

حیات القلوب جلد دوم صہ ۶۶۴ پر مہاجرین و انصار کے متعلق ثابت ہے کہ یہ سب حضرات حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں شامل ہوئے :

و ایشاں بر آں جناب صلوات مے فرستادند و بیروں مے رفتند تا آنکہ ہمہ مہاجران و انصار چنیں کردند۔

یہ لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیجتے اور حجرۂ مبارکہ سے باہر نکلتے تھے یہاں تک کہ سب کے سب مہاجرین و انصار نے اس طرح جنازہ پڑھ لیا۔

مزید تحقیق اور حوالے فقیر اویسی غفرلہٗ کے رسالہ 'جنازہ نبی علیہ السلام' کا مطالعہ کیجئے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ فَلَمَّآ
اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ○ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ
وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ○ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ
دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ○ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا
فٰعِلِيْنَ ○ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ
مِمَّا تَصِفُوْنَ ○ وَلَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ
عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ○ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ○ اَمِ اتَّخَذُوْٓا
اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ○ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ
اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ○ اَمِ اتَّخَذُوْا
مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِىَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِىْ ؕ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ
رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ
وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ○ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ
مُشْفِقُوْنَ ○ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ
كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ○ ع

ترجمہ : اور کتنے دیہات ہم نے تباہ و برباد کر ڈالے جن کے مکین ظالم تھے اور ان کے بعد اور قوم پیدا کی۔
تو جب انھوں نے ہمارا عذاب محسوس کیا تو ناگہاں اس سے بھاگنا شروع کر دیا۔ بھاگو مت اور اس سامان
تعیش کی طرف جو تمھیں دی گئی ہیں اور اپنے مکانوں کی طرف پلٹ آؤ شاید تم سے سوال ہو۔ انھوں نے کہا :
ہائے ہماری کم بختی کہ ہم ظالم تھے تو ان کی یہی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے انھیں جڑ سے کٹے ہوئے بجھے ہوئے
کر دیا۔ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بیکار نہیں بنائے اگر ہم کوئی مشغلہ بنانا چاہتے تو
ہم اپنی طرف سے بناتے اگر ہم ہوتے کرنے والے۔ بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے
تو پھر وہ مٹ کر رہ جاتا ہے اور ان باتوں سے تمھاری بڑی کم بختی ہوگی جو تم بیان کرتے ہو اور اسی کے ہیں جتنے
آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور جو اس کے پاس رہنے والے ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ

تھکتے ہیں رات دن اس کی پاکی بیان کرتے ہیں سستی نہیں کرتے کیا انھوں نے زمین میں سے کچھ ایسے معبود بنا لیے ہیں کہ وہ کچھ پیدا کرتے ہیں۔ اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالٰی کے سوا اور معبود ہوتے تو ضرور وہ (آسمان و زمین) درہم برہم ہو جاتے تو پاکی ہے اللہ عرش کے مالک کی ان باتوں پر جو یہ بناتے ہیں۔ اس سے کوئی سوال نہیں ہوتا جو وہ کرے اور ان سے سوال ہوگا۔ کیا انھوں نے اللہ کے سوا معبود بنا لیے ہیں۔ فرمائیے اپنی دلیل لاؤ اور یہ (قرآن) میرے ساتھیوں کا ذکر ہے اور جو میرے سے پہلے والوں کا ذکر ہے بلکہ ان کے اکثر حق کو نہیں جانتے تو وہ اعراض کرنے والے ہیں اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے تھے کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں تو صرف میری عبادت کرو۔ اور انھوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے۔ پاک ہے وہ۔ بلکہ وہ مکرم بندے ہیں۔ کسی بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اُسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کے لیے جس سے وہ راضی ہو۔ اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان میں جو کوئی کہے کہ بے شک میں اللہ تعالٰی کے سوا معبود ہوں تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے ہم ایسے ہی ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔

(بقیہ متن صفحہ ۲۵)

دو واعظ چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک ناطق اور دوسرا صامت۔ ناطق قرآن اور صامت موت ہے۔ جب تمھیں کسی معاملہ میں اشکال ہو تو قرآن مجید اور سنت (حدیث) کی طرف رجوع کرو اگر دلوں پر زنگ کا غلبہ ہو تو موت کو یاد کرو۔

حدیث شریف (۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو قرآن مجید بچپن میں پڑھتا ہے تو قرآن مجید اس کے رگ و ریشہ میں گھل مل جاتا ہے اور جو کبر سنی میں پڑھتا ہے اور اس کا پڑھنا اسے مشکل ہو جاتا ہے لیکن وہ اسے چھوڑتا نہیں تو اسے دوہرا ثواب نصیب ہوگا۔

پہلے کی وجہ یہ ہے کہ صغر سنی میں مشاغل و شواغل بہت کم ہوتے ہیں اس لیے پڑھنے میں قلب خالی ہوگا تو قرآن مجید قلب پر زود تر اثر انداز ہوگا۔

شاعر نے کہا ؎

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی
فصادف قلبا خالیا فتمکنا

ترجمہ: اس کی محبت نے اس وقت سے مجھے گھیر لیا جب کہ میں محبت کو جانتا نہیں تھا جب اس نے میرا دل خالی پایا تو اس میں گھر کر رہ گیا۔

اور قرآن دوسرے میں داخل ہوگا تو کبر سنی کی وجہ سے عقلی کمزوری یا زباں پر حروف نہ چڑھ سکیں گے اس پر اسے قرآن پڑھنا دشوار ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی قرآن پڑھے اور اسے اس کا پڑھنا دشوار ہو تو اسے دوہرا ثواب نصیب ہوتا ہے:

(۱) پڑھنے کا ثواب

(۲) مشقت کا ثواب۔ (کذا فی شرح المصابیح)

(تفسیر آیاتِ صفحہ نمبر ۲۶)

تفسیر عالمانہ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ۔ یہ کم تکثیریہ خبریہ اور محلاً منصوب ہے اس لیے کہ قصمنا کا مفعول ہے اور اس کی تمیز من قریۃ ہے۔ قصم کا لفظی معنے ہے توڑنا یعنے توڑی ہوئی شے کے اجزا کو جدا کرنا بلکہ اس کی ترکیب و ترتیب کو بالکل زائل کرنا اس سے اللہ تعالےٰ کی ان قوموں پر سخت غیظ و غضب کا پتہ چلتا ہے یعنے ہم نے بہت سی آبادیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

كَانَتْ ظَالِمَةً، یہ قریۃ کی صفت ہے اور قریۃ کا مضاف لفظ 'اہل' محذوف ہے یعنے ہم نے بہت سی آبادیوں میں آباد رہنے والوں کو برباد کیا وہ لوگ جو کہ اللہ تعالےٰ کی آیات کے منکر ہونے کی وجہ سے تمہاری طرح اے قریشیو! وہ بھی ظالم تھے۔

وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا، اور ان کی تباہی و بربادی کے بعد ہم نے پیدا فرمائے۔ انشاء و اختراع و تکوین و ایجاد اسماً مترادفہ ہیں اور ان سے ایک ہی معنے مراد ہوتا ہے یعنے معدوم کو وجود میں لانا۔ (کذا فی بحر العلوم)

امام راغب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ انشاء بمعنے ایجاد الشیٔ و تربیۃ۔ اور اس کا اکثر اطلاق حیوانات پر ہوتا ہے جیسے اسی آیت میں ہے۔

قَوْمًا آخَرِينَ ○ اور ایسی قومیں جو نہ وہ تمہارے نسب سے متعلق ہوں نہ تمہارے دین پر۔

فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا، احسوا کی ضمیر اہل قریہ کی طرف راجع ہے۔ اور الباس بمعنے الشدۃ و المکروہ و النکایۃ یعنے انھوں نے ہمارے سخت عذاب کا مکمل ادراک کیا گویا انھیں وہ عذاب محسوس مشاہد تھا۔

إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ○ اذا مفاجائیہ ہے اور ھم مبتدا اور یرکضون خبر ہے اور منھا کی ضمیر قریۃ کی طرف راجع ہے۔ الرکض بمعنے سواری کو دوڑنے کے لیے مارنا۔ جب اسے راکب کی طرف منسوب کیا جائے تو معنے ہوگا سواری کو دوڑانا جیسے رکضت الفرس، میں نے گھوڑے کو دوڑایا۔ اگر اس کی نسبت پیدل چلنے والے کی طرف

ہو تو معنے ہو گا : وطئ الارض ۔
اب معنے یہ ہو گا کہ عذاب الٰہی کو ادراک کر کے وہ اپنی آبادیوں سے اپنی سواریوں کو تیز دوڑاتے یا سواریوں کی طرح بہت تیز دوڑتے ہیں ۔
لَا تَرْكُضُوْا ، انھیں زبان حال یا فرشتے کی طرف سے کہا گیا ۔ مت دوڑو ! وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ ،
حل لغات : الاتراف ، اترفتہ النعمۃ بمعنے اطغتہ سے ہے اور کہا جاتا ہے : اترف فلان ای اصر علی البغی یعنے اس نے بغاوت پہ اصرار کیا ۔
اب معنے یہ ہوا کہ کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر فرشتے نے کہا : نہ بھاگو بلکہ حسب سابق اپنے حال طیبہ اور عیش واسع کی طرف لوٹ آؤ ۔ بغاوت اور کفر کر کے اپنے معطی کے شکر سے روگردانی نہ کرو ۔
فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ ، اور اپنے مکانوں میں واپس جاؤ جن پر تم فخر کرتے تھے ۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

افتخار از رنگ و بو و از مکان
ہست شادیٔ وفریب کودکان

ترجمہ : رنگ و بو اور مکان پر فخر کرنا عارضی خوشی اور بازیچۂ اطفال ہے ۔
لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ۝ تاکہ تم سے حسب سابق لوگ سوال کریں اور اپنے معاملات اور اہم امور میں مشورہ لیں جیسا کہ عوام کی عادت ہے کہ اپنے اہم امور کے لیے گاؤں کے سرداروں سے مشورے لیتے اور انہی کے سہارے اپنے امور سر کرتے ہیں ۔
قَالُوْا ، جب بھاگنے میں نجات دیکھی اور یقین کیا کہ یقیناً عذاب الٰہی نازل ہو گا تو کہا : يٰوَيْلَنَآ ، اے تباہی ! اے ہلاکت ! آجا ، یہی تیرے آنے کا وقت ہے ۔
کاشفی نے اس کا ترجمہ کیا ہے : ہمارے اوپر افسوس ۔
اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ یقیناً ہم ظالم اور عذاب الٰہی کے مستحق ہیں اپنے ظلم کا اعتراف اور عذاب سے بچنے کی کارروائی ایسے وقت میں کر رہے تھے جب انھیں ناامیدی چھا چکی تھی اور اس وقت کا اعتراف غیر مفید ہوتا ہے ۔
فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ ، ان کا وہی کلمہ یعنے " یا ویلنا انا کنا ظالمین " ان کے منہ سے نکلتا رہا ۔ تلک ما زالت کا اسم اور دَعْوٰىهُمْ اس کی خبر ہے یعنے ان کی پکار اور ندا یعنے اس کلمہ کو بار بار دہراتے رہے ۔ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا ، یہاں تک کہ ہم نے انھیں بنا دیا بھوسے کی طرح یعنے کچل دیئے گئے ۔ حصید بمعنے محصود

ہر وہ کھیتی اور گھاس جسے کاٹ لیا جائے ۔

سوال ؛ حصید مفرد ہے اور ھم ضمیر جمع اسے جمع لانا چاہئے تھا ؟

جواب ؛ قاعدہ ہے کہ جب فعیل بمعنے مفعول ہو تو اس میں مفرد ، جمع ، مذکر ، مونث سب کے لیے فعیل (مفرد) لایا جاتا ہے ۔

خَامِدِیْنَ ○ یہ جعلنا ھم کے مفعول یعنے ضمیر ھم سے حال ہے بمعنے میتین یعنے مردگان یہ خمدت النار سے ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب آگ کے شعلے بجھ جائیں ، اسی سے خمدت الحمی مشتق ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بخار کا جوش نرم پڑ جائے ۔ اور اس سے موت کا خطرہ ٹل جائے جیسے آگ بجھ جاتی ہے اور اس کے شعلے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں ایسے ہی اس کی حالت ہوتی ہے ۔ اس معنے پر خمود سے مشتق کر کے خامدین فرمایا گیا ہے ۔

مسئلہ ؛ اس سے معلوم ہوا کہ ظلم سے آبادی بربادی بن جاتی ہے ۔

حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا ؎

بقومی کہ نیکی پسند د خدائے

دھد خسرو عادل نیک رائے

چو خواہد کہ ویران کند عالمے

کند ملک در پنجۂ ظالمے

ترجمہ ؛ (۱) جس قوم کے لیے اللہ تعالےٰ بھلائی چاہتا ہے اسے نیک و عادل حاکم (بادشہ) عطا فرماتا ہے ۔

(۲) جب چاہتا ہے کہ وہ علاقہ ویران ہو تو وہ علاقہ ظالم کے پنجہ میں دے دیتا ہے ۔

حدیث شریف میں کہ قیامت میں ظلم تاریکیاں لائے گا ۔

قاعدہ صوفیانہ ؛ جب قلب معرفت و اخلاص سے محروم ہوتا ہے تو ویران ہو جاتا ہے ۔ قلب کی خرابی کی علامت یہ ہے کہ اعضا سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے اور اس کا رجوع ہلاکت و تباہی کی طرف ہوتا ہے ۔

موسیٰ بن میثان نبی کا قصہ

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس ' اہل قریہ ' سے مرادیمن کے بعض لوگ ہیں ۔ بعض نے فرمایا کہ شام کی حدود پر ایک حجازی بستی تھی ان کی طرف ایک نبی علیہ السلام مبعوث ہوئے جن کا اسم گرامی موسیٰ بن میثان تھا ۔ (یہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے علاوہ اور نبی تھے ۔ (کذا فی الکشف)

شعیب بن ذی مہرم نبی کا قصہ

امام سہیلی علیہ الرحمۃ التعریف والاعلام میں لکھتے ہیں ؛ " اس نبی علیہ السلام کا اسم گرامی شعیب بن مہران علیہ السلام تھا ۔ اسی شعیب بن ذی مہرم کی مزار شریف یمن میں ضنین نامی پہاڑ میں ہے ۔"

ف ؛ قاموس میں لکھا ہے کہ ضنین بالکسر صنعار میں ایک بہت بڑے پہاڑ کا نام ہے ۔

ف : وہ یہ شعیب علیہ السلام نہیں جو مدین والوں کے ہاں مبعوث ہوئے تھے۔

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نرالی شان

یہ شعیب بن ذی مہرم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ امجد حضرت معد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پہلے اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے دو سو سال بعد میں ہو گزرے ہیں۔ اس بدبخت قوم (جن کی طرف آیت ہٰذا میں اشارہ ہوا ہے) نے اپنے نبی علیہ السلام کو شہید کیا۔ اور اسی تاریخ کو اصحاب الرس نے بھی اپنے نبی جن کا اسم گرامی حنظلہ بن صفوان علیہ السلام تھا، کو شہید کیا تھا۔

اللہ تعالٰی کو ان پر ناراضگی ہوئی تو ارمیاء کی طرف وحی بھیجی کہ آپ بخت نصر کو فرمائیے کہ وہ اس قوم پر حملہ کر دے۔ ہم نے ان کی سلطنت اسی کو بخشی ہے اور ارضِ عرب بھی اس کے قبضے میں دی گئی ہے۔ اسے اسی لیے مسلط کر رہا ہوں تاکہ میں ان سے بدلہ لوں، لیکن اے ارمیاء حضرت معد بن عدنان کو براق پر سوار کر کے عراق کے علاقہ میں چلے جائیے تاکہ آپ کو اور معد بن عدنان کو دکھ درد اور بلا و مصیبت نہ پہنچے۔ اس لیے کہ معد بن عدنان کی پشت سے میرے محبوب محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور پذیر ہوں گے اس لیے ان کی وجہ سے ان کی عزت و عظمت مطلوب ہے۔ اس وقت حضرت معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی اور وہ عراق میں بنی اسرائیل میں زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ جوان ہوئے اور انہی میں ایک بی بی معانہ نامی سے نکاح کیا۔

بخت نصر نے حکم سنتے ہی لشکر تیار کیا اور عرب کو زیر کرنے کے لیے ایک سرنگ نکالی تاکہ ان کے ساتھ مقابلہ کے وقت اسے استعمال کرے۔ یہی پہلا بادشاہ ہے جس نے جنگ کے لیے سرنگیں تیار کیں۔ پھر اس بستی (حضور نامی) کے گرد خندق کھدوائی تاکہ وہ لوگ نہ بھاگ سکیں۔ چنانچہ اس کے بعد ہر سو سے ان پر حملہ کر کے بعض کو قتل کر دیا اور بعض کو قیدی کیا، اور اس بستی کو ویران کر دیا یہاں تک کہ اس بستی (حضور) کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ اسی لیے اللہ تعالٰی نے فرمایا :
حتی جعلنا ھم حصیدا خامدین ۔

اس کے بعد ارضِ عرب پر حملہ کیا اور ان سے بعض کو قتل کیا اور بعض کو قید کیا اور بعض مقامات کو ویران اور بعض کو آگ لگا دی۔ اس کے بعد اس کے گرد و نواح پر حملہ کیا۔ انہی کی طرف اللہ تعالٰی نے اشارہ فرمایا : وکم قصمنا من قریۃ کانت ظالمۃ ۔

ف : یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور ظاہر آیت سے تو کثرت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ کم تکثیر کے لیے ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف بستی حضور مراد لی ہے اس لیے کہ وہ منجملہ ان کے ایک تھی۔ اسی کا اللہ تعالٰی نے بھی ارادہ فرمایا ہے۔

حدیث شریف : پانچ بڑے عملوں پر پانچ سزائیں ملتی ہیں :

(۱) جو قوم ظلم کرتی ہے ان پر اللہ تعالٰے ان کے دشمن مسلط کر دیتا ہے۔
(۲) جو قوم اللہ تعالٰے کے نازل کردہ احکام کے خلاف احکام جاری کرتی ہے، ان کو اللہ تعالٰے فقر و فاقہ میں مبتلا کرتا ہے۔
(۳) جس قوم سے فواحش زنا وغیرہ سرزد ہوتے ہیں ان کو موت دے دیتا ہے۔
(۴) جو قوم ناپ تول میں کمی بیشی کرتی ہے اس سے اناج روک کر قحط میں مبتلا کر دیتا ہے۔
(۵) جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان پر بارش بند کر دیتا ہے۔

؎

ہر چہ بر تو آید از ظلمات و غم
آں ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ: جو تجھ پر ظلم اور غم آتا ہے وہ تیری بے شرمی و گستاخی کی وجہ سے ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ۔ الخلق بمعنے التقدیر المستقیم ہے لیکن عموماً ابداع کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے یعنے ایسی شے بنانا جس کی پہلے اصل موجود نہ ہو۔
اب معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے آسمان جو ایک قبہ اور خیمہ کی مانند ہے نہیں پیدا فرمایا۔
وَالْاَرْضَ، اور زمین کو جو کہ بچھونے کی طرح ہے۔ وَمَا بَيْنَهُمَا، اور جو ان کے مابین عجائب وغرائب اور دیگر جملہ مخلوقات کے تمام انواع کو۔ لٰعِبِيْنَ ۞ درآنحالیکہ ہم عبث کام کرنے والے ہوں۔ یہ لعب فلاں سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی مقصد صحیحہ کو بلا قصد کرے۔ یہاں لعبین بمعنے عابثین ہے یعنے ہم نے انھیں عبث نہیں پیدا فرمایا بلکہ ان کے تخلیق میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں مثلاً ان کی تخلیق وجود انسان کے لیے مبدا اور اس کی معاش کا سبب اور معرفت الٰہی کی بہترین دلیل ہے اور انسان کا اصل مقصد بھی معرفت ہے ؎

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ترجمہ: ہوشمند کی نظر میں سبز برگ درختاں کا ہر پتہ معرفت کردگار کا ایک بڑا دفتر ہے۔

ف: ہر شے لطفِ الٰہی کا مظہر ہے یا اس کے قہر کا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ہر ذرے میں عجیب وغریب اسرار و رموز پوشیدہ ہیں ؎

بنگر بچشم فکر کہ از عرش تا فرش
در ہیچ ذرہ نیست کہ سرے عجیب نیست

ترجمہ: غور سے دیکھ کہ از عرش تا فرش کوئی ذرہ ایسا نہیں جس میں رازِ الٰہی نہ ہو۔

سوال: آیت سے معلوم ہوا کہ لعب اللہ تعالےٰ کا فعل نہیں بلکہ وہ لاعبین کا فعل ہے اس لیے کہ لاعب لعب کا اسم فاعل ہے اور اللہ تعالےٰ لاعب نہیں موضوع کی نفی فعل کی نفی کو مستلزم ہے؟

جواب: ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ ہر شے کا خالق اللہ تعالےٰ ہے۔ اور کاسب بندہ یہاں اس کی تخلیق و قدرت کا بیان ہے کہ 'لعب' کے اسباب کا خالق اللہ تعالےٰ ہے۔ اس تقریر سے اس سوال کا جواب ظاہر ہے۔

لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا۔ یہاں پر لهو بمعنے ہر وہ شے جس سے لہو و لعب کی جائے یعنے مصدر بمعنے اسم مفعول ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

لهوت بالشیء لهوا۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے لہو و لعب کی جائے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ لهو ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کھیلے اور اسے دیکھ کر خوش ہو جیسے اولاد اور بیوی۔

ف: امام راغب نے لکھا کہ لهو ہر وہ شے جو انسان کو مقصد و مراد سے غافل کر دے اور جس شے سے انسان نفع اندوز ہو۔

لو اردنا ان نتخذ لهوا، میں اولاد اور بیوی مراد لینا "زینة الحیوة الدنیا" کے عموم سے ہے بعض افراد کی تخصیص کو مستلزم ہے۔

ف: جلالین میں لهو سے صرف اولاد مراد لینا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی وجہ سے ہے اور اولاد اور بیوی ہر دونوں شیخ نجم الدین نے اپنی تاویلات میں مراد لی ہے۔ اور یہ بزرگ شریعت و طریقت کے جامع اولیاء کے اکابرین سے ہیں۔ اور اسی معنے پر "ولکم الویل مما تصفون" بھی دلالت کرتا ہے۔ (کذا قال صاحب روح البیان)

ف: امام واحدی نے فرمایا کہ انسان ان ہر دونوں سے سرور و راحت پاتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے: امراة الرجل و ولده ریحانتاه، یعنے انسان کے لیے بیوی بچے خوشبودار پھول ہیں۔

لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ، تو ہم اسے بنا تے اس لیے کہ ہم اس پر قادر ہیں۔ اس لیے کہ ہر شے اسی کی قدرت سے متعلق ہے یعنے ہم جسے چاہیں اپنے لیے چن لیں حورعین سے یا ان کے ماسوا کوئی اور۔

ف: امام واحدی نے فرمایا کہ ہم اسے اپنے لیے ایسے چن لیں کہ تمھیں ظاہر بھی نہ ہونے دیں اور نہ تم اسے جھانک کر دیکھ سکو اس لیے کہ بیوی بچے انسان کے پاس ہوتے ہیں نہ کہ اس کے غیر کے ہاں۔ اس معنے پر لدنا بمعنے عندنا ہے۔

اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ اگر ہم کرنے والے ہوتے لیکن ایسا ہمارے لیے محال ہے، بایں معنی کہ ہم اس کا ارادہ نہیں کرتے کیونکہ یہ حکمتِ ایزدی ہے۔

اس کا معنے یہ نہیں کہ ہمیں اولاد اور بیوی اور دیگر امور کو اپنے لیے اختیار کرنے کی قدرت نہیں کہ ہم اسے قطعاً اپنے لیے

اختیار بھی نہ کر سکیں۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہماری بارگاہ ایسی غبار آلود باتوں سے پاک اور ہماری جناب کبریائی ایسی کمزوری سے منزہ ہے بلکہ ہمارے ملائکہ مقربین بھی ایسے امور سے منزہ ہیں حالانکہ وہ ہمارے مکرم و مقرب بندے ہیں جب ہمارے بندے منزہ ہیں تو خالق کائنات کا منزہ ہونا اولیٰ ہے۔

ف : ان شرطیہ ہے بمعنے علی الشرط والتقدیر ان کا جواب محذوف ہے اس لیے کہ اس سے پہلے کا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے اب عبارت یوں ہوگی :

ان کنا فاعلین لاتخذ ناہ۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ۔ یہ انقاذ الولد اور اس کے ارادہ سے اعراض ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اولاد وغیرہ کا ارادہ نہیں رکھتے۔ بلکہ ہماری شان یہ ہے کہ ہم حق کو باطل پر غلبہ دیں منجملہ اس کے ایمان و قرآن وغیرہما کا غلبہ لہو و کفر و دیگر باطل امور پر۔

ف : امام راغب نے لکھا ہے کہ "قذف" بمعنے دور سے تیر پھینکنا۔ اس بعد کی مناسبت سے کہا جاتا ہے : منزل قذف و قذیف و بلدۃ قذوف بمعنے طروح بعیدہ۔

ف : باطل حق کی نقیض ہے یعنے باطل کو کوئی ثبات نہیں جب حق اس کا مقابلہ کرتا ہے۔

فَيَدْمَغُهُ۔ پس حق باطل کو تباہ بلکہ مٹا دیتا ہے :

ف : مفسرین فرماتے ہیں کہ تغلیب و تسلیط کے بجائے اس لفظ کو استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح حق کو باطل کے تسلط کو "قذف" سے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جس طرح مرمی (پتھر سے ماری ہوئی شئے) کی حالت ہوتی ہے ایسے ہی باطل کو سمجھئے کہ حق کے مقابلہ میں مٹ کر فنا ہو جاتی ہے اور دمغ بمعنے کھوکھلی اور نرم شئے کو توڑنا اور دماغ کو اسی معنے سے لیا گیا ہے کہ اس کی کیفیت کچھ اس قسم کی ہوتی ہے کہ اس کی اوپر کی جھلی سخت مضبوط ہوتی ہے حق کو ایک مضبوط جسم (جیسے ہیرہ، یاقوت) سے تشبیہ دی گئی ہے اور باطل کو ایک کھوکھلی اور نرم شئے جیسے مٹی وغیرہ سے جیسے مضبوط چیز سے نرم اور کھوکھلی شئے پاش پاش ہو جاتی ہے ایسے ہی حق سے باطل مٹ کر فنا ہو جاتا ہے۔

ف : صاحب مفتاح نے فرمایا کہ القذف والدمغ کا استعمال اجسام میں ہوتا ہے۔ قذف کو حق کے لیے اور دمغ کو باطل کے لیے استعارہ کیا گیا ہے۔ اس معنے پر مستعار منہ حسی اور مستعار لہ عقلی ہے گویا حسی کو عقلی سے تشبیہ دی گئی ہے صورۃ معقولہ کو ایسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو صورۃ محسوسہ پر دلالت کرتی ہیں تاکہ سامع کے ذہن میں ہیئۃ معقول مکمل طور پر متمکن ہو۔

فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔ پس اس وقت باطل پورے طور پر مٹ کر فنا ہو جاتا ہے۔

ف : زھوق دراصل روح کے نکلنے کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔

زھقت نفسه ای خرجت من الاسف۔

اذا مفاجاتیہ کے بعد جملہ اسمیہ لانے میں اس کے فوری طور پر مٹنے اور فنائیت کی طرف اشارہ ہے گویا باطل کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اسے ترشیح المجاز کے طریق پر بیان فرمایا ہے اس لیے کہ روح کا نکلنا مستعار منہ کے معنے کے مناسب ہے یعنی دمغ کے اس لیے کہ دماغ حواس کا مجمع ہے۔ جب دماغ کو کوئی زخم پہنچتا ہے تو حیوان مرجاتا ہے۔ ایسے حق کے غلبے سے باطل مٹ کر فنا ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حق کے تین مراتب ہیں، اسی طرح باطل کے بھی تین مراتب ہیں۔ حق کے مراتب یہ ہیں :

① افعال الحق

② صفات الحق

③ ذات الحق تعالے۔

افعال الحق کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالے اپنے بندوں کو اوامر پر مامور فرماتا ہے تو منہیات کا بطلان مٹ جاتا ہے۔

صفات الحق کا مطلب یہ ہے کہ جب صفات الحق بندوں پر متجلی ہوتے ہیں تو بندوں کے صفات کا بطلان ختم ہو جاتا ہے۔

ذات الحق کا مطلب یہ ہے کہ جب اس کی ذات متجلی ہوتی ہے تو تمام ذوات فنا پذیر ہو جاتی ہیں۔ کما قال تعالے :

کل شی ھالك الا وجھه۔

اس تقریر پر "وقل جاء الحق وزھق الباطل" دلالت کرتا ہے۔

انا الحق کی توجیہ جن بزرگوں نے "انا الحق" کہا ان کا حال یہی ہو گیا تھا کہ ان پر ذات حق تعالے یا اس کی ذاتی صفت متجلی ہوئی تو بندے کا باطل وجود فانی ہو گیا جب ذات حق جلوہ گر ہوئی تو باطل وجود مٹ گیا اس پر خود ذات حق نے لسان موصوف بصفۃ الحق سے فرمایا۔

حضرت مغربی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

ناصر و منصور می گوید انا الحق المبین
بشنو از ناصر کہ آن گفتار منصور نیست

ترجمہ: ناصر و منصور کہتے ہیں انا الحق۔ ناصر فرماتا ہے کہ یہ منصور کی گفتار نہیں۔

حضرت خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہر کہ بدار فنا جبۂ ہستی بسوخت
رمز سوی اللہ بخواند سر انا الحق شنود

ترجمہ: جس دار فنا میں ہستی کا جبہ جلا ڈالا اسی نے ما سوی اللہ کی رمز معلوم کی اور اسی نے انا الحق کا راز سنا۔

اور فرمایا ؎

اسرار انا الحق سخن نیک بلند ست
معنے چنیں بسر دار نیابی

ترجمہ: انا الحق کے اسرار و رموز بہت بلند ہیں اس معنے کو دار پر چڑھنے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَكُمُ الْوَيْلُ۔ اصمعی نے فرمایا کہ الویل بمعنے القبوح ہے اور کبھی میں مستعمل ہوتا ہے اور ولیس استصغار میں اور ویح ترحم میں جس نے ویل ایک وادی جہنم کی کہا اس نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ لفظ لغت میں اسی وادی کے لیے وضع کیا گیا ہے بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ یہی کلمہ فرمائے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور اس کے لیے جہنم ثابت ہوگئی۔

اب معنے یہ ہوا کہ اے مشرکو! تمھارے لیے ہلاکت ثابت ہوگئی۔

مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝ من تعلیلیہ استقرار کے متعلق ہے یعنے بوجہ اس کے کہ تم اللہ سبحانہ کے لیے ایسی وصفیں بیان کرتے ہو جو اس کی شان جلیل کے لائق نہیں مثلاً اس کے لیے بیوی بچوں کا الزام لگانا اور اس کے کلام مبارک کو جادو و اضغاث احلام و دیگر باطل اوصاف سے موصوف کرنا۔

وَلَهٗ، اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط آسمانوں اور زمین کی جملہ مخلوقات ایجاداً بھی اور بندگی کے لحاظ سے بھی۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے۔ اس سے ملائکہ کرام مراد ہیں جو بوجہ کرامت اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے ہیں جیسے بادشاہوں کے مقرب ہوتے ہیں۔ یہ بطریق تمثیل فرمایا ہے تاکہ باقی (عام) مخلوق پر ان کی شرافت و فضیلت کا اظہار ہوجائے اس سے جمیع مخلوق (مثلاً انبیاء اور خواص اولیاء) پر فضیلت کا اظہار مطلوب نہیں جیسے باقلانی اور معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ یہاں پر عندیۃ شرافت کی ہے مکانیت اور جہت مراد نہیں۔

سوال: عند ظروف مکانیہ سے ہے تم کہتے ہو کہ یہ مکانیت و جہۃ کے لیے نہیں ؟

جواب: عرب میں قرب مکانی اور منزلت کو کبھی مکان و مسافت سے تشبیہ دی جاتی ہے وہی یہاں مراد ہے گویا مشبہ بول کر مشبہ بہ مراد لیا گیا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقرب ہیں تم ان کی پرستش کرتے ہو۔

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے یعنے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اپنی عظمت کا خیال کرکے منہ نہیں موڑتے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی پر فخر و مباہات کرتے ہیں۔ اسی لیے بشر پر لازم ہے کہ وہ اپنے ضعف اور کمزوری کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی عبادت زیادہ سے زیادہ کرے۔ یہ جملہ و من عندہ سے حال ہے۔

مولانا ابوالسعود نے من عندہ کو مبتدا اور لا یستکبرون کو اس کی خبر بنایا ہے۔

وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ○ اور وہ تھکتے نہیں۔

حل لغات: حسر والستحسر بمعنے تعب واعیٰی یعنے استعفل بمعنے فعل ہے جیسے استقر بمعنے قسر آتا ہے۔ مفردات امام راغب علیہ الرحمۃ میں ہے کہ الحسر بمعنے کشف الملبس عما علیہ۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

حسرت عن الذراع۔"

اور "الحاسر" ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس پر نہ زرہ ہو نہ خود۔

اہل عرب کہتے ہیں:

الناقۃ حسیر (ہر وہ اونٹنی جس میں سے گوشت اور طاقت ختم ہو جائے)۔

الحاسر المعی ہر وہ جس کے قویٰ بالکل منکشف ہو جائیں۔ تھکے ماندے انسان کو 'حاسر' و 'محسور' کہتے ہیں تو اس لیے کہ کام کرتے سے اس کے قویٰ اسے جواب دے بیٹھے اور محسور اس لیے کہ تھکان نے اس کے قویٰ کو تھکا دیا۔ کسی شئے کے فوت ہونے سے غم لاحق ہو یا کسی امر کے ارتکاب سے ندامت حاصل ہو تو اسے حسرہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ گو اس کا جہل کھل گیا باین معنی کہ اس جہل نے اس فعل کے ارتکاب پر برانگیختہ کیا تھا یا اس غم کے ادراک اور حملے سے کمی کو پورا کرنے سے اس کے قویٰ تھک گئے ہیں۔

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ، سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ملائکہ کرام کس طرح اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے ہیں تو اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ دن رات اللہ تعالےٰ کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں یعنے ہر وقت یہی ورد ہے کہ اللہ تعالےٰ حدوث، بیوی، بچوں اور شریک سے پاک ہے۔ اور وہ ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی عظمت اور بزرگی بیان کرتے رہتے ہیں۔ لَا یَفْتُرُوْنَ ○ لمحہ بھر بھی اللہ تعالےٰ کی تسبیح سے فارغ نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کا کوئی اور مشغلہ ہے اس لیے کہ ان کی زندگی کا دار و مدار ذکر اور تسبیح و تہلیل اور عبادت پر ہے جیسے انسان سانس کے بغیر اور مچھلی پانی کے بغیر زندگی نہیں گذار سکتی ایسے ہی ملائکہ کا حال ہے کہ وہ عبادت الٰہی کے بغیر ان کا زندہ ہونا محال ہے جیسے ہمارا اٹھنا بیٹھنا بولنا وغیرہ ہمارے سانس کے لیے حائل نہیں ایسے ہی ان کے دیگر مشاغل مثلاً پیغام رسانی اور کسی پر لعنتیں بھیجنا تسبیح حق سے حائل نہیں۔ حضرت عبداللہ بن حارث رحمۃ اللہ نے حضرت کعب سے عرض کی کہ ملائکہ کرام تبلیغ رسالت اور شیاطین اور کفار پر لعنت کیسے کرتے ہوں جب کہ ان کی ہر وقت تسبیح پڑھنے میں زندگی بسر ہوتی ہے۔ جواب میں حضرت کعب نے یہی فرمایا کہ جیسے ہماری سانس ہمارے دیگر امور سے نہیں رکتی ایسے ہی ان کی تسبیح دوسرے اعمال سے بند نہیں ہوتی۔

سوال: تسبیح اور لعنت بھیجنا ایک ہی عضو سے ادا ہوتے ہیں بیک وقت ملائکہ سے یہ دونوں کام کس طرح ادا ہو سکتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالےٰ قادر ہے کہ ایک زبان کے علاوہ کئی زبانیں پیدا فرمائے کہ کسی سے وہ تسبیح و تہلیل اور کسی سے

لعنت کرتے ہوں۔

جواب : یہاں دوام سے عزم مراد ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں نماز باجماعت پر مداومت رکھتا ہے۔ اس کا معنے یہ ہے کہ اس کا عزم ہوتا ہے کہ کبھی بھی نماز باجماعت سے کمی نہ کرے گا ایسے ہی ان کا تسبیح پر ہر وقت عزم رہتا ہے اور کسی خاص مقرر وقت پر اس کی ادائیگی کرتے ہیں۔ (کذا فی الکبیر)

جہال صوفیوں کا رد بعض ہمارے دور میں بھی اور صاحب روح البیان کے زمانہ میں کہا کرتے کہ جب بندہ واصل باللہ ہو جاتا ہے تو اسے عبادت کی حاجت نہیں رہتی، یہ ان کی جہالت اور حماقت ہے حالانکہ ارباب حقیقت اور اصحاب طریقت فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کو تکالیف شرعیہ کی مشقت بایں معنی زائل ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالے کی محبت میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ انھیں مشقت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ایسے مجاہدے انھیں شہد سے زیادہ میٹھے اور لذیذ لگتے ہیں اس لیے کہ انھیں عبادت کی بزرگی کا اب پتہ چلا ہے کہ یہی حب الٰہی کا وسیلہ بنی ہے اور اسی سے تجلیات حق کا مشاہدہ نصیب ہوا ہے۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر اور بعض جاہل پیر بعض جاہل پیروں نے ہمارے دور میں یہ تاثر پھیلایا ہوا ہے کہ عبادت ظاہری سے کوئی فائدہ نہیں۔ صاحب روح البیان نے انکار فرماتے ہوئے لکھا ہے :

"میرے پیر و مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عبادت کی لذت اس خوش قسمت انسان کو محسوس ہوتی ہے جسے معرفت حق مکمل طور پر نصیب ہوتی ہے بلکہ اسے مشاہدۂ حق کے بعد عبادت کی شان معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ سلطان کی ملاقات اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اس کے موافق ہو، مخالف کو تو کوسوں دور بٹھایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل حجاب کی عبادت فتور اور سستی اور غفلت پر مبنی ہوتی ہے بخلاف اہل کشف و عارفین اور کاملین کے کہ انھیں عبادت سے راحت و سرور اور لذت نصیب ہوتی ہے وہ عبادت کو عادت کے طور پر کرتے ہیں ان کے لیے عبادت میں سہولت اور آرام ہوتا ہے"

اللہ تعالے سے دعا ہے کہ ہمارے گناہ معاف فرمائے اس لیے کہ وہ غفار ہے کریم ہے۔

ف : امام راغب علیہ الرحمہ[1] نے کہا کہ فتور بمعنے حدۃ (تیزی) کے بعد سکون اور شدت کے بعد نرمی، قوت کے بعد ضعف۔ کما قال اللہ تعالے :

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل۔

---

[1] : اضافہ از فقیر اویسی غفرلہٗ۔

یہاں پر فترۃ سے وہ زمانہ مراد ہے جو دنیا پر رسول کے بغیر گذرا۔ اور اللہ تعالٰے نے فرمایا لا یفترون بمعنے خوشی سے عبادت میں لمحہ بھر آرام نہیں کرتے۔

حدیث شریف: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لکل عامل شرۃ ولکل شرۃ فترۃ فمن فترالی سنتی فقد نجا والافقد ھلک

ہر کام کرنے والے کو جوش ہوتا ہے اور ہر جوش کو سکون لازم ہے جو شخص میری سنت سے سکون پاتا ہے اسے نجات، ورنہ ہلاکت ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ باطل حملہ آور ہو کر پھر مٹ جاتا ہے اور حق اَن مٹ اور دائمی دولت ہے۔

من فتر الی سنتی کا مطلب ہے کہ سنت سے سکون پانا یعنے اس پر عمل نہ کرنے کی کمزوری بہتر ہے۔ دراصل نر انگشت اور سبابہ کے درمیانی فاصلہ کو کہا جاتا ہے مثلاً اہل عرب کہتے ہیں:

فترتہ یفتری وشبرتہ بشری۔

چھوٹا ئی کر نہ سکا ہانہ پتا ہے ۱۹/۱۲

یہاں پر فتر سے یہی فاصلہ مراد ہے۔ کذا قال الامام الراغب الاصفہانی فی المفردات۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِھَۃً، یہ ام منقطعہ اس سے قبل لفظ بل ہے ہمزہ محذوف ہے اور ہمزہ کا انکار وقوع کے لیے ہے واقع کے انکار کے لیے نہیں۔ اتخذوا کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے اور اٰلھۃ سے اصنام (بت) مراد ہیں۔ مِّنَ الْاَرْضِ۔ اتخذوا کے متعلق ہے بمعنے ابتدأ اتخاذھا من الارض یعنے انھوں نے اپنے بت زمین سے یعنے اس کے پتھروں سے یا اس کے بعض جواہر جیسے کوڑیاں اور تانبے سے گھڑ کر تیار کیے تھے اس سے ان کے تیار کردہ بتوں کی تحقیر مطلوب ہے۔ اور تخصیص کا اظہار نہیں کہ وہ صرف زمین سے بت تیار کرتے تھے باقی اشیاء سے نہیں۔

ھُمْ یُنْشِرُوْنَ ۝ انشرہ اللہ سے ہے بمعنے احیاہ یعنے وہ موتٰی کو اٹھاتے ہیں۔ یہ جملہ اتخذوا الٰھۃ کی صفت ہے اسی جملہ پر انکار و تجہیل و تشنیع کا دارومدار ہے یعنے ان کی حماقت وجہالت صرف بتوں کو گھڑ کر ان کی پرستش کی وجہ سے نہیں ہے اس لیے کہ یہ کام تو ان سے ہو چکا بلکہ اس وجہ سے ہے کہ باوجود کہ وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے ایک حقیر اور ذلیل مٹی سے ان کو خود اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے اور یہ بت پتھروں اور ڈھیلوں کا مجموعہ ہیں لیکن پھر ان پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہی بت تمام موتٰی زندہ کریں گے۔

سوال: انھوں نے صراحۃً کبھی نہیں کہا کہ ان کے معبودان باطل موتٰی کو زندہ کرتے ہیں بلکہ ان کا عقیدہ اہل اسلام کی طرح تھا کہ موتٰی کو زندہ کرنا صرف اللہ تعالٰے سے خاص ہے۔ چنانچہ قال من یحیی العظام وھی۔۔۔ الخ سے واضح ہے؟

جواب: اگرچہ انھوں نے اپنے بتوں کے لیے صراحۃً ایسے عقیدے کا اظہار نہیں کیا لیکن ان کی بتوں کی پرستش اور

پھران کے معبود حق کی جملہ صفات کے مستحق ٹھہرانے سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبودوں کے لیے تخلیق واحیا جیسے صفات کے قائل تھے ورنہ ان کو معبود مانا گیا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ ۔ اس آیت میں اللہ تعالے نے اپنے سے شریک کی تنزیہ عقلی دلیل سے بیان فرمائی ہے۔ اور یہاں پر الا بمعنے غیر ہے اس لیے کہ یہ آلِهَةٌ کی صفت ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالے کے سوا اور کوئی معبود ہوتے جیسے ان کا باطل عقیدہ تھا اس میں معبود حقیقی کو اپنے معبودانِ باطلہ میں شامل کر کے مانیں یا نہ مانیں۔

لَفَسَدَتَا ۔ الفساد بمعنے شے کا اعتدال سے خارج ہونا۔ وہ خروج قلیل ہو یا کثیر اس کی نقیض صلاح آتی ہے جو شے بھی حدِ اعتدال سے خارج ہو جائے وہ نفس ہو یا بدن (اسی طرح تمام اشیاء) پر فساد کا اطلاق ہوتا ہے یعنے زمین و آسمان اسی نظام مشاہد کی حد اعتدال سے نکل جائیں اس لیے کہ دو شخصوں کا ایک نظام نہیں چل سکتا اور دو بادشاہوں کی تدبیر سے رعیت بگڑ جاتی ہے جب تالی کا انتفاء ہوا تو مقدم کا انتفاء متعین ہو گیا۔

توحید کے لیے عقلی دلیل

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کثیر التعداد معبود یا تو الوہیت اور کمال قدرت میں تمام برابر ہوں گے یا بعض کامل ہوں گے اور ناقص یا کل ناقص ہوں گے اور وہ الوہیت میں ایک دوسرے کے محتاج ہوں گے اور جو معبود کچھ کامل ہوں گے اور کچھ ناقص تو عقل کا تقاضا ہے کہ ناقص کی کامل کو کوئی ضرورت نہ ہوگی اور جو ناقص ہے وہ الٰہیۃ کے قابل نہیں اور جو کل کے کل ناقص ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کی اعانت کے محتاج ہوں گے جب وہ خود محتاج ہیں تو معبودیت کے کس طرح مستحق ہو سکتے ہیں بہر حال مکمل کے محتاج ہوں گے اور مکمل ایسا اکمل ہو کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو وہ صرف اللہ واحد صمد کی ذات ہو سکتی ہے جو ماسوا کا محتاج نہیں بلکہ جملہ ماسوا اسی کا محتاج ہے۔

اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالے کے سوا اور کوئی معبود ہوں تو زمین و آسمان کا نظام بگڑ جاتا اس لیے کہ کامل مدبر فی الالٰہیۃ کے سوا اور معبودانِ باطلہ کا عجز فی المدبریۃ کا تقاضا یوں ہے اب چونکہ زمین و آسمان کا نظام صحیح سالم ہے فلہذا معبود صرف ایک ہے ۔ ؎

بہ جہاں قادر و یکتا توئی
جملہ ضعیفند و توانا توئی
چوں قدمت بانگ بر ابلق زند
جز تو کہ یارد کہ انا الحق زند

ترجمہ: دونوں جہانوں میں قادر و یکتا تو ہے۔ تمام کمزور اپنے قدرت والا تو ہے۔ جب تیرا قدم گھوڑے پر پڑتا ہے تیرے سوا کسی کو ہمت نہیں کہ وہ انا الحق کہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ پس اللہ تعالےٰ رب العرش کی کفار کے ان اقوال کی تنزیہ بیان کرو کہ انھوں نے اللہ تعالےٰ کی اولاد اور بیوی اور اس کے شریک ثابت کئے اس لیے کہ یہ امور جسمانیت کو مستلزم ہیں اگر اللہ تعالےٰ جسم ہوتا تو کائنات کی تخلیق پر قدرت نہ رکھتا نہ ہی تدبیر عوالم اس کے بس میں ہوتی۔ علاوہ ازیں جسم مرکب اور اس کا تجزیہ ہوتا اور یہ حدوث کی علامتیں اور ممکن کی نشانیاں ہیں اور اللہ تعالےٰ تو واجب الوجود ہے اور واجب الوجود ایسی باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے سے عجز اور محتاجی کی تنزیہ بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ عرش کا خالق وہی ہے اور عرش مکونات کی طرف فیض رسانی کا مرکز اور مصدر ہے اس سے دیگر تمام معبودوں کے وجود کا بطلان بھی ہوگیا اور ان لوگوں کا رد بھی ہوگیا جو (معاذ اللہ) اللہ تعالےٰ کو عرش کا یا دوسرے معبودوں کی اعانت و امداد کا محتاج مانتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

واحد اندر ملک او یار نے
بندگانش را جز او سالار نے
نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوی کند جز ہالکے

ترجمہ: وہ واحد ہے ملک کا اس کا کوئی مددگار نہیں بندوں کا سالار صرف وہی ہے۔
مخلوق کا مالک اس کے سوا اور کوئی نہیں اس کی شرکت کا مدعی تباہ و برباد ہوتا ہے۔

دہریہ و دیگر بد مذاہب کا تعارف بعض مشائخ نے فرمایا کہ بعض منکرین جیسے طبائعین نے اللہ تعالےٰ پر افترا کیا ہے کہ جمیع تاثیرات واقعیہ مقتضیات طبعیہ سے ہیں۔ ذات باری تعالےٰ کا کوئی وجود نہیں ایسے قائلین کا امام دیمقراطیس ہے اور سوفسطائیہ کہتے ہیں کہ موجودات کا کوئی وجود نہیں یہاں تک کہ وہ اپنے اثبات و نفی کے بھی قائل نہیں۔ اور ثنویہ کا عقیدہ ہے کہ معبود دو ہیں ایک سے خیر کا اور دوسرے سے شر کا صدور ہوتا ہے۔ ان بدبختوں کو تمام اہل کشف اور اہل برہان لعنت کرتے ہیں اور دلیل کے طور پر انھیں فرماتے ہیں کہ جب ایک جسم کے دو دل اور ایک بدن کے دو نفس اور ایک آسمان کے دو سورج نہیں ہوتے تو کائنات کے دو معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ آنکھوں سے مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ سورج ایک ہے اگر دو ہوتے تو نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا جب ایک سورج کو دوسرے کی شرکت کائنات کو نقصان پہنچاتی ہے تو دوسرے معبود کے ماننے سے کس طرح نظام نہ بگڑے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ تمام کائنات کے لیے صرف ایک معبود ہے اور اسی کے لیے کمال ہے اور بس ؎

یشھد اللہ اینما یبدو
انہ لا الہ الا ھو

(ہر جگہ سے صدا آتی ہے کہ اللہ تعالٰے کے سوا کوئی معبود نہیں۔)

تفسیر صوفیانہ ارباب حقائق کہتے ہیں کہ اگر آسمان روحانیت اور ارض بشریت میں بہت زیادہ مدبرات ہوں مثلاً سماءِ روحانیت میں عقل اور ارض بشریت میں ہوائے نفسانی اور اللہ تعالٰے کی ہدایت بواسطہ انبیاء علیہم السلام اور شرائع کے سوا ہو تو آسمان روحانیت اور ارض بشریت فاسد ہو جائیں جیسے عقل و ہوائے نفسانی کی تدبیر سے فلاسفہ وطبائعیہ دہریہ، اباحیہ اور ملاحدہ کا آسمان روحانیت اور ارض بشریت فاسد ہوئے ان کے آسمان روحانیت کے فساد کا معنے یہ ہے کہ ان کے قدم جادۂ توحید اور صراط وحدانیت سے ڈگمگا گئے یہاں تک کہ اللہ واحد قدیم کے مقابلہ میں ایک دوسرا شریک قدیم ثابت کیا یعنے عالم کو قدیم مانا انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا تو ہدایت حق نہ پا سکے۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

اے ببردہ عقل ہدیہ تا الٰہ
عقل آنجا کمترست از خاکِ راہ

ترجمہ: اے عقل کا تحفہ لے کر اللہ تعالٰے کے ہاں جانے والے! عقل تو وہاں خاک کے برابر بھی نہیں۔
ان کی زمین بشریت کے فساد کا یہ معنے ہے کہ ان کے قدم جادۂ عبودیت اور صراط شریعت و متابعت سے ڈگمگا گئے یہاں تک کہ انھوں نے ہوائے نفسانی کے طاغوت اور شیطان کی پرستش کی اور ان کے فساد کا انجام یہاں تک پہنچا کہ جسے اللہ تعالٰے نے فرمایا:

"صم بکم عمی فھم لا یعقلون"

ف: شیخ ابوعثمان مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: جو شخص اپنے اوپر سنت نبوی کا التزام کرتا ہے کہ ہر حکم کی پابندی اور ہر نہی سے باز رہتا ہے اور اللہ تعالٰے کے لیے محبت اور اسی کے لیے بغض رکھتا ہے تو اس کی ہر بات حکمت پر مبنی ہو گی اگر وہ اپنے اوپر ہوائے نفسانی کا التزام کرتا ہے تو اس سے بدعات سیئہ صادر ہوتی ہیں۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ طریقۂ وسط کو اختیار کرے یعنے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرے اس لیے کہ یہی راستہ جنت و قربت و وصلت تک پہنچاتا ہے۔ کمال صدق و اخلاص کے حصول میں جدوجہد کرے اس لیے کہ اہل اختصاص کا زاد یہی چیزیں ہیں۔
ہم اللہ تعالٰے فیاض و کریم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فیض عام سے مشرف فرمائے اور صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ ○ اللہ تعالٰے جو فیصلہ کرتا ہے اس سے کسی قسم کا سوال نہ ہو گا البتہ بندوں سے ہر چھوٹے بڑے کام کے متعلق سوال ہو گا۔

ف : کسی شے کی لاعلمی کے متعلق علم حاصل کرنا اور ایسے امر کو معلوم کرنا جو حقیقتِ حال سے باخبر کرے اسے سوال سے تعبیر کرتے ہیں اس کا جواب زبان سے ہو یا اس کے خلیفہ یعنے ہاتھ سے لکھ کر یا اشارہ کرکے۔

سوال : سوال کی نسبت اللہ تعالٰے کی طرف کیوں اس سے تو اس کی جہالت ثابت ہوتی ہے؟

جواب : جیسے سوال جہالت سے کیا جاتا ہے ایسے ہی دشمن کو خاموش کرانے کے لیے اور دوسروں پر حقیقت کے اظہار اور اتمام حجت کے لیے بھی ہوتا ہے ورنہ وہ تو علام الغیوب والشہادہ ہے اسے سوال کی کیا ضرورت علاوہ ازیں کبھی سوال علے سبیل الاستکشاف بھی ہوتا ہے جیسے رب انی یکون لی غلام کا سوال علی سبیل الاستکشاف ہے۔ ایسے ہی کبھی علے سبیل التضرع والحاجۃ بھی ہوتا ہے جیسے کافر کا قول قرآن میں ہے :

رب لم حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا۔ اے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو آنکھوں والا تھا۔

ف : بحر العلوم میں آیت " لا یسئل عما یفعل .... الخ کے تحت لکھا ہے کہ اللہ تعالٰے سے اس لیے سوال نہ ہو گا کہ وہ رب ہے مالک اور علام الغیوب ہے اس کے علوم کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ماسوٰی اس کے بندے اور مملوک ہیں وہ تمام اس کی تعلیم کے بغیر جاہل ہیں اس کے بتائے بغیر تمام بے خبر ہیں۔ اس لیے جاہل کے لائق نہیں کہ وہ اپنے آقا دانا بینا پر اعتراض کے طور پر کہے کہ یہ کام آپ نے کیوں کیا یا یہ کام نہ کیا۔

وھم یسئلون اور بندوں سے اس لیے سوال ہو گا کہ وہ اس کے مملوک بندے خطا کار ہیں اس لیے ان سے سوال ہو گا کہ تم نے یہ کام آپ کیوں کیا یا یہ کام نہ کیا۔

ف : اکابر پر اعتراض کے طور پر سوال کرنا شوم بختی ہے۔ اللہ تعالٰے کے غضب کو جوش آتا ہے اور معترض اس کے عذاب و غضب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مزن ز چون و چرا دم کہ بندۂ مقبل
قبول کرد بجاں ہر سخن کہ جاناں گفت

ترجمہ : مقبول بندے پر چون و چرا نہ کیجئے جو محبوبانِ خدا کہیں اسے دل و جان سے قبول کرو۔

لہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سوالیہ احادیث سے لاعلمی کی تہمت لگانے والے اس قاعدہ کو سمجھیں۔ ۱۲

اسی اعتراض کی نحوست تھی کہ جونہی شیطان ابلیس نے اللہ تعالٰے پر اعتراض کیا تو ملعون ٹھہرا اور زمرۂ کفار و مردودین میں شامل ہوا جب کہ اللہ تعالٰے نے سجدۂ آدم علیہ السلام کا حکم فرمایا تو شیطان نے اعتراض کے طور پر کہا: ءاسجد لمن خلقت طینا ۔ اسی اعتراض کی نحوست سے ہاروت و ماروت کو سزا ملی جب کہ انھوں نے آدم علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں اعتراض کیا۔

سبق جب مخلوق کے بارے میں اعتراض کی یہ سزا ہے تو خالق کائنات پر اعتراض کرنے کی کیا سزا ہوگی اور دورِ حاضرہ میں بعض جدت پسند اللہ تعالٰے کی ذات اور اس کے صفات اور ان کے اندر غور و خوض کر کے تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ یاد رکھیے کہ سابقہ امم میں بھی اہلِ ہوا معترضین منکرین انہی وجوہ سے تباہ و برباد ہوئے کہ انھوں نے ان مسائل کو اٹھایا جنھیں صحابہ کرام، تابعین، ائمہ کرام اور اولیاء کاملین رحمہم اللہ تعالٰے بیان کرنے سے گھبراتے تھے اس لیے کہ ان مسائل کے اظہار سے ذات وصفات پر شبہات پیدا ہونے کا خطرہ تھا لیکن بعد میں آنے والے ملحدوں نے وہی مسائل کھڑے کیے تو شبہات میں پڑ کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اگر وہ یہ مسائل کھڑے نہ کرتے تو ایمان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھتے۔

مسئلہ خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ حق کا اجماع ہے کہ اللہ تعالٰے کے کسی بھی فعل اور اس کے تخلیقی امور میں اعتراض کرنا کفر ہے اس پر وہی جرأت کر سکتا ہے جو کافر گمراہ اور گمراہ کن ہوگا۔

فائدہ وہابی کش[1] اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اعتراض کرنا بھی کفر ہے اسی لیے کہ آپ ہر بات اللہ تعالٰے کی جانب سے فرماتے ہیں آپ کی کسی بات میں خواہش نفسانی کو دخل نہیں ہوتا اسی لیے ان پر اعتراض کرنا دونوں جہانوں کی تباہی و بربادی کو مول لینا ہے۔

حدیث شریف سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ "اے لوگو! تمھارے اوپر حج فرض ہے"۔

یہ ارشادِ گرامی سن کر حضرت عکاشہ بن محصر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا ہم پر ہر سال حج فرض ہے یا صرف اسی سال۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر میں نعم (ہاں) کہہ دیتا تو پھر ہر سال حج فرض ہو جاتا اگر ہر سال فرض ہوتا تو تم اسے چھوڑ کر گمراہ ہو جاتے۔ فلہٰذا تم مجھ سے اس قسم کے سوالات مت کیا کرو، جب تک میں خود نہ بتاؤں۔ تم سے پہلی قومیں بھی کثرتِ سوالات و اختلافات اور رسل علیہم السلام پر اعتراض و انکار کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں۔

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہٗ۔

آپؐ کے اس ارشادگرامی پر آیت یا ایھا الذین لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم نازل ہوئی۔

ایک گستاخ کی کہانی بہت بڑی بدبختی اس شخص کی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کیا چنانچہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ فرمایا: میں ایک جگہ بیٹھا تھا کہ کسی بدبخت نے کہا کہ کوئی بھی اپنی خواہش نفسانی سے خالی نہیں خواہ وہ نبی ہے یا ولی۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی علیہ السلام بھی (معاذ اللہ) اس لیے کہ آپ نے فرمایا ہے:

حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء

وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔

میں نے اسے کہا: اے بدبخت! خدا کا خوف کر کہ یہ اعتراض بے جا ہے اس لیے کہ آپ کو نفسانی خواہش ہوتی تو فرماتے: احببت بلکہ فرمایا: حبب (بصیغہ مجہول) اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو مذکورہ بالا اشیاء کی محبت کا حکم منجانب اللہ تھا۔ جب وہ حکم منجانب اللہ تھا تو پھر آپ پر اعتراض کیسا۔ اس بدبخت کی بات مجھے سخت ناگوار گذری اور مجھے سخت غم لاحق ہوا۔ اسی غم میں مجھے نیند نے گھیرا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا: غم نہ کھایئے میں نے اس بدبخت کا کام پورا کر دیا ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو سننے میں آیا کہ وہ بدبخت مارا گیا ہے[1]

گستاخِ نبوت کی سزا جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عورتوں سے نفسانی پیار تھا۔ اس سے اس کی مراد تنقیص رسالت ہو تو ایسے بدبخت کو قتل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے بدبخت کو تباہ وبرباد کرے۔ کذا قال الفقہاء۔

صاحب روح البیان فرماتے ہیں ؎

شب پرہ میطلبد بدر تمامت نقصان
او نداند کہ آید نور تو ظاہر باشد
ہر کہ از روئے جدل پر تو سخن میراند
بمثل شد اگر شی بوعلی کافر باشد

ترجمہ: (۱) چمگادڑ چودھویں رات کے چاند کو ناقص سمجھتا ہے وہ نہیں جانتا کہ یہ نہ ہوتا تو تو بھی نہ ہوتا۔
(۲) جو شخص تجھ پر اعتراض کرتا ہے وہ غلط کار ہے اگرچہ ابوعلی جیسا کافر بھی ہو۔

---

[1] : گستاخوں کے حالات فقیر کی تصنیف "گستاخوں کا بدانجام" پڑھیے۔ (اویسی غفرلہ)

اولیارکرام کے گستاخ ایسے ہی اولیار، ومشائخ اور علمار، باعمل پر اعتراض کرنا بھی محرومی ہے بلکہ ان کی صحبت سے برکات نصیب نہ ہوں گے نہ ہی ان سے علمی فیوض حاصل ہوسکیں گے جیسے موسیٰ وخضر علیہم السلام کا واقعہ شاہد عدل ہے۔ حالانکہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے معاہدہ کرایا کہ" فلا تسالنی عن شیٔ حتی احدث لك منه ذکرا" لیکن پھر بھی موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اعتراض کیا تو جدائی پر نوبت آگئی اور ساتھ رہنے کے برکات اور علمی فیوضات کے حاصل کرنے سے رہ گئے اور وہ علوم آپ کو میسر نہ ہوئے جو آپ کو حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل ہونے تھے۔

خوارج کی بدقسمتی خوارج کی بدقسمتی ہے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا اسی وجہ سے نہ صرف ان کا خروج ہوا بلکہ دین حق سے خارج ہوگئے اور انھیں کلاب النار اور شر قتلی تحت ادیم السمار کے القاب نصیب ہوئے۔

ولی اللہ کے گستاخ کی کہانی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کا ایک شاگرد آپ کا نافرمان نکلا۔ آپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ اسے چھوڑو یہ اللہ تعالےٰ کی نظرِ عنایت سے گر گیا ہے۔ چنانچہ بعد میں اسے ہیجڑوں کے ساتھ پھرتا دیکھا گیا پھر چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ یہ اسے دنیا میں سزا ملی اور آخرت میں اس کے ساتھ اللہ تعالےٰ کلام نہ فرمائے گا اور نہ ہی اسے نظر کرم سے نوازے گا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہے بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے ہجران و فراق میں رہے گا۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے ؎

ہین مکن با مرشد کامل جدل
تا نباشد گمراہی او را بدل

ترجمہ: خبردار! اللہ والے سے جنگ نہ کرنا کہ تجھے گمراہی کا پھندا نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖۤ اٰلِھَۃً ط اتخاذ مذکور کے انکار اور اس کی قباحت کے اظہار اور اس کے استعظام کے لیے اور من اتخذوا کے متعلق ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ بلکہ انھوں نے اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنالیا حالانکہ انھیں یقین ہے کہ وہ الوہیت کے بالکل مستحق نہیں۔

قُلْ، آپ انھیں الزام اور اتمام حجت کے طور پر یہ فرمائیے، ھَاتُوْا۔ بحر العلوم میں ہے کہ یہ اسم فعل ہے۔ کہا جاتا ہے، ھات الشی بمعنے اعطیۃ یعنے لاؤ میرے ہاں۔

بُرْھَانَکُمْ، اپنے دعویٰ پر عقلی ونقلی دلیل اس لیے کہ امور دینیہ بالخصوص ایسا عظیم الشان امر دلیل کے بغیر قابلِ قبول نہیں۔

حل لغات امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ برھان بروزن فعلان رجحان و بنیان کی طرح ہے ۔ بعض نے فرمایا کہ برہ یبرہ کا مصدر ہے بمعنے ابیض ۔

قاموس میں ہر دونوں معنوں کو بیان فرمایا ہے ۔ باب النون میں لکھا ہے کہ البرھان بالضم بمعنے الحجۃ وبرھن علیہ بمعنے اقام البرھان اور باب الہار میں لکھا ہے کہ ابرہ بمعنے اتی بالبرھان ۔

المفردات میں لکھا ہے کہ ' برہان ' مؤکد ترین دلیل کو کہا جاتا ہے ۔ اور وہ ہمیشہ صدق کا مقتضی ہوتا ہے ۔

هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ط اس میں اشارہ ہے کہ ان میں تینوں کتابیں قرآن ، تورات اور انجیل موجود تھیں یعنے جس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں قرآن مجید کی تابعداری کی وہ نجات پائے گا اور یہ قیامت تک لوگوں کے لیے نصیحت اور دستور العمل ہے اور تورات وانجیل امم سابقہ کے لیے وعظ ونصیحت اور دستور العمل رہیں ۔ اب انھیں چیلنج کے طور پر فرمایا کہ ان ہر تینوں کتابوں کا مطالعہ کرو اور دیکھو ان میں سوائے توحید کے اور کچھ نہ ملے گا اس لیے میں نے اپنی دلیل برہانی قائم کر دی ہے اسے منکرو ! اگر تمھارے اندر طاقت ہے تو تم بھی اپنی دلیل قائم کر کے دکھاؤ ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تحقیق وکشف سے وحدانیت کا اثبات ان علمار کاملین کا کام ہے جو میری اتباع میں حضرت حق تک سیر مقامات وقطع منازل کرتے ہیں اور یہ سابقہ انبیار علیہم السلام کا مرتبہ تھا جو اللہ تعالٰے نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے آپ کی امت کے علمار کرام کو عطا فرمایا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل "

یعنے جیسے بنی اسرائیل کے انبیار علیہم السلام صدق طلب اور توجہ الی اللہ میں اعراض عن الکونین سے موصوف تھے اللہ تعالٰے نے علمار امت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو وہی درجہ نصیب فرمایا ہے ۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ ، یہ اضراب (اعراض) اللہ تعالٰے کی طرف سے ہے ۔ یہ کلام سابق میں داخل نہیں یعنے بلکہ وہ کفار حق کو نہیں سمجھتے اور نہ ہی حق و باطل کی تمیز رکھتے ہیں ۔ اس لیے ان کے سامنے حقیقۃ الحق و بطلان الباطل کی حجت کوئی قدر نہیں رکھتی ۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ گویا اللہ تعالٰے نے ان کے حق میں فرمایا کہ ان کے ہاں اصل الفساد یعنے جہالت اور عدم التمیز بین الحق والباطل کے سوا اور کچھ نہیں اس لیے ان سے اعراض کے سوا اور کوئی کچھ نہیں اس لیے ان سے انکار کا صدور ہوا ۔

فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ اسی وجہ سے توحید و اتباع الرسول سے روگردانی پر اصرار کرنے والے ہیں ان میں کچھ ایسے ہیں جو حضور علیہ السلام اور توحید کی حقانیت پر یقین رکھنے کے باوجود بطور عناد کے قبول نہیں کرتے ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول علیہ السلام کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے سوا

کوئی معبود نہیں فلہٰذا میری توحید کو مانو اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک مت ٹھہراؤ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی حکمت انہی دونوں مصلحتوں پر مبنی ہے یعنے اثبات واحدیۃ اللہ اور اس کی اخلاص سے عبادت اور ان کا فائدہ بندوں کی طرف راجع ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالے کو ضرورت نہیں۔

قدسی حدیث شریف ہے کہ میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ میرے سے نفع حاصل کریں مجھے ان کی تخلیق سے کوئی فائدہ نہیں مثنوی شریف میں ہے سے

چون خلقت الخلق کی یربح علی
لطف تو فرمود ای قیوم و حی
لا لان اربح علیہم جودتست
کہ شود زو جملہ ناقصہا درست
عفو کن زین ناقصاں تن پرست
عفو از دریاے عفو اُولیٰتر ست !

ترجمہ : (۱) تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تا کہ وہ مجھ سے نفع پائیں اے حی وقیوم یہ تیرا لطف وکرم ہے۔

(۲) نہ یہ کہ میں مخلوق سے فائدہ اٹھاوں یہ تیرا جود ہے کہ تمام ناقصین نے تجھ سے کمال پایا۔

(۳) ان تن پرستوں ناقصوں کو معاف فرمایئے کہ تیرے ہاں عفو اچھی شے ہے۔

ف : عبادت میں سب سے بڑا فائدہ معرفت حق تعالے کا حصول ہے۔ کما قال تعالے : وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ لیعبدون بمعنی لیعرفون ہے اور یہ فائدہ بھی یعنے عرفان حق کا حصول صرف انسان سے مخصوص ہے، باقی مخلوق کو اس سے کوئی واسطہ نہیں اور امانت کی حقیقت اسی میں مضمر ہے۔ کما قال تعالے : انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوات والارض (الآیۃ)

تحقیق صاحب روح البیان قدس سرہٗ طریقہ معرفت عبادت سے اور معرفت سے رویت باری تعالے نصیب ہوتی ہے اور عارفین کے نزدیک رویت حق سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں یہ نعمت معرفت سے اعلیٰ اور بلند و بالا ہے اس لیئے کہ عارفین اہل وصال کاملین کے منازل کے مشتاق رہتے ہیں لیکن اہل وصال کو کسی منزلت ومرتبہ کا اشتیاق نہیں نہ مرتبہ معرفت کا نہ کسی اور کا۔

ف : یاد رہے کہ معرفت سے مشقت ومحنت اور رویت سے سرور اور رضائے حق نصیب ہوتی ہے۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ معرفت الطف اور رویت اشرف سے یا یوں کہو کہ معرفت اشد اور رویت مؤکدترین ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ معرفت کے حصول میں جد و جہد کرے تاکہ اسے ذات حق تعالیٰ کی رؤیت و مشاہدہ نصیب ہو۔

توحید کے مراتب: توحید کے تین مراتب ہیں :

(۱) توحید اہلِ ہدایت، اور وہ "لا الٰہ الا اللہ" ہے اور اس اہل توحید کی سیر عالم اجسام تک محدود ہے۔

(۲) توحید اہلِ توسط اور وہ "لا الٰہ الا انت" ہے اس موحد کی سیر عالم ارواح میں ہے۔

(۳) توحید اہلِ نہایۃ، اور وہ "لا الٰہ الا انا" ہے اور اس صاحب توحید کی سیر عالمِ حقیقت میں ہے اسی مرتبہ کی طرف شیخ مغربی قدس سرہٗ نے اشارہ فرمایا ؎

نور ہستی جملۂ ذرات عالم تا ابد
میکنند از مغربی چوں ماہ از مہر اقتباس

ترجمہ: جملہ ذرات عالم کی ہستی کا نور تو ہے تجھ سے اے مغربی ایسے ہی نور حاصل کرتے ہیں جیسے سورج سے چاند۔

حضرت کمال خجندیؒ کے لطائف سے ہے ؎

طاس بازی بدیدم از بغداد
چون جنید از سوکش آگاہی
رفت در جبہ وقت بازے گفت
لَیسَ فِی جُبَّتِی سوے اللہی

ترجمہ: میں نے بغداد میں جنید (علیہ الرحمۃ) جیسا ایک شہباز دیکھا جو جُبہ پہن کر کہہ رہا تھا کہ میرے جبّے میں اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اکثر لوگ اسلام کا دم بھرتے ہیں اور توحید کے نعرے لگاتے ہیں لیکن وہ بیچارے حق و باطل کی تمیز نہیں رکھتے۔ وہ اہل شرک و ریا اور اہلِ بدعت و ہوا اور اہلِ دنیا کی اتباع میں زندگی بسر کرتے ہیں اسی لیے ان کی عبادت میں خلوص بہت کم ہوتا ہے بلکہ ان میں شرعی امور کا انتفار ہوتا ہے اگر ان میں وجدانِ حق کی استعداد ہوتی تو انھیں اولیاء اللہ کا دامن نصیب ہوتا پھر وہ انہی کے صدقے شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت کے ذریعے چل کر وصال الٰہی حاصل ہوتا۔ لیکن ان بیچاروں نے سرے سے اصول بندگی کو ہی ضائع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی سے ہدایت و توفیق اور مقامِ صدق و تحقیق تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے۔ (جسے اللہ تعالیٰ نصیب ہی نہ کرے)۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا، اور کفار نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اپنی اولاد بنا رکھا ہے۔ اور وہ مدعی تھے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور ان احمقوں کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کی نوخیز لڑکیوں سے شادی کی تو ان سے ملائکہ پیدا ہوئے (معاذ اللہ)۔

ف : راغب اصفہانی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ شے کی وضع وتحصیل کو عربی میں الاخذ کہتے ہیں اور یہ کبھی بمعنے تناول مستعمل ہوتا ہے کما قال :

"معاذ اللہ ان ناخذ الا من وجدنا متاعنا عندہ"

اور کبھی بمعنے قہر وغلبہ آتا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

"لا تاخذہ سنۃ ولا نوم"

اور کہتے ہیں :

"اخذتہ الحمی"

اور اسیر قیدی کو ماخوذ واخیذ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اتخاذ اسی اخذ سے ہے یہ دو فعلوں کی طرف متعدی ہو کر بمعنے الجعل مستعمل ہوتا ہے۔

سُبْحٰنَہٗ ط اسی کے شان کے لائق اسی کی ذات کو تنزیہ ہے جب کہ سبحان کو مصدر مانا جائے اس کا فعل سبح یسبح ہوگا بمعنے بعّذ یا یہ دراصل اسبح تسبیحۃ تھا اس معنے پر سبحان تسبیح کا اسم علم ہوگا یہ عموماً بندوں کی زبان سے بولا جاتا ہے یا اس کا اصل سبحوہ تسبیحۃ تھا۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ ممکن ہے کہ یہ کلمہ تعجب کا ہو کہ ان احمقوں کی گفتگو سے تعجب کے طور پر بندوں سے فرمایا کہ کہو سبحانہ یعنے وہ کریم انھیں ہر چھوٹی بڑی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اس کی شان بہت بلند ہے اس لیے کہ اس کے لیے بیوی بچوں اور شرکا ثابت کرتے ہیں۔

ف : کشف میں لکھا ہے کہ تعجب تنزیہ کے منافی نہیں یعنے یہ جائز ہے کہ تعجب کے ساتھ اس کی تنزیہ بھی بیان کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

بَلْ یعنے جیسے ان کافروں نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالے کی لڑکیاں ہیں ان کا کہنا سراسر غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ملائکہ **عِبَادٌ** اللہ تعالے کے بندے اور اس کے پیدا کردہ اور **مُّکْرَمُوْنَ**۝ اس کے مقرب اور اس کے بہت سے بندوں سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔

(یاد رہے کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں)[1]

اور مخلوقیہ اولاد ہونے کے منافی ہے اس لیے کہ اولاد میں مناسبت ضروری ہے اور ملائکہ کو اللہ تعالے سے کیا مناسبت اور ان کا مقرب ہونا اولاد ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ کافروں کا گمان ہے۔

---

[1] : اضافہ از اویسی غفرلہٗ

لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ یہ عباد کی دوسری صفت ہے۔

حلِ لغات : اسبق بمعنے التقدم فی السیر۔ چلنے میں کسی کے آگے بڑھنا۔ پھر مجازاً چلنے کے علاوہ دوسرے امور میں بھی مستعمل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی سے پہلے کسی بات میں سبقت نہیں کرتے، کمال درجہ کے فرمانبردار ہیں، وہ حکم کے منتظر ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کو با ادب فرمانبردار غلاموں کی طرح بجا لاتے ہیں۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ وہ بے دستورِ کلام نہیں کرتے۔ اس سے کافروں کے طمع کو توڑنا ہے کہ وہ ملائکہ کی شفاعت پر پُرامید تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر تمہاری شفاعت نہیں کر سکتے۔

وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ اس کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ یہ قصر بامرہٖ پر حرف جارہ کے اپنے عامل کی تقدیم سے ثابت ہوتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگرچہ انسان اللہ کا مامور اور مخلوق بھی ہے لیکن ملائکہ صرف اللہ تعالیٰ کے مامور ہیں اور الامر مصدر ہے، مثلاً کہا جاتا ہے اَمَرْتُہٗ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی دوسرے کو کسی فعل کے بجا لانے پر مکلف بنایا جائے۔

ولی اللہ کی شان

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مکرم اور مقرب بندوں کی یہی شان ہے کہ جب وہ واصل باللہ اور مقرب الٰہی ہو جاتے ہیں تو نہ وہ اپنی طرف سے کچھ بولتے ہیں نہ اپنے ارادہ سے کچھ کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بولتے اور خاموش رہتے ہیں۔ (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا) : ؎

چوں وزد بادِ صبا وقتِ سحر   میشود دریا ز جنبش موج گر
موج و تحریک از صبا باشد ہمیں   نے دریا ایں خروش آیندہ ہین

ترجمہ : ۱۔ جب صبح کے وقت بادِ صبا چلتی ہے تو دریا میں موج آجاتی ہے۔
۲۔ اس کی موج و تحریک بادِ صبا کی وجہ سے ہے ورنہ دریا کو ایسا جوش نہ ہوتا۔

یَعْلَمُ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ جو کچھ پہلے عمل کر چکے یا کہہ چکے ہیں وَمَا خَلْفَهُمْ اور جو کچھ انھوں نے بعد کو کیا یا کہا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے علوم کے احاطہ کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ ملائکہ کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط بکل شئی ہے اسی لیے وہ اپنے ہر معاملہ کی نگرانی کرتے ہیں اور اسی وجہ سے قول و عمل میں اللہ تعالیٰ کے بغیر سبقت نہیں کرتے۔ اسے ماقبل کی تعلیل اور مابعد کی تمہید کے لیے لایا گیا ہے وَلَا یَشْفَعُوْنَ الشفع بمعنے ضم الشئ الیٰ مثلہ کسی شے کو اپنے ہم مثل کے ساتھ ملانا۔ اور الشفاعت بمعنے سفارش اور سائل کا آپس میں ملنا اور اس کا اکثر استعمال اعلیٰ کو ادنیٰ سے ملانے کے لیے ہوتا ہے۔ اسی معنیٰ سے قیامت کی شفاعت کو لیا گیا ہے اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی یعنی ملائکہ کرام کسی کی شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لیے جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔ یعنی ملائکہ کرام اہلِ ایمان کی شفاعت کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللّٰہ کے قائل اور اس پر خلوصِ دل سے ماننے والے کی شفاعت

کریں گے۔

معتزلہ اور نجدی وہابی کا رد اس آیت سے معتزلہ (وہابی نجدی) کا استدلال صحیح نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا کہ اہلِ کبائر کو شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ اہلِ کبائر کی تخصیص کہاں سے نکالی (یا نجدیوں وہابیوں نے نبی و ولی کی شفاعت کی نفی کیسے سمجھ لی)

سوال: اہلِ کبائر کی شفاعت کی نفی اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے جرائم و معاصی سے راضی نہیں اس لیے انھیں شفاعت نصیب نہ ہوگی۔

جواب: اللہ تعالیٰ ہر اس بندے سے راضی ہے جو کلمۂ شہادت کا اقراری اور اس سے سرشار ہے اگرچہ اس کے فعل شنیع سے راضی نہیں۔ اس سے اتنا ثابت ہوگیا کہ عاصی و مجرم پر من وجہ راضی ہے اور من وجہ ناراض ہے۔ اور ہم نے اعمال پر عقاید کی تصحیح کو ترجیح دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس کا مؤید ہے۔ فرمایا:

ارتضاھم ھم اھل شھادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	گفت پیغمبر کہ روز رستخیز	کے گزارم مجرماں را اشک ریز
۲	من شفیع عاصیاں باشم بجان	تا رہانم شان ز اشکنجہ گران
۳	عاصیاں و اہل کبائر را بجہد	وارہانم از عتاب نقض عہد
۴	صالحان امتم خود فارغند	از شفاعتہائے من روز گزند
۵	بلکہ ایشاں را شفاعت ہا بود	گفتشان چون حکم نافذ می رود

ترجمہ: ۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت میں میں مجرموں کو روتا ہوا کیسے چھوڑ دوں گا!

۲۔ میں بہ دل و جان مجرموں کا شفیع ہوں تاکہ اُنھیں عذاب کے شکنجہ سے بچاؤں۔

۳۔ عاصیوں اور اہلِ کبائر کو جد و جہد کر کے نقضِ عہد کے عتاب سے چھڑاؤں۔

۴۔ میری اُمت کے نیک تو خود چھوٹ جائیں گے اُنھیں میری شفاعت سے کیا تعلق!

۵۔ بلکہ وہ (نیک) میرے ساتھ ہوکر مجرموں کی شفاعت کریں گے ان کی شفاعت بھی میری شفاعت جیسی ہوگی۔

وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ اور وہ باوجودیکہ مطیع و فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے۔ اس میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی ملائکہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے مُشْفِقُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہیبت و عظمت سے لرزتے کانپتے ہیں۔

حلِ لغات: الاشفاق بمعنے العنایۃ المخلطۃ بخوف۔ اس لیے کہ مشفق مشفق علیہ سے محبت کرتا اور جو کچھ اسے لاحق ہوگا اس سے اس کے لیے خوف کرتا ہے۔ (کذا فی المفردات)

اور ابن الشیخ نے فرمایا :

الخشیۃ والاشفاق قریب المعنیٰ ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ الخشیۃ میں مخشی منہ (جس سے ڈر ہو) کی جانب کو ترجیح ہوتی ہے یعنی اس کی عظمت وہیبت کا تصور دل میں ہوتا ہے اور الاشفاق میں مخشی علیہ (جسے ڈر ہے) کی جانب کو ترجیح ہوتی ہے کہ اس کی رعایت مطلوب ہوتی ہے اور احتیاط کی جاتی ہے کہ وہ کسی مصیبت اور مکروہ امر میں مبتلا نہ ہو۔ الاشفاق لفظ علیٰ اور من ہر دو کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

اشفق علیہ فہو مشفق اور اشق منہ - ای حذر منہ - اگر مِن کے ساتھ متعدی ہو تو اس میں خوف کا معنیٰ زیادہ ظاہر ہوتا ہے اگر لفظ علیٰ کے ساتھ متعدی ہو تو بہ نسبت خوف کے اعتناء (عنایت وشفقت) کا معنیٰ زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔

شبِ معراج کے دو قصے (۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو شبِ معراج دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ٹاٹ کی طرح گرے پڑے تھے۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسرافیل علیہ السلام کو دیکھا باوجودیکہ اس کی عظمت یہ ہے کہ اس کا ایک پاؤں مشرق میں، ایک مغرب میں اور عرشِ الٰہی کو ایک پَر اٹھائے ہوئے ہے لیکن کبھی خوفِ الٰہی سے (وصع) پرندے کی طرح ضعیف اور کمزور پڑجاتا ہے۔

ف : الوصع بالسکون، کبھی دونوں حرکتوں سے پڑھا جاتا ہے، ایک پرندہ ہے جو چڑیا سے بھی چھوٹا ہے۔ (کذا فی القاموس)

س

خوف وخشیت حلیۂ اہل دلست　　امن و بے پروائی شان غافلست

ترجمہ : خوف وخشیت اہلِ دل کا شیوہ ہے۔ امن وبے پروائی غافلوں کا طریقہ ہے۔

اس کے باوجود **وَمَنْ یَّقُلْ** جو کہے **مِنْهُمْ** ملائکہ کرام میں سے **اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ** بے شک میں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہوں۔ من دونہٖ حال ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی : متجاوزا ایاہ تعالیٰ - **فَذٰلِكَ** پس اسے یعنی جس نے ایک محال امر کو فرضی طور مانا، حالانکہ ملائکہ کرام میں کسی ایک نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔

ف : بعض نے کہا کہ اس سے ابلیس مراد ہے اس لیے کہ اس نے الوہیت کا دعویٰ کرکے اپنے لیے پرستش کرائی۔ اگر یہ تفسیر مان لی جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ ابلیس فرشتہ تھا حالانکہ وہ تو جن تھا۔

نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ہم اسے دوسرے مجرموں کی طرح جہنم کی سزا دیں گے اگرچہ وہ بہت اچھے اور نیک صفات اور اعمالِ صالحہ کے مالک ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ اس میں مشرکین کو تہدید ہے اس لیے کہ جب الوہیت کے مدعی کو سزا ہوگی تو اس کے پرستاروں کو بطریقِ اولیٰ سزا ہونی چاہیے تاکہ وہ اس تہدید کو سن کر شرک کے ارتکاب سے

باز آجائیں۔ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ یہ مصدر تشبیہی ہے، ماقبل کے مضمون کی تاکید کرتا ہے یعنی مذکورہ سخت بری سزا کی طرح ہم ان ظالموں کو بھی سزادیں گے جو امور کو برغیر محل استعمال کر رہے ہیں اور شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں یا الوہیت کا دعوی کر رہے ہیں۔ یہ قصر صرف زیادتی ونقصان میں اعتدال کے اظہار کے لیے ہے یعنی اگر نیکی کرو گے تو نیک جزا پاؤ گے اگر برائی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ جزیتہ کذا بکذا کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ لایسبقونہ بالقول میں اشارہ ہے کہ ملائکہ کرام کو ماکول ومشروب و ملبوس ومنکوح اور گرمی وسردی سے بچنے و دیگر امور عارضہ جیسے امراض وعلل و آفات سے منزّہ پیدا فرمایا ہے جب وہ ان ضروریات سے پاک ہیں تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سبقت کر سکتے ہیں جب انھیں ضرورت ہی کسی شے کی نہیں تو پھر کیسے استدعا کر سکتے ہیں کہ فلاں کام کردے اور فلاں تکلیف دُور فرما دے وغیرہ۔ اسی طرح ان کی طبائع ایسی نہیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کے خلاف ارتکاب کریں بلکہ ان سے خلاف کے بجائے ایسے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ ہر حکم کو بجالانے پر تیار رہتے ہیں وھم بامرہٖ یعلمون اسی لیے ان کے لیے فرمایا لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون بخداوہ اپنے خصال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں، بنی آدم کی اکرمیت کا راز ولقد کرّمنا بنی اٰدم میں مضمر ہے کہ بنی آدم میں وہ کرامات ہیں جو ملائکہ کرام سے موکدتر ہیں بنی آدم انہی خصائل وعادات کی وجہ سے درجات کے لحاظ سے اکبر اور منزلۃ کے لحاظ سے ارفع ہیں۔ وہ اس لیے کہ بنی آدم میں وہ طبائع رکھے گئے ہیں جن کی ملائکہ کو محتاجی نہیں بنی آدم صرف دو خصلتوں سے ملائکہ سے اکرم قرار پائے:

۱۔ اپنی احتیاج میں مضطر اور پریشان ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۲۔ اس سے اپنی ضروریات وحاجات کے لیے دعائیں مانگتے ہیں ان کی اسی عاجزی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ ان سے دعا کی استجابت کا وعدہ فرماتا ہے۔ کما قال: ادعونی استجب لکم۔

اسی معنے پر بنی آدم ملائکہ کی خصلت لایسبقون بالقول میں شریک ہیں۔ اس لیے کہ وہ حکم الٰہی بجالانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ رفعِ حاجات کے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی سبب ان کی تعریف فرمائی۔ کما قال تعالیٰ:

تتجافٰی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا۔

اور ان کی دعا مانگنے کی وجہ سے ان کی شان بلند فرما دی۔ کما قال تعالیٰ:

قل ما یعبأ بکم ربی لولا دعاؤکم۔

اسی کرامت دعا و استجابت سے بنی آدم ملائکہ کرام سے ممتاز و مکرم تر بن ہوئے۔ لیکن یہ بنی آدم کے خواص کا مرتبہ ہے، لیکن جو اخص الخواص ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی طمع وخوف کے پیش نظر نہیں کرتے بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے شوق ومحبت

میں ڈوب کر عبادت کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ :

یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ۔

اسی محتاجی کی بنا پر بنی آدم ملائکہ سے بڑھ گئے کوئی ایسی مخلوق نہیں جو اس محتاجی میں بنی آدم کا مقابلہ کر سکے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق کسی نہ کسی وجہ سے محتاج ہے اور ان کی محتاجی ان کی استعداد کے مطابق رکھی گئی ہے لیکن بنی آدم ہر طرح اور من کل الوجوہ ذاتِ حق کے محتاج پیدا کیے گئے ہیں۔ یہی راز ہے واللہ الغنی وانتم الفقراء میں۔ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں من کل الوجوہ غنی ہے ایسے ہی بنو آدم محتاجی میں من کل الوجوہ اس کی ذات کے محتاج ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو اپنے ہر اسم کا علم سکھایا ہے تاکہ اپنی ہر ضرورت اسی اسم کے علم کے مطابق سوال کرے۔ یہ اعزاز صرف انسان کو نصیب ہوا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

واتیکم من کل ما سالتموہ۔

اور اپنی نعمتوں کے بارے میں بھی فرمایا کہ وہ ان گنت اور غیر منتہی ہیں۔ کما قال :

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔

یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کی اس خجالت کو جانتا ہے جبکہ تخلیقِ آدم کے مشورہ کے وقت زمانۂ سابق میں اُنھوں نے بنی آدم کے لیے کہا: اتجعل فیھا من یفسد فیھا۔ اس میں ایک قسم کا بنی آدم پر اعتراض کا شائبہ ہے اور اس میں غیبت کی بھی بُو آتی ہے اور ان کا عُجب بھی جھلکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں عار دلاتے ہوئے فرمایا :

انی اعلم ما لا تعلمون۔ مجھے معلوم ہے کہ مسجودیۃ کا استحقاق کس کو حاصل ہے اور ساجدیت کا حقدار کون۔ وما خلفھم میں ملائکہ کا وہ عمل جو انھوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور پھر قیامت تک بنی آدم کے لیے استغفار کرینگے تاکہ بنی آدم کی غیبت کا کفارہ ہو جائے۔ **ولا یشفعون** اور استغفار میں شفاعت نہیں کرتے **الا لمن ارتضی** مگر ان لوگوں کے لیے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے کہ ان میں اہلِ مغفرت کون ہیں **وھم من خشیتہ مشفقون** یعنی ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ کی خشیۃ اور جلال کی سطوت سے خوفزدہ ہیں کہ زمانہ سابق میں جو اُن سے بنی آدم کے حق میں غیبت کا صدور ہوا، نہ معلوم کہ وہ کریم انھیں بخشتا ہے یا نہیں۔ **ومن یقل منھم انی الٰہ من دونہ** یعنی ملائکہ میں کوئی بھی ایسا نہیں جو کہتا ہو کہ وہ معبود ہے **فذٰلک نجزیہ جھنم** اس میں اشارہ ہے کہ ملائکہ میں کوئی ایسا نہیں جو اپنے آپ کو الوہیت کے اوصاف سے موصوف سمجھتا ہو بفرضِ محال اگر کوئی ان میں الوہیت کا دعویٰ کرے تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے یعنی اسے اپنی درگاہ سے ہٹا کر محروم کر کے سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ جیسے ابلیس کا حال

(باقی برصفحہ ۵۷)

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ
كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِيهَا
فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا
مُعْرِضُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُونَ ۝
وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ
الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ وَإِذَا رَاٰكَ الَّذِينَ
كَفَرُوا إِنْ يَّتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ؕ أَهٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ
هُمْ كٰفِرُونَ ۝ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَأُورِيكُمْ اٰيٰتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ۝ وَيَقُولُونَ مَتٰى
هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَنْ وُّجُوهِهِمُ
النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ
رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ
مَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ ع

ترجمہ: کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا کہ بیشک یہ آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے تو ہم نے انھیں جدا کیا اور ہم نے ہر جاندار شئے کو پانی سے بنایا تو کیا ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین پہاڑ بنائے کہ انھیں لے کر ہلنے نہ لگے اور ہم نے اس میں کھلے راستے بنائے تاکہ وہ راہ پائیں اور ہم نے آسمان کو بنایا محفوظ چھت اور وہ ہماری آیات سے منہ پھیرنے والے ہیں اور وہ ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کیے ہر ایک اپنے گھیرے میں پیر رہا ہے اور تم سے پہلے ہم نے کسی بشر کے لیے ہمیشگی نہیں بنائی تو کیا اگر تو دنیا سے رخصت ہو تو یہ ہمیشہ رہیں گے۔ ہر جی نے موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمھاری برائی اور بھلائی سے مکمل آزمائش کرتے ہیں اور ہماری طرف تم سب لوٹ کر آؤ گے اور جب تمھیں کافر دیکھتے ہیں تو تمھیں نہیں ٹھہراتے مگر ٹھٹھا مخول۔ کیا یہی ہیں جو تمھارے معبودوں کو برائی سے یاد کرتا ہے اور وہ رحمٰن ہی کے ذکر سے انکار کرتے ہیں۔ انسان جلد باز پیدا ہو گیا ہے عنقریب میں تمھیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا تو مجھ سے عجلت نہ کرو اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب ہو گا اگر تم سچے ہو۔ کسی طرح کافروں کو معلوم ہو جائے جب نہ اپنے چہروں سے آگ روک سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے بلکہ وہ ان پر اچانک آئے گی تو انھیں بدحواس کر دے گی پھر نہ وہ اسے ہٹا سکیں گے اور نہ اس سے مہلت دیے جائیں گے اور بیشک تم سے پہلے پیغمبروں سے ٹھٹھا کیا گیا تو مذاق

کرنے والوں کو ٹھٹھا گھیر لے گا۔

(بقیہ ص ۵۵) سب کو معلوم ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف سے متصف ہونا صرف انسان کی شرافت و بزرگی ہے اور بس۔جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

تخلقوا باخلاق اللّٰہ۔ اللہ تعالیٰ کے اوصاف پیدا کرو۔

اور قیامت میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کرام کی طرف ایک مکتوب گرامی بھیجے گا جس کا عنوان یُوں ہوگا:

من الملك الحی الذی لایموت الی الملك الحی الذی لا یموت ۔ ملک حی اور وہ جس پر موت نہیں، کی طرف سے یہ مکتوب اس ملک حی کی طرف جس پر موت نہیں آئے گی۔

کذٰلك نجزی الظّٰلمین یعنی ان ظالموں کو ہم ایسے سزا دیں گے جو اشیاء کو برمحل استعمال نہیں کرتے۔ مثلاً وہ ریاءً و سمعۃ اور شرک خفی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا ہمزہ نفی رویت انکار کے لیے ہے اور قاعدہ ہے کہ نفی النفی کا انکار بھی نفی ہوتی ہے جیسے نفی النفی سے اثبات ہوتا ہے اور واو فعل مقدر کے عطف کے لیے ہے اور رؤیت سے رؤیت بصریہ نہیں بلکہ رویت قلبیہ مراد ہے۔اس معنی پر یہ ما اشھدتھم خلق السمٰوٰت والارض کے منافی نہیں۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا یہ لوگ تفکر یا علماً سے استفسار کیوں نہیں کرتے یا کتابوں کا مطالعہ کر کے کیوں معلومات نہیں حاصل کرتے یا وحی سُن کر کیوں نہیں سمجھتے۔اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔

سوال: تثنیہ کا ضمیر کیوں، حالانکہ سمٰوٰت اور ارض ہر دو مل کر جمع کے صیغے کے مقتضی ہیں۔

جواب: چونکہ یہ ہر دو ایک علحٰدہ جماعت ہیں انھیں دو جماعتیں قرار دے کر تثنیہ کی ضمیر لائی گئی۔

کَانَتَا رَتْقًا یہاں مضاف محذوف ہے دراصل ذواتی رتقا تھا بمعنے ملتزقین و منضمین یعنی بے شک آسمان و زمین آپس میں ملے ہوئے تھے ان کے درمیان کوئی فضا اور سوراخ نہیں تھا اس لیے کہ ہر وہ شے جو خلقۃً یا صنعۃً مضموم یا ملتحم ہو اسے عربی میں رتق کہتے ہیں ففتقنٰھما ۔ الفتق دو متصل چیزوں میں فاصلہ کرنے کو کہا جاتا ہے۔یہ رتق کی نقیض ہے۔یعنی ہم نے ان دونوں کے درمیان میں ہوا کے ذریعے فاصلہ بنایا۔

عرشِ معلّٰی کو کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ سے سکون ملا حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نورانی جوھر پیدا فرمایا پھر اس پر ایک ہیبت ناک نظر ڈالی تو وہ نورانی جوہر پگھل کر پانی پانی ہوگیا۔پھر اس پگھلے ہوئے پانی پر نظرِ رحمت

ڈالی تو اس کا نصف حصہ منجمد ہوگیا۔ اس پگھلے ہوئے حصّے سے عرش بنایا تو عرش ہلنے لگا اس پر کلمہ لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو عرش معلّٰی کو سکون نصیب ہوا۔

نکتہ: اسی وجہ سے پانی ہر وقت ہلتا رہتا ہے اور قیامت تک ہلتا رہے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وکان عرشہ علی الماء۔ اس سے میٹھا پانی مراد ہے۔

ف: پانی کی حرکت سے تہ بہ تہ دھوئیں اُٹھے اس سے جھاگ اُبھری۔ ان تہ بہ تہ حصّوں سے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا فرمائیں۔ اسی لیے ابتداءً یہ چودہ طبق آپس میں ملے ہوئے اور ملحق تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہوا کو پیدا فرمایا تو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان خلا اور فضا پیدا کر دی۔ کما قال تعالیٰ: ثم استوٰی الی السماء وھی دخان۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو دھوئیں سے اس لیے پیدا فرمایا کہ دُھواں متماسک الاجزاء ہے اور بالآخر اپنے منتہا پر ٹھہر جاتا ہے بخلاف بخار کے کہ وہ اپنے مرکز کی طرف لوٹ جاتا ہے وہی اپنی حکمتوں کو خوب جانتا ہے وہی کمال علمی کا مالک ہے۔ اس کے بعد پانی پر جھاگ کو پھیلایا تو اس کی قدرت سے پھیلا ہوا جھاگ کا حصّہ زمین بن گئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والارض بعد ذٰلك دحاھا۔

ف: ایک روایت میں ہے آسمان ایسا مضبوط تھا کہ پانی اس سے نیچے نہیں اُترتا تھا اور زمین بھی پختہ تھی اس سے گھاس نہیں اگتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بارش کا سلسلہ جاری فرمایا تو دونوں کُھل گئے اور آسمان سے پانی اور زمین سے گھاس پیدا ہونے لگے۔ یعنی اس قدرت والے نے آسمان جیسی سخت ترین چیز کو نرم ترین بارش سے جدا فرمایا۔ اسی طرح زمین کو بھی نرم ترین یعنی انگوری سے جُدا فرمایا۔

سوال: بارش تو صرف پہلے آسمان سے اُترتی ہے پھر اسے جمع کے صیغے سے کیا مناسبت۔

جواب: ساتوں آسمانوں میں بارش کا دخل ہے اس لیے کہ بارش کی تاثیر علو سے حاصل ہوتی ہے۔

ف: فتق بھی علم و قدرت وغیرہما کی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس لیے یہ بھی دُوسری صفات کی طرح قدیم ہے۔ لیکن مفتوق بوجہ تعلق بالفتق کے حادث ہے جیسے معلومات و مقدرات حادث ہیں باوجودیکہ ان کا تعلق علم و قدرت قدیم صفتوں سے ہے۔ اس معنے پر جیسے معلومات و مقدورات کو کوئی قدیم نہیں کہتا ایسے ہی مفتوق کو بھی کوئی قدیم نہیں کہہ سکتا۔

ف: یہاں قاضی بیضاوی نے غلطی کی ہے اُنھوں نے فرمایا ہے کہ فتق ایک عارضی صفت ہے اور حادث ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ اور ہم نے پیدا فرمایا بہنے والے پانی سے جو کل زمین کو محیط ہے كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط ہر حیوان (ذی حیات شے) کو۔

ف: الماء میں الف لام جنس کا ہے۔ یعنی حیوان کی ہر جنس کو اسی پانی کی جنس سے پیدا کیا گیا ہے، اور یہاں الماء سے نطفہ منی مراد ہے۔

چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا، واللہ خلق کل دابۃ من ماء۔ دواب کا ہر فرد معین پانی سے، یعنی اپنے باپ کے

نطفے سے پیدا کیا گیا ہے یا اس سے نوع من انواع الدواب مراد ہے۔ یعنی دواب کا ہر نوع اپنے پانی کے نوع سے پیدا ہوا ہے۔

حیوان اور حی میں فرق فقیر (حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ حی و حیوان میں فرق ہے اس لیے کہ ہر حیوان حی ہے لیکن ہر حی حیوان نہیں، جیسے ملائکہ کرام حی ہیں لیکن انھیں حیوان نہیں کہا جائے گا۔

حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ کرام کی تخلیق میں بھی پانی کو دخل ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو ہوا سے پیدا کیا ہے اور ہوا پانی سے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور مٹی کو پانی سے اور جنات کو آگ سے اور آگ کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ آیت میں نبات و اشجار داخل ہیں اس لیے کہ ان کی نشوونما پانی سے ہے اور حیات کا اطلاق قوتِ نامیہ پر ہوتا ہے اور یہ قوتِ نامیہ جیسے حیوان میں ہوتی ہے ایسے ہی نباتات و اشجار میں ہوتی ہے اور ان اشجار و نباتات کی حیٰوۃ پر آیت یحی الارض بعد موتہا دلالت کرتی ہے۔ (کذافی الکبیر)

اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ان آیات موضحہ کو دیکھ کر یہ مشرکین ایمان کیوں نہیں لاتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: آسمان و زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے مشرکین اور اہلِ ایمان کے ارواح پیدا ہوئے۔

حدیث شریف میں ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اجساد سے دو ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ چار ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا کیا گیا ارواح کے سامنے ہی آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق ہوئی۔ اس وقت آسمان اور زمین ایک شے تھی جیسا کہ مشہور حدیث شریف میں ہے کہ اوّل[1] ما خلق اللہ جوھرۃ الخ۔

وجعلنا من الماء کل شیءٍ حی میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حیوان کی حیات اس وقت پیدا فرمائی جب اس کا عرش پانی پر تھا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ تمام موجودات کا مبدأ وہی جوہرہ ہے اور اس سے روحِ اعظم (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس) مراد ہے۔ اسی روحِ اعظم سے تمام ملائکہ اور ارواح اس کے اعلیٰ حصّہ سے اور تمام حیوانات و دواب اس کے اسفل حصّہ یعنی پانی سے پیدا ہوئے۔ کما قال: واللہ خلق کل دابۃ من ماء۔ اور ان سب کی تخلیق ارواح کے سامنے ہوئی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: افلا یؤمنون۔ یعنی کیا یہ نہیں مانتے کہ ان کے ارواح کے سامنے سب کچھ پیدا ہوا۔

---

[1] اس حدیث شریف کا مضمون ابھی گزرا ہے ۱۲

ف : رُوٗیۃ سے رُوٗیۃ قلبی مراد ہے۔ اور یہی ایمان کی حقیقت ہے۔

حکایت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ

مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے منبر پر یہ دعویٰ فرمایا کہ عرش کے سوا مجھ سے جو کچھ پُوچھنا چاہو پُوچھ لو، اس لیے کہ مجھے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے لعابِ دہن سے نوازا اس کی برکت سے مجھے ہر سُو بے حد و عد علوم نصیب ہوئے ہیں۔ بخدا تورات و انجیل کو اگر بولنے کی طاقت عطا ہو جائے تو میں جو کچھ ان کے علوم بتاؤں تو وہ میری تصدیق کریں گے۔ اسی مجلس میں ایک یمنی شخص نے کہا کہ یہ عجیب انسان ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کر رہا ہوں۔ میں ایک ہی سوال سے اسے شرمسار کر دوں گا۔ چنانچہ عرض کی: اگر میں سوال کروں تو آپ جواب دیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں، لیکن سمجھنے کی نیت سے سوال کرنا، سوال میں سرکشی نہ دکھانا۔ اس نے عرض کی: آپ کے دعوے سے تو میرا سوال میری مرضی پر ہوگا۔ آپ بتائیے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مَیں اپنے رب تعالیٰ کی عبادت اس لیے نہیں کرتا کہ میں اسے دیکھوں۔ اس نے عرض کی: جب آپ نے اسے دیکھا نہیں تو اسکی عبادت کیسی؟ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ میں نے اسے ان آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن حقیقتِ ایمان کے ساتھ اس کو قلب کی بصیرت سے دیکھا کہ وہ میرا رب احد، واحد، لاشریک لہٗ ہے۔ اس کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ فرد ہے اس کا کوئی مثل نہیں، نہ وہ مکان میں ہے نہ وہ زمان کا محتاج ہے، اسے نہ ادراک سے پایا جا سکتا ہے نہ قیاس سے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی یہ تقریر سُن کر وہ یمنی شخص بیہوش ہو کر گرا۔ جب اسے ہوش آیا تو عرض کی: میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ سرکشی سے سوال نہیں کروں گا۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دیدہ طلب کن پس انگہے دیدار
از انکہ یار کند جلوہ بہ اولوا الابصار

ترجمہ: پہلے آنکھ مانگ، پھر دیدار، اس لیے کہ محبوب کا جلوہ صرف اولوا الابصار کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بیدار شو آنکہ طلب آں روی کہ ہرگز
در خواب چنیں دولت بیدار نیابی

ترجمہ: بیدار ہو کر اس کا دیدار طلب کر اس لیے کہ یہ دولت بیداری میں نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سے غین و غفلت اور حجاب دُور فرمائے اور اپنے جمال بے مثال کی آنکھیں کھول دے اس لیے کہ وہی رب الارباب اور مسبب الاسباب ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ، ارض تمام غلیظ اجسام سے غلیظ ترین ہے۔ مرکزِ عالم میں بچھی ہوئی ہے جہاتِ ستہ کی کیفیت اسی سے ظاہر ہے۔ مثلاً مشرق وہ ہے جہاں سے شمس و قمر کا طلوع ہوتا ہے

اورمغرب وُہ ہے جہاں ان کا غروب ہوتا ہے۔ شمال جدی کے مدار کا نام ہے، اور جنوب سہیل کے مدار کا نام ہے۔ اور وہ حصہ جو محیط عالم کے متصل ہے اسے فوق، اور جو مرکز ارض کے متصل ہے اسے تحت کہا جاتا ہے۔ رَوَاسِیَ وہ جبال ثوابت جو زمین پر لنگر کے طور گاڑ دیے گئے ہیں۔ رواسی کی جمع اور رسا سے مشتق ہے بمعنے ثبت و رسخ۔ اَنْ تَمِیْدَ بِھِمْ، مید سے مشتق ہے۔ کسی عظیم شے کا مضطرب ہونا۔ جیسے زمین کا مضطرب ہونا۔ مَادَ یَمِیْدُ مَیْدًا سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے متحرک ہو۔ اسی سے مائدہ مشتق ہے۔ طعام اور جس دسترخوان پر طعام رکھا جائے اسے مائدہ کہتے ہیں۔ جیسے امام راغبؒ نے فرمایا کہ مائدہ ہر وہ دسترخوان یا طباق جس پر طعام رکھا جائے۔ اور طعام کو بھی مائدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ زمین انھیں کھینچ لے اور مضطرب ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ باٗ تعدیہ کی ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زمین کو پانی پر بچھایا گیا تو وہ اپنے اہل سمیت پانی پر تیرنے لگی جیسے کشتی پانی پر تیرتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر ثوابت جبال گاڑ دیے جیسے کشتی کو لنگر سے باندھ دیا جاتا ہے۔

ف: حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے پُوچھا گیا کہ سب سے سخت ترین کیا شے ہے؟

آپ نے فرمایا: سب سے سخت تر جبال ثوابت ہیں لیکن لوہا ان سے بھی سخت تر ہے کہ لوہے سے پہاڑ توڑے جا سکتے ہیں۔ لوہے پر آگ غالب ہے لیکن آگ کو پانی بجھا دیتا ہے اور پانی بادل کو اٹھائے پھرتا ہے اور ہوا بادلوں کو اڑا کے لے جاتی ہے اور انسان اپنی ثابت قدمی کے لحاظ سے ہوا پر غالب ہے لیکن انسان کو غم نڈھال کر دیتا ہے اور نیند سب پر غالب ہے۔

فقیر (حقیؒ) عرض کرتا ہے:

نباشد در جہاں چوں مرگ چیزے
کہ غالب شد ترا ہرچند عزیزے

ترجمہ: دنیا میں موت سے کوئی شے غالب نہیں اگرچہ وُہ کتنے ہی غلبہ والی ہو۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ آیت میں ابدال[1] کی طرف اشارہ ہے کہ وہی زمین کے اوتاد و اطواد ہیں اس لیے کہ زمین والے انہی کے صدقے رزق دیے جاتے ہیں اور انہی کے صدقے بارش برسائی جاتی ہے۔

اور ابدال اولیاء کا ایک گروہ ہے جن کے صدقے اللہ تعالیٰ زمین کو قائم رکھتا ہے۔ وہ ستر افراد ہیں ان میں سے چالیس شام میں اور تیس دوسرے علاقوں میں ہیں، ان میں ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے عام آدمیوں میں سے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے: زمین چالیس مردوں سے خالی نہیں رہتی۔ وہ حضرت خلیل الرحمان کی طرح ہیں اُنھیں کے صدقے تم پر بارش برسائی جاتی ہے اور اُنھیں کے طفیل تمہیں مدد و نصرت نصیب ہوتی ہے ان میں

---

[1] ہم اہلسنت والجماعت ابدال کے وجود کے قائل ہیں۔ بدقسمتی سے ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا ہے جو اس کا منکر ہے۔

جب ایک فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اور مقرر فرماتا ہے۔
وَجَعَلْنَا فِیْهَا اور ہم نے زمین میں رواسی بنائے ہیں۔ صاحبِ جلالینؒ نے صرف اسی پر اکتفا کیا ہے۔
اس لیے کہ انہی میں راستوں کی حاجت ہوتی ہے۔ فِجَاجًا سُبُلًا یعنی وُہ راستے جن پر آمد و رفت
جاری ہو۔ اس لیے سبیل اس راستہ کو کہا جاتا ہے جس پر لوگوں کی آمد و رفت جاری ہو۔ فَجٌّ دو پہاڑوں کے درمیانی شق کو کہا جاتا ہے
لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ تاکہ اپنی مصلحتوں اور ان مقاصد کے لیے راہ پائیں جو ان کے لیے دُور دُور کے شہروں میں ہیں وَجَعَلْنَا
السَّمَآءَ سَقْفًا اور ہم نے آسمان کو چھت بنایا اور آسمان کو چھت اس لیے کہا کہ وہ زمین کے لیے بمنزلہ چھت کے ہے۔
مَّحْفُوْظًا گرنے سے محفوظ، باوجودیکہ بغیر ستون کے ہے، یا اسے فساد سے محفوظ فرمایا ہے، یا وقتِ معلوم تک ٹکڑے ٹکڑے
نہ ہوگا، یا چنگاریوں کے ذریعے آسمان کی باتوں کو سننے سے محفوظ فرمایا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ عارف کا قلب شیاطین الانس والجن کے وساوس سے محفوظ ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمایا کرتے تھے :

اے اللہ ! میرے قلب کو اپنے ذکر کے تصوّرات سے آباد فرما اور مجھ سے شیطان کے وساوس دُور فرما۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

ذکرِ حق کن بانگ غولاں را بسوز
چشمِ نرگس را ازیں کرگس بدوز

ترجمہ : تُو کی آوازوں کو جلانے کے لیے ذکرِ الٰہی کر۔ نرگس کی آنکھ کرگس سے چھپا دے۔

وَهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا اور وُہ ہماری آیات یعنی وہ دلائل واضحہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں پیدا فرما کر انھیں اپنی ذات اور توحید کی علامات اور اپنی عظیم قدرت اور اعلیٰ حکمت کی نشانیاں بنائیں جیسے سورج، چاند، ستارے وغیرہ مُعْرِضُوْنَ روگردانی کرتے ہیں اور ان میں تدبیر نہیں کرتے تاکہ وُہ اپنے کفر اور گمراہی کے متعلق باخبر ہو سکیں۔

ابدال کی علامات

ابدال کی دَس علامتیں ہیں :

۱۔ سینہ صاف
۲۔ سخاوت
۳۔ صدقِ مقال
۴۔ تواضع
۵۔ شدائد و مصائب پر صبر
۶۔ خلوت میں گریہ و زاری
۷۔ خلقِ خدا کی خیر خواہی
۸۔ مؤمنین پر رحمت و شفقت
۹۔ اشیأ میں تفکر
۱۰۔ اشیأ میں عبرت

سبق اے بندگانِ خدا! اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار دیکھو اور اس کی صنعت و قدرت کے عجائب و غرائب میں غور و فکر کرو تاکہ تمھیں بحرِ معرفت سے موتی اور جواہر نصیب ہوں۔

حکایت داؤد علیہ السلام مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی عبادت گاہ میں ایک چھوٹا سا موتی پایا۔ اس کی ساخت پر غور و فکر کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کس فائدہ کے لیے پیدا فرمایا ہوگا! اللہ تعالیٰ نے اس موتی کو قوتِ گویائی بخشی، وہ کہنے لگا کہ اے داؤد علیہ السلام! آپ مجھے دیکھ کر تعجب کر رہے ہیں بخدا میں آپ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر و شکر کرتا رہتا ہوں۔

سبق آیات اللہ کو دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ انھیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کیا جائے۔ یہی کامل مومن کی شان ہے۔ کافر اندھا تو انھیں دیکھ کر ذکر کے بجائے روگردانی کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:؎

۱	پیش خر خرمہرہ و گوہر یکیست	آں اشک را در درو دریا شکیست
۲	منکر بحرست و گوہر ہاے او	کے بود حیوان درو پیرایہ جو
۳	در سر حیوان خدا ننہادہ است	کو بود در بند لعل و در پرست
۴	مر خرانرا ہیچ دیدی گوشوار	گوش ہوش خر بود در سبزہ زار

ترجمہ: ۱۔ گدھے کے سامنے خرمہرہ اور موتی (گوہر) برابر ہیں۔ وہ موتی اور دریا کے درمیان فرق نہیں سمجھتا۔

۲۔ وہ دریا اور موتی کا منکر ہے پھر وہ زیوروں کی کیا تلاش کرے گا!

۳۔ حیوان میں اللہ تعالیٰ نے یہ خیال رکھا ہی نہیں کہ وہ لعل اور موتی کی خواہش کرے۔

۴۔ کیا کسی گدھے کو زیور پہنے دیکھا ہے! اس کا دھیان تو صرف گھاس کی طرف رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں عارف کے قلب کی آیات کی طرف اشارہ ہے، اور اس کی آیات سے تجلّیاتِ حقیقیہ و کلماتِ ذوقیہ مراد ہیں اور اہلِ سلوک حقیقی عارفین کاملین کو مانتے اور ان کے احوال و مقامات و کلمات کا اقرار کرتے ہیں بخلاف ان کے غیروں کے کہ وہ ان کا انکار کرتے اور ان کے مقامات و احوال سے رُوگردانی کرتے ہیں کیونکہ منکرین ہمیشہ عقل کے پھندے میں گرفتار رہتے ہیں ان کے متعلق نقل کو غور و فکر سے نہیں دیکھتے اس لیے کہ عقل کو صرف عقلیات تک رسائی ہے حالانکہ عقلیات کے انتہا پر مکاشفات کا آغاز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وصال محال ہے جب تک اہل اللہ راہ نہ دکھائیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ملنے کے صحیح راستے یہی حضرات جانتے ہیں اور ان کے علوم نہ مٹ سکتے ہیں نہ تبدیل ہو سکتے ہیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں، اگرچہ ہر ایک کو فنا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ اپنے نفس کو خواہشات سے روکے اور اسے سیدھا چلانے کی سوچے اور اس بزرگ کا

دامن پکڑے جو عقل و نقل کے لحاظ ایسے راستوں کا واقف اور عارف ہو۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

رہرو راہ طریقت ایں بود
کو باحکام شریعت میرود

ترجمہ : راہِ طریقت پر وہ چلتا ہے جو احکامِ شریعت کی پابندی کرتا ہے۔

اور وہ پیر و مرشد جو راہِ شریعت کے خلاف چلتا ہو اس سے دُور بھاگنا ضروری اور لازمی ہے اس لئے
جاہل اور بے عمل پیر کہ وُہ تو بانجھ عورت کی طرح ہے۔ بانجھ عورت سے اُسی کا تعلق ہوگا جو خود بیکار ہوگا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست کرتے ہیں کہ جمیع حالات میں اہلِ مکاشفات و مشاہدات کے طریقہ پر ثابت قدمی کی توفیق بخشے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہ وُہ ہے جس نے رات کو یعنی زمین کے سایہ کو وَالنَّهَارَ اور دن کو یعنی سورج کی روشنی کو وَالشَّمْسَ اور سورج یعنی وہ چمکدار ستارہ جو دن کو چمکتا ہے وَالْقَمَرَ اور چاند یعنی وہ چمکدار ستارہ جو رات کو چمکتا ہے، کو پیدا فرمایا۔ یعنی ان اشیاء کو عدم سے وجود میں ظاہر فرمایا اور یہ سوائے اس کے اور کون کر سکتا ہے، یہ اسی کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ باہرہ کا کرشمہ ہے کہ كُلٌّ ان میں ہر ایک یعنی سورج، چاند، یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر فِي فَلَكٍ اپنے اپنے علٰحدہ علٰحدہ فلک میں ہے۔ جیسا کہ فنِ رصد سے معلوم ہوا، يَسْبَحُونَ یہ حال ہے کہ وُہ فلک کی سطح پر تیرتے ہیں جیسے انسان پانی پر تیرتا ہے اس لیے کہ السَّبح بمعنے پانی یا ہوا میں تیز چلنا، پھر بطور استعارہ سطح فلک پر ستاروں کے تیز چلنے پر استعمال کیا گیا ہے۔ (کذا فی المفردات) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستارے افلاک میں ایسے مرکوز ہیں جیسے انگشتری میں فص (نگینہ) جڑ دیا گیا ہے۔

ف : شرح التقویم میں ہے کہ ستارے فلک میں ایسے مرکوز ہیں جیسے گیند پانی میں ڈبوئی ہوتی ہے، جیسے مچھلی پانی میں ہوتی ہے ایسے وہ افلاک میں ہیں اور افلاک متحرک بالارادہ اور کواکب متحرک بالعرض ہیں۔

ف : بعض فرماتے ہیں کہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ فلک سیلاب کی ایک موجِ مکفوف ہے جو آسمان کے نیچے ہے اور انہی افلاک میں سورج اور چاند ایسے تیرتے ہیں جیسے مچھلی پانی میں اور فلک جسم شفاف اور جملہ عالم کو محیط ہے۔

ف : محی السنۃ نے فرمایا کہ کلامِ عرب میں ہر مستدیر شے کو فلک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی جمع افلاک آتی ہے۔ اسی سے ہے فلکۃ المغزل تکلے کا دمڑکھا۔

ف : ابن الشیخؒ نے فرمایا کہ حرکاتِ کواکب کے متعلق اختلاف ہے اور عقلی لحاظ سے ان میں تین وجوہ بیان کیے جا سکتے ہیں :

۱۔ فلک ساکن ہیں ستارے ایسے تیر رہے ہیں جیسے کھڑے ہوئے پانی میں تیرنے والا تیرتا ہے۔

۲۔ ستاروں کی طرح افلاک بھی گھومتے ہیں لیکن ایک دوسرے کی سمت کے مخالف ہو کر یا موافق ہو کر سرعۃ و بطئی میں ان کی

حرکت مساوی ہے یا نہ۔
۳۔ افلاک متحرک اور کواکب ساکن۔

فلاسفہ فرماتے ہیں کہ رائے اوّل باطل ہے، اس لیے کہ اس سے خرق والتیام لازم آتا ہے اور وہ محال ہے اسی طرح رائے ثانی بھی باطل ہے اس کے بطلان کی بھی وہی دلیل ہے جو مذکور ہوئی۔ باقی احتمال ان کے نزدیک صحیح رہا وہ اس طرح کہ ستارے افلاک میں گاڑ دیے گئے ہیں اور وہ ٹھہرے ہوئے ہیں افلاک کے گھومنے سے وہ بھی تبعاً گھومتے ہیں۔

ف : امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ اس کلام کا دارومدار اس پر ہے کہ افلاک میں خرق والتیام محال ہے اور یہ باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں تین احتمال ہیں اور تینوں ممکن ہیں اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے۔ قرآن کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ افلاک ٹھہرے ہوئے ہیں اور ستارے ان میں گھوم رہے ہیں جیسے مچھلی پانی میں تیرتی ہے۔

ف : اگر اللہ تعالیٰ آسمان کو پیدا فرما کر سورج اور چاند کو پیدا نہ فرماتا جو کہ ان کے ذریعے رات اور دن اور باقی منافع ظاہر ہوتے ہیں یعنی گرمی اور سردی کا یکے بعد دیگرے آنا نہ ہوتا تو اس کے بندوں پر نعمتوں کی تکمیل نہ ہوتی۔ اور بے شک نعمتوں کی تکمیل افلاک کی تحریک پر ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا: کل فی فلك یسبحون۔

ف : اسی سے ابو علی بن سینا نے کہا کہ اس آیت کے لفظ یسبحون سے ثابت ہوتا ہے کہ کواکب زندہ اور ناطق ہیں۔ اس پر دوسری آیت انی رأیت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین بھی دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ اگر وہ احیاء ناطقہ نہ ہوتے تو ان کے لیے سباحۃ اور سجدہ کے صفات استعمال نہ کیے جاتے اور نہ ہی ان کے لیے ضمائر ذوی العقول ہوتے۔ یہ بو علی سینا کی غلط فہمی ہے ذوی العقول کے ضمائر ان کو ذو العقول نہیں بنا دیتے اس لیے کہ علم معانی کا قاعدہ ہے کہ غیر ذوی العقول کو ذوی العقول قرار دے کر ضمائر ذوی العقول راجع کیے جاتے ہیں اور یہ عام ہے اسی قاعدے کے تحت ادخلوا مساکنکم کہا گیا۔

ف : بعض اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ اجرامِ فلکیہ یہی وہ اجسام ہیں جو افلاک کے عناصر کے اوپر ہیں اور کواکب، اور ان کی حرکات (یعنی ان کے وہ مبادی گھومنے کے لیے حرکت ارادیہ کرتے ہیں) جواہر ہیں جو افلاک کی ذوات والنفس کے مواد سے مجرد اور افلاک کی حرکات کے متعلق ہیں تاکہ وہ جواہر ان کی تحریکات کے مبادی ہوں۔ انہی جواہر مجردہ کو نفوس ناطقہ فلکیہ کہا جاتا ہے۔

سوال : ناطقیت تو صرف انسان کا خاصہ ہے اسی لیے انسان کے لیے فصل نطق کو قرار دیا گیا ہے۔

جواب : انسانی نطق سے وہ نطق مراد ہے جو زبان پر جاری ہوتا ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن، فرشتے اور طوطے زبان سے بولتے ہیں لیکن انسان نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زبان سے وہ بولنا مراد ہے کہ پہلے دل میں اس کا تصوّر ہو پھر دل کے تصور کا زبان ترجمہ کرے۔ یہ تصورِ قلبی مَلک و جن اور طوطے میں نہیں۔

فائدہ صوفیانہ : کاشفی نے لکھا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ شب و روز عارفوں کے قبض و بسط پر دلالت کرتے ہیں تاکہ رات سے

قبض کے قبضہ میں آکر سلطان جلال سے اپنی ہستی کو مٹائے اور دن سے بسط کے بساط پر بیٹھ کر جمالِ حق کے فیوض و برکات حاصل کرے۔ اور آفتابِ اہلِ توحید کا ایک نشان ہے کہ نعمتِ تمکین سے کبھی انوار میں اضافہ پاتا ہے کبھی کمی۔ اسی لیے صوفیہ کا قول مشہور ہے کہ اگر پردے اُٹھ جائیں تب بھی ہمارے یقین میں اضافہ نہ ہوگا اور قمر اہلِ تلوین کا نشان ہے کبھی وہ بارگاہِ حق میں ہوتے ہیں اور کبھی ہستی کو مٹا کر فنا پاتے ہیں کبھی انسان پر ایسا وقت آجاتا ہے کہ چودھویں کے چاند کی طرح مکمل ہوتا ہے۔ حقائق آگاہ حضرت قاسم الانوار قدس سرہٗ کے کلام میں اسی معنے کی طرف اشارہ ہے:

زبیم سوز ہجرانت زمو باریکتر گردم
چو روز وصل یاد آرم شوم درحال ازاں فربہ

ترجمہ: سوز ہجر کے خوف سے بال سے بھی باریک تر ہوجاتا ہوں۔ جب مجھے وصال کی گھڑی آجاتی ہے تو اس وقت موٹا ہوجاتا ہوں۔

اور حضرت پیر رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

چوں روئے بر تابی زمن گردم ہلالے ممتحن — در رُئے سوئے من کنی چو بدر بے نقصاں شوم
تو آفتابی من چو مہ گرد تو گردم روز و شب — کہ در محاق اظلم زتو کہ شمع نور افشاں شوم

ترجمہ: ۱۔ جب تم مجھ سے مُنہ پھیرتے ہو تو میں ہلال جیسا ہوجاتا ہوں۔ جب میری طرف متوجہ ہوتے ہو تو مَیں چودھویں کے چاند جیسا ہوجاتا ہُوں۔
۲۔ تم سُورج اور میں چاند ہُوں جو شب و روز تیرے اردگرد گھومتا ہُوں اور اندھیری راتوں میں چھپ جاتا ہوں تاکہ تجھ سے نُور لے کر جہان کو روشن کروں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ البشر والبشرۃ بمعنے ظاہر الجلد اور انسان کو اس کے جلا کے ظاہر ہونے کی وجہ سے بشر کہا جاتا ہے بخلاف الحیوانات کے کہ ان کے چمڑے پر بال اور اُون ہونے کی وجہ سے انھیں بشر نہیں کہا جاتا الخلد بمعنے شے کا فساد کے عارض سے بری ہونا اور اس کا اپنی اصلی حالت پر باقی ہونا۔

جب کافروں مشرکوں نے کہا نتربص بہ ریب المنون، تو ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

شانِ نزول یعنی ہمیں انتظار ہے کہ دنیا میں کوئی ایسے حوادثِ زمانہ پیدا نہ ہوں جن سے اصحابِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تباہ و برباد ہوجائیں (معاذ اللہ)۔ الریب کسی کو مکارہ و تکالیف میں ڈالنا، اور المنون بمعنے موت، یعنی ہم ان کے لیے انتظار کر رہے ہیں کہ صحابہ پر ایسے حوادث و مکارہ نازل ہوں جو انھیں موت کے گھاٹ اتاریں۔

خلاصہ یہ کہ ریب المنون کا معنیٰ یہ ہے کہ حوادثِ زمانہ میں سے ان پر ایسے حوادث نازل ہوں جو انھیں تباہ و برباد کر ڈالیں۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے پیارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ سے پہلے کسی ایک فرد کو دنیا میں

بقا و دوام نہیں۔ یعنی ہمارا طریقہ نہیں کہ دنیا میں ہم کسی کو دوام بخشیں اگرچہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ دوام بخشیں۔ لیکن جو بھی اس دنیا میں آیا وہ لازماً موت کا نشانہ ہوا۔ جب موت ہر انسان پر لازماً آئے گی تو اسی طرح اَفَاِئْنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ اگر آپ دنیا سے تشریف لے جائیں تو کیا وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے! ہرگز نہیں۔ بلکہ جیسے آپ اس دنیا میں نہیں رہیں گے وہ بھی دنیا سے چلے جائیں گے۔ یہی ہمارا طریقہ ہے۔ اس کی دلیل انك میت و انهم میتون ہے۔ افائن مت کا ہمزہ معناً خلود پر داخل ہے۔ گویا کہا گیا ہے کہ جب آپ دنیا سے چلے جائیں گے تو کیا یہ مشرکین بچ کر رہ جائیں گے! جب اُنھوں نے بھی مرنا ہے تو پھر وہ آپ کی موت سے کیوں بغلیں بجا رہے ہیں۔ کسی شاعر نے کہا: ؎

فقل للشاتمین بنا افیقوا
سیلق الشاتمون کما لقینا

ترجمہ: گالی دینے والوں کو کہہ دو کہ وہ بچ کر رہیں کیونکہ ہمیں جو کچھ پہنچا ہے انھیں بھی پہنچے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

مکن شادمانی بمرگ کسے
کہ دوران پس از وے نماند بسے

ترجمہ: کسی کی موت پر خوشی نہ مناؤ کہ دنیا میں کسی نے نہیں رہنا۔

ف: اس خلود کے انکار سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر خوشی منانے کی نفی ہے اس لیے ان کے خلود کی نفی کا مدار آپ کی موت پر خوشی نہ کرنے پر ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ خلود سے مکث طویل مراد ہے۔ اس کے ساتھ دوام ہو یا نہ اور حرف شرط کا اس لیے لایا گیا ہے کہ وہ طرفین کے تحقق کا مقتضی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان معترضین کفار و مشرکین کی موت سے پہلے حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہیں لے گئے بلکہ یہاں آپ کی فرضی موت کو بیان کیا گیا ہے جیسے ایک محال امر کو فرض کیا جاتا ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالٰی کے علم میں تھا کہ معترضین از کفارِ مکہ حضور علیہ السلام کے وصال سے پہلے مرجائیں گے اور حضور علیہ السلام ان کے مرنے کے بعد ایک عرصہ تک زندہ سلامت رہیں گے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کا واقعہ اس امر کا شاہد ہے۔

قرآن مجید کی تاثیر

فقیر (حقی رح) لکھتا ہے کہ وزیر مصطفٰے الشہیر بابن کوپریلی نے میرے شیخ اور پیر و مرشد کو جزیرۂ قبرص میں شہر بدر کر دیا میں ان کی زیارت کے لیے جب جزیرۂ قبرص میں حاضر ہُوا تو میرے شیخ سحر کے وقت آیت مذکورہ کو بار بار پڑھ رہے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شیخ کے وصال سے پہلے وزیر مذکور مر گیا۔

ف: امام (فخر الدین رازی رح) نے لکھا کہ چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاءؑ ہیں اس سے وہم گزرتا تھا کہ آپ عالمِ دنیا سے تشریف نہیں لے جائیں گے اس لیے کہ اگر آپ کا وصال ہوگیا تو آپ کی شریعت میں تغیر ہو جائے گا۔

ف: اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو خضر علیہ السلام کے آج تک زندہ ہونے کے قائل نہیں حالانکہ یہ تمام مشایخ کرام اور علماء محققین کے عقیدہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ یہاں تک کہ بعض حضرات نے انھیں دیکھا بھی ہے، ان سے ملاقات اور گفتگو بھی کی ہے۔ (واللہ اعلم) اگر خضر علیہ السلام کا زندہ ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو یہ آیت مخصوص عن البعض ہوگی۔

خضر علیہ السلام زندہ ہیں خضر علیہ السلام کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس تک زندہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ صحیح مستدرک میں مذکور ہے کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہُوا تو آپ کی تعزیت کے لیے ملائکہ کرام حاضر ہوتے اور صحابہ کرام رض کو کہا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، اللہ تعالیٰ ہر مصیبت میں ثواب بخشتا ہے فلہذا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور ہر معاملہ اسی کے سپرد کرو اور اسی سے ثواب کی اُمید رکھو اور درحقیقت محروم وُہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ثواب سے محروم ہو۔" یہ کہہ کر واپس ہوئے تو سلام کہہ کر چلے گئے۔ ان کے بعد ایک مرد اشہب اللحیہ جسیم صبیح لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا آیا اور آتے ہی رونے لگا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مصیبت پر اجر و ثواب بخشتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور رغبت کرو۔ وہ بلاؤں میں تمھیں نظرِ کرم سے دیکھتا ہے اور مصیبت زدہ مجبور ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔ حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ خضر علیہ السلام تھے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اس سے ان کے خلود کے انکار پر برہان قایم فرمایا۔ اور نفس سے نفس ناطقہ یعنی روح انسانی اور موت سے روح کا جسم سے جُدا ہونا مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہر نفس روح سے جسم کی جدائی کا مزہ چکھے گا اور ذوق کا حقیقی معنیٰ بھی مراد نہیں اس لیے کہ موت مطعومات سے نہیں بلکہ یہاں پر ذوق سے ایک خاص قسم کا ادراک مراد ہے اسی لئے اسے اصل ادراک سے مجازی معنیٰ لیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ موت وجودیہ صفت اور حیات کی نقیض ہے اور اہلِ حقیقت کی اصطلاح میں نفس کی خواہشات کو مٹانا اس لیے کہ نفس کے خواہشات مٹانے کے بعد حیات حقیقی نصیب ہوتی ہے۔

موت وحیات کے اقسام امام راغب رح نے فرمایا کہ حیات کی طرح موت بھی کئی قسم ہے:

(۱) **قوتِ نامیہ** جو ہر انسان اور حیوانات و نباتات میں ہوتی ہے اسے حیات اور اس کی موت کو نقیض سے تعبیر کرتے ہیں کما قال تعالیٰ: اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتہا۔

(۲) **قوتِ حساسہ**، جیسے ویقول الانسان اذا مامت لسوف اخرج حیا۔

(۳) **قوت عاقلہ**، اس کی نقیض جہالت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انک لا تسمع الموتیٰ۔

(۴) وہ حزن جو انسانی زندگی کو اجیرن کر دیتا ہے۔ اسی حزن کو موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے ویاتیہ الموت من مکانٍ وماھو بمیت۔

(۵) نیند کو موت اور بیداری کو حیاۃ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی نیند کو موتِ خفیف اور موتِ حقیقی کو نومِ ثقیل سے تعبیر

کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نیند کو توفی سے تعبیر کیا ہے۔ کما قال تعالیٰ: وھوالذی یتوفاکم باللیل۔
اس تحقیق کے بعد یاد رکھنا چاہیے کہ کل نفس ذائقۃ الموت میں موت سے قوۃ حیوانیہ کا زوال اور جسم کا روح سے جُدا ہونا مراد ہے۔

ف: التعریفات میں ہے کہ نفس ایک بخاری لطیف جوہر ہے جو قوتِ حیات و حس و حرکت ارادیہ کا حامل ہے اسے حکیم روح حیوانی سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ ایک نورانی جوہر ہے جو جسم کو روشنی پہنچاتا ہے موت کے وقت اس کی روشنی جسم کے ظاہر و باطن سے منقطع ہو جاتی ہے۔ اس معنیٰ پر موت اور نوم ایک شئے ہے، فرق صرف یہ ہے کہ موت میں انقطاع کلی اور نوم میں انقطاع ناقص ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بیداری کے وقت جوہر نفس کا ضوٗ بدن کے ظاہر و باطن سے منقطع نہیں ہوتا۔ اگر اس کا انقطاع صرف ظاہر بدن سے ہو تو اسے نیند اگر ظاہر و باطن ہر دو سے منقطع ہو تو اسے موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

روح کی تحقیق فقیر (حقی رح) عرض کرتا ہے کہ رُوحِ حیوانی کی روشنی جسم کے ظاہر و باطن سے منقطع ہونے کا نام موت ہے یہ روح حیوانی روح انسانی کا غیر ہے روح انسانی کا دوسرا نام نفس ناطقہ ہے اس لیے کہ وہ فی ذاتہ جوہر عن المادہ ہے وہ روح حیوانی کے ہر فعل کے مقارن ہے اس کی تائید انسان العیون سے ہوتی ہے اس میں لکھا ہے کہ اہلسنت کے نزدیک روح ایک لطیف جسم ہے وہ ماہیۃ و ہئیۃ کے لحاظ سے اجسام کے مغایر اور بدن میں تصرف کرنے والا ہے اور جسم میں ایسے حلول کرنے والا ہے جیسے تیل زیتون میں حلول کرتا ہے یہ وہی روح ہے جو جسم میں انا اور انت سے تعبیر کرتا ہے یہی رُوح جب جسم سے جُدا ہوتا ہے تو انسان کو موت واقع ہو جاتی ہے۔

ف: بعض اہل روحانیت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر روح ملکی نورانی علوی باقی کو امانت رکھا ہے تاکہ انسان ملائکہ کرام کی طرح تسبیح و تہلیل کر کے جسم سے جُدا ہونے کے بعد بھی باقی رہے اور اسی جسم انسانی میں روح ملکی نورانی علوی کے ساتھ روح حیوانی ظلالی سفلی فانی بھی امانت رکھا گیا ہے تاکہ جسم سے جدا ہونے کے بعد اسے موت سے تعبیر کیا جا سکے۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ موت کے وقت نفوس کا نام اس لیے لیا جاتا ہے حالانکہ ارواح و قلوب کا ذکر بھی ہونا چاہیے تھا وہ اس لیے کہ ارواح و قلوب کو حقیقی حیات حاصل ہے۔ پھر جب ارواح اجسام سے خارج ہوتے ہیں تو یہ ڈھانچے ختم ہو جاتے ہیں تو ارواح معادن غیب و مشاہدہ رب تعالیٰ کی طرف چلے جاتے ہیں۔

عجیب تحقیق فقیر (صاحب رُوح البیان) عرض کرتا ہے کہ میرے پیرومرشد قدس سرہٗ اپنی بعض تحریرات میں لکھتے ہیں کہ روح اپنی جوہریت اور متجرد اور عالم ارواح سے ہونے کی وجہ سے بدن کا مغایر ہے بدن میں تصرف و تدبر کی وجہ سے متعلق لیکن قایم بذاتہٖ ہے اپنی بقا و دوام کے اعتبار روح بدن کا محتاج نہیں، ہاں چونکہ بدن روح کے نام اور عالم شہادت میں اس کے کمالات و قوٰی کا مظہر ہے۔ اس معنے پر روح کو بدن کا محتاج کہہ سکتے ہیں اس عالم میں اس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذرّے ذرّے کے اندر جاری و ساری ہے اس کا حلول بدن میں اس طرح کا نہیں جیسے اہل نظر کے

ہاں مشہور ہے بلکہ وہ جسم میں ایسے موجود ہے جیسے وجود مطلق حق تعالیٰ کو موجودات میں موجود مانتے ہیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ روح و بدن کو من کل الوجوہ مغایرت نہیں۔

ف : جیسے اشیاؔ میں ظہورِ حق کی کیفیت معلوم ہے کہ کس کیفیت سے اشیاء کو ذاتِ حق کا عین مانا جاتا ہے اور کس طریق سے غیر اسے معلوم ہے کہ رُوح بدن میں کس طریق سے ظاہر ہے اور کس وجہ سے وہ بدن کا عین ہے اور کس وجہ سے غیر، کیونکہ روح جسم کا مجازی رب ہے۔

اس تقریر سے ہر ایک کے لیے تحقیق کا میدان صاف ہو گیا وہی علم و فہم کی ہدایت بخشتا ہے۔ فقیر (حقیؔ) کے شیخ اور پیرو مرشد کی تقریر یہاں ختم ہوئی۔ حق یہ ہے کہ بہت عمدہ تقریر ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نفس کو روح حیوانی کو اس کے تعین کی وجہ سے کہا جاتا ہے ورنہ درحقیقت روح اور شے ہے اور نفس اور۔ اس تحقیق کو پُورے طور سمجھ لو۔

ملفوظِ جنید رضی اللہ عنہ

سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص فنا کی دو طرفوں میں ہو اسے فانی سمجھو۔ جو شخص اپنے نفس کے ساتھ زندہ ہے تو وہ رُوح کے نکل جانے سے مُردہ ہے۔ اور جس کی حیات اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ موت کے بعد حیات طبع سے منتقل ہو کر حیات اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور حقیقی حیات یہی ہے۔

وصال کے بعد ولی اللہ کی شان

بعض مشائخ فرماتے ہیں اولیاءِ کرام سے کرامات کا ظہور موت اختیاری (یعنی موتوا قبل ان تموتوا جسے فانی فی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) کے بعد ہوتا ہے اگرچہ وہ اس عالمِ دنیا میں ہوتے ہیں لیکن فانی فی اللہ کے عہدے پر فائز ہوتے ہیں۔ پھر موت عارضی (جسے موت عرفی کہا جاتا ہے) سے ان کی کرامت کے ظہور کے منافی نہیں بلکہ ان کی کرامات کا ظہور ان کی وفات کے بعد بھی ہوتا رہتا ہے[1]۔ (کذا فی کشف النور)

حضرت صائبؒ نے فرمایا : ؎

مشو بمرگ ز امداد اہلِ دل نومید[2]
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ترجمہ : اہلِ دل کی موت کے بعد ان کی امداد سے نا امید نہ ہو کیونکہ اولیاء اللہ کا خواب (موت) عین بیداری (حیات) ہے۔

---

[1] افسوس کہ وہابی نجدی اس عقیدہ کے خلاف ہیں ۱۲ [2] الحمدللہ ہم اہلسنت کو یہی عقیدہ نصیب ہے جو صدیوں پہلے اسلاف صالحین رحمہم اللہ ہمیں عطا کر گئے۔ لیکن افسوس کہ دیوبندی اور ان کے ہمنوا اس عقیدہ کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں ۱۲

عقیدہ وہابی کُش عمدۃ الاعتقاد للنسفی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے کہ ہر مومن مرنے کے بعد بھی حقیقی مومن ہے جیسے وہ خواب نیند سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا ایسے ہی مرنے کے بعد ایمان سے خارج نہیں ہوتا ایسے ہی انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام وصال کے بعد نبی وولی رہتے ہیں کیونکہ ان کی نبوت وولایت کی صفت موت سے مٹ نہیں جاتی۔ (اسی لیے ہم قائل ہیں کہ جیسے وہ عالمِ دنیا میں فیوضات وبرکات سے نوازتے ہیں وصال کے بعد بھی فیوض و برکات سے مستفیضین کو محروم نہیں کرتے)

ف : نفس سے صرف روح مراد ہے ذات مراد نہیں۔

سوال : اللہ تعالیٰ کی ذات پر نفس کا اطلاق قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

تعلم ما نفسی ولا اعلم ما فی نفسك۔

پھر کل نفس ذائقۃ الموت کا عموم کس طرح صحیح رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے موت کا مفہوم ممتنع ہے۔ اسی طرح جمادات کے نفوس ہیں لیکن ان پر مذکورہ بالا طریق سے موت نہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ بہائم و دواب اور حشاش سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ جب وہ تسبیح سے غفلت کرتے ہیں تو ان کے آجال اللہ تعالیٰ خود ختم فرماتا ہے۔ ان کی موت سے ملک الموت کو کوئی تعلق نہیں۔

جواب : اس کا جواب اوپر معلوم ہوا کہ یہ مخصوص عن البعض ہیں۔

حدیث شریف : اپنی لونڈیوں کو برتن توڑنے پر مت مارو کیونکہ ان کے لیے بھی تمہاری طرح اجل مقرر ہے۔

حدیث شریف : بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے گھر تشریف لائے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو کھول کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور دونوں ہاتھ حضور علیہ السلام کی چشمانِ مبارک پر رکھ کر وانبیاہ، واخلیلاہ واصفیاہ کہا۔ اس کے بعد فرمایا: صدق اللہ ورسولہ، وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افائن مت فہم الخالدون کل نفس ذائقۃ الموت۔ اس کے بعد لوگوں کے ہاں چلے گئے اور اپنے خطبے میں فرمایا کہ:

من یعبد محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم) فان محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم) قد مات و من یعبد ربہ فان رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حی لا یموت۔

جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے اُسے سُن لینا چاہیے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب زندہ ہے وہ نہیں مرے گا۔

اس کے بعد آپ نے پڑھا:

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ جس نے عدم کے دروازہ سے صحرائے وجود میں قدم رکھا وُہ بالضرور فنا کا شربت پئے گا اور ممات و وفات کا لباس پہنے گا۔ ؎

ہرکہ آمد بجہان اہل فنا خواہد بود
وانکہ پایندہ و باقیست خدا خواہد بود

ترجمہ : جو بھی جہان میں آیا وہ ضرور فانی ہوگا وہ ذات جو ہمیشہ باقی ہے وہ صرف اللہ ہے۔

وَنَبْلُوْكُمْ اے لوگو! ہم تمہارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو ایک آزمائش والے سے کیا جاتا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے فرمایا کہ وہ آزمائش و امتحان لینے سے پاک ہے کیونکہ اسے ہر ایک کا علم ہے۔ لیکن چونکہ آزمائشی صورت میں بندوں سے معاملہ کرتا ہے اسی لیے اس پر اس فعل کا اطلاق مجازاً جائز ہے۔ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ مصیبتوں اور نعمتوں سے جیسے فقر و الم و شدۃ اور غناء ولذت و سرور تاکہ ظاہر ہو کہ تم صبر و شکر کرتے یا نہ۔ صوفیاء کرام نے کہا کہ خیر و شر سے قہر و لطف اور فراق و وصال اور اقبال و ادبار اور محنۃ و عافیۃ اور جہل و علم و نکرۃ و معرفۃ مراد ہے۔

حضرت سہیل تستری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شر سے متابعت اور ہوائے نفس بغیر ہدی؛ اور خیر سے عصمت عن المعصیت اور معونۃ علی الطاعۃ مراد ہے۔

فِتْنَةً یعنی ابتلاء و آزمائش۔ یہ نبلوکم کا مفعول مطلق مؤکد لغیر لفظہ ہے دراصل فتن سونے کو آگ میں ڈالنے کو کہا جاتا ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے کا امتیاز ہو۔

حدیث شریف حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں بلاؤ مصیبت سے آزماتا ہے جیسے سونے کو آگ سے پرکھا جاتا ہے۔ ان میں بعض لوگ سونے کی طرح کھرے ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

خوش بود گر محک آید بمیان
تا سیہ روی شود ہرکہ درو غش باشد

ترجمہ : اچھا ہے اگر کسوٹی درمیان میں آئے تاکہ اس کا کھوٹ نکل جائے جو جھوٹا مدعی ہے۔

حضرت خجندیؒ نے فرمایا : ؎

نقد قلب و سرۂ عالم را
عشق ضراب و محبت محکست

ترجمہ : قلب کے نقد اور عالم کا عشق ضراب اور محبت کسوٹی ہے۔

حلِ لغات : امام راغبؒ نے فرمایا کہ بلی الثواب بلیٌ بمعنے خلق یعنی کپڑا پُرانا ہوگیا۔ اور اہلِ عرب کہتے ہیں بلوتہ

یعنی میں نے اس کا امتحان لیا گویا یہ بھی اسی معنے سے لیا گیا کہ آزمائش سے اسے کمزور کیا جاتا ہے اور غم کو بھی بلاءً اسی لیے کہتے ہیں کہ جسے وہ لاحق ہوتا ہے اس کے جسم کو کمزور کر دیتا ہے۔

ف : تکالیف کو بلا سے تعبیر کرنے کی کئی وجہیں ہیں :

۱۔ تکالیف جسم کے لیے مشقتیں ہیں اسی بنا پر ان کا نام بلا ہے۔

۲۔ وہ سراسر آزمائشیں اور امتحانات ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ بندے کو کبھی خوشی و راحت سے آزماتا ہے تاکہ بندہ نعمتوں و راحتوں سے شکر کرے اور کبھی تکالیف میں مبتلا کرتا ہے تاکہ صبر کرے۔

اس سے ثابت ہوا کہ محنت و نعمت ہر دو بلا (آزمائش) ہیں۔ اس لیے کہ نعمت شکر کی مقتضی ہے اور محنت صبر کی۔ لیکن یاد رہے کہ انسان کے لیے تکالیف میں صبر کرنا آسان ہے بہ نسبت نعمتوں پر شکر کرنے کے اس سے معلوم ہوا کہ نعمت انسان کے لیے عظیم آزمائش ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم تکالیف سے آزمائے گئے تو ہم نے صبر کیا لیکن جو نہی ہمیں نعمتوں سے آزمایا گیا تو ہم شکر نہ کر سکے۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو دنیوی وسعتوں سے نوازا گیا اور اسے اپنی اس آزمائش کا علم نہ ہو سکا تو وہ دھوکہ کھا گیا۔

ف : جب کسی کے لیے کہا کہ فلاں آزمائش میں ڈالا گیا تو اس میں دو امر متضمن ہوتے ہیں :

۱۔ اس کے حال کا معلوم ہونا اور اس کے مجہول امر سے باخبر ہونا کہ وہ نعمت میں مبتلا ہوا ہے یا محنت میں۔

۲۔ اس کے کھرے کھوٹے کا ظاہر ہونا اس کے حال کا علم ہو یا نہ۔ یعنی اصل حقیقت یہ ہے کہ نعمت نصیب ہو تو شکر میں اپنے اوقات بسر کرے اگر مصیبت میں مبتلا ہو تو صبر کرے۔ یہ بہت پُر کٹھن مرحلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جس پر فضل کرے وہ کامیاب ہو سکتا ہے ورنہ مشکل ہے۔

وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ صرف ہمارے ہاں تم لوٹائے جاؤ گے ہمارے غیر کے ہاں نہ اشتراکاً حاضر ہو گے نہ استقلالاً، پھر تم سے سرزد اعمال کی ہم تمہیں جزا دیں گے۔ اس میں وعدہ وعید دونوں ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دنیا آزمائش اور ثواب و عقاب کا گھر ہے۔

ف : چونکہ یہ دار التکلیف ہے اسی لیے یہاں جزا و سزا مقرر کرنے کی بجائے دوسری دار مقرر ہوئی جہاں مرنے کے بعد اُٹھ کر حساب و کتاب دینا ہو گا۔ اس لیے ہر نفس پر موت لازمی ہے۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ سکرات کی تکلیف اس لیے ہوتی ہے تاکہ روح سے وہ غل و غش دور کی جا سکے جو اسے جسم کے ساتھ رہنے سے پہنچی پھر اسے اسی جسم میں اسی لیے لوٹایا جائے گا تاکہ آخرت کے تنعمات سے بہرہ ور ہو جو اس کے لیے تیار کی گئیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا نہ کسی فرد بشر کے دل میں کھٹکا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے و نبلوکم بالشر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں تمہیں مصائب و مکروہات سے آزماتا ہوں جنہیں تم شر سے تعبیر کرتے ہو۔ اور مکروہات یہی بھوک، خوف، اموال و انفس و ثمرات کا نقص ہے کیونکہ ان سے نفس کو موت اور قلب کو حیات نصیب ہوتی ہے اور ہم تمہیں محبوب و مرغوب اشیأ سے بھی آزماتے ہیں جنہیں تم خیر کہتے ہو۔ مثلاً شہوات نسأ اور محبتِ اولاد اور بہت زیادہ مال یعنی سونا، چاندی اور بہترین گھوڑے، سواریاں اور جانور، کھیتیاں، ان میں نفس کی حیات لیکن قلب کی موت ہے۔ دونوں خیر و شر کی حالتیں تمہارے لیے آزمائش و امتحان میں جو نفس اور اس کے صفات کی موت پر صبر کرتا ہے یعنی ان پہ مکروہات و مصائب کے درود پہ صبر کرتا ہے تو اسے قلب کی حیات اور اطمینان نفس کی بشارت ہے اور اسے مبارک ہو کہ وہ جذبہ ارجعی الی ربك اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے آقا و مولیٰ کی طرف رجوع رکھتا ہے کما قال والینا ترجعون جسے وہ شر سمجھتا ہے درحقیقت وہ اس کے لیے خیر ہے۔ کما قال:

وعسٰی ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم۔

اور جو شخص مکروہات و مصائب اور نفس کی شہوات پر صبر نہیں کرتا اور محبوب و مرغوب اشیاد کی لذات میں منہمک ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور اس کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتا تو اسے نعمت کی ناشکری کی وجہ سے سخت عذاب ہوگا اور جسے وہ خیر سمجھتا ہے درحقیقت وہ اس کے لیے شر ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وعسٰی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم۔

اسے اللہ تعالیٰ کے حضور میں قہر و جلال کی وجہ سے بیڑیوں اور زنجیروں سے جکڑ کر حاضر کیا جائے گا۔

سبق عاقل پہ لازم ہے کہ وہ فقر و تنگدستی اور جن امور کو بُرا سمجھتا ہے ان پر صبر کرے، بالخصوص نفس کے معاملات میں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دریں بازار گر سود لیست بادرویش خرسندست

الٰہی منعم گرداں بدرویشی و خرسندی

ترجمہ: اس بازار میں اگر نفع ہے تو درویش خوش ہے۔ اے اللہ! درویشی و خوشی سے نعمت والا فرما۔

تفسیر عالمانہ وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا۔

شانِ نزول: ایک دفعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے ہاں سے گزرے تو وہ ازراہِ استہزأ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا، یہی عبد مناف کے نبی صاحب ہیں۔ یعنی جب آپ کو مشرکین دیکھتے ہیں اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا تو ٹھٹھا مخول کرتے ہیں۔

حلِ لغات: الھزد بمعنے المزح فی خفیۃ۔ کسی سے پوشیدہ طور پر ٹھٹھا مخول کرنا۔ یہاں مصدر بمعنے اسم مفعول ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جس سے ٹھٹھا مخول کیا جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ لوگ ٹھٹھا مخول کے طور پر آپ کو نبی کہتے ہیں۔

اَهٰذَا الَّذِیْ یہاں قول محذوف ہے۔ یعنی وہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو ہمیشہ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ تمہارے معبودوں کو بُرائی سے یاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کی پرستش مبنی بر بطلان ہے اور انھیں معبود سمجھنا نہایت قبیح فعل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: فلان یذکر الناس ۔ یعنی فلاں ان لوگوں کی غیبت اور ان کے عیوب بیان کرتا رہتا ہے۔ (کذا فی بحرالعلوم)

سوال: تم نے ذکر کے ساتھ عیوب بیان کرنا وغیرہ کی قید کیوں لگا دی۔

جواب: اس لیے کہ جو بھی دشمنوں کا نام لیتا ہے تو ان کے عیوب کے اظہار کے لیے۔ ورنہ اس کا دشمنوں کا ذکر کرنے کا کیا معنیٰ۔ اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے بتوں کے دشمن تھے اس لیے آپ کا انھیں یاد کرنا ان کے اظہارِ عیوب وغیرہ کے لیے ہوتا تھا۔

وَهُمْ بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ کٰفِرُوْنَ یہ حال ہے اور ضمیر مبتدا اور اس کی خبر کافرون ہے اور دُوسری ضمیر پہلی ضمیر کی تاکید ہے اور بذکر الرحمٰن خبر کے متعلق ہے اور یہ مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی کافروں کا حال عجیب ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرتے ہیں کہ وہ ان کے معبودانِ باطلہ کے عیوب بیان کرتے ہیں حالانکہ ان کے معبودانِ باطلہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان، حالانکہ خود بدبخت ہیں کہ اپنے رب رحمٰن سے کفر کر کے اس کے ذکر سے روگردانی کرتے ہیں ان پر تو فرض ہے کہ اپنے منعمِ حقیقی کی نعمتوں کو تصور میں لا کر اس کا زیادہ سے زیادہ ذکر کریں۔ اور اس کی توحید کو مانیں۔ لیکن الٹا منکر ہیں۔ فلہٰذا وہ اس لائق ہیں کہ ان کے عیوب بیان کیے جائیں اور ان کی مذمت کی جائے۔

وہابی کی نشانی آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات سے محجوب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کو انکار کی نگاہ سے دیکھتا اور ان کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرتا ہے کیونکہ انبیاءؑ علیہم السلام اور اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں وہ منکرین کی نگاہ میں قبیح ہیں اور منکرین نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ان پر مال و دولت کا بھوت سوار ہے اس لیے وُہ اپنے باطل تصورات میں گرفتار ہیں گویا ان کی پرستش میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

افرءیت من اتخذ الٰهه هواه۔

ہر محب اپنے محبوب کے لیے غیرت رکھتا ہے اس لیے وہ غیروں سے محبت کی بجائے ان کی ان سے مذمت کراتا اور عیوب گنواتا ہے اور ان کی نظروں میں انھیں پر نقصان دکھاتا ہے حالانکہ خود منکرین پُر عیب اور خاسر ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱	آن دہان کژ کرد و از تسخر بخواند	مر محمد را دہانش کژ بماند
۲	باز آمد کاے محمد عفو کن	اے ترا الطاف علم من لدن
۳	من ترا افسوس میکردم ز جہل	من بدم افسوس را منسوب و اہل
۴	چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد	میلش اندر طعنہ پاکاں برد
۵	ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس	کم زند در عیب معیوباں نفس

ترجمہ : ۱ - وُہ شخص منہ ٹیڑھا کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لیتا تھا تو اس کا منہ ٹیڑھا ہی رہا۔
۲ - پھر حاضر ہو کر معافی طلب کی کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے بہت لطف و کرم حاصل ہے۔
۳ - میں نے غلطی سے آپ کا عیب ظاہر کیا۔ میں بُرا ہوں اور جہل کی طرف منسوب ہوں۔
۴ - جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ چاک کرنا ہے تو اس کا میلان اللہ والوں کے عیب لگانے کی طرف کر دیتا ہے۔
۵ - اگر کسی کے عیب ڈھانپنا چاہتا ہے تو عیب داروں کے عیوب بھی نہیں گنتا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وُہ دوسروں کے عیوب بیان کرنے کی بجائے ہر وقت اللہ علام الغیوب کے ذکر میں مشغول رہے کیونکہ وُہ اپنے مخصوص بندوں پر ہر وقت رحمت نازل فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطیع ہو کر یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے یاد کر کے اپنی رحمت سے نوازتا ہے اور جو اسے نافرمان ہو کر یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ذکر کی بجائے اس پر لعنت کرتا ہے اور تمام اذکار سے افضل ذکر لا الٰہ الاّ اللہ ہے کیونکہ اسی سے اعراض عما سوی واقبال الی اللہ نصیب ہوتا ہے۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ حدیث کے جُملہ اوّل میں ففروا الی اللہ کی طرف اور جملہ ثانیہ میں قل اللہ ثمّ ذرھم فی خوضھم یلعبون کی طرف اشارہ ہے۔

ف : منقول ہے کہ تمام عبادات اور ذکر الٰہی ملائکہ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچتے ہیں سوائے کلمہ طیبہ کے کہ یہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچتا ہے۔ جو بھی اسے خلوصِ قلب سے ایک بار پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو اسی کلمے کا حکم فرمایا ہے۔ اسی کلمہ (لا الٰہ الاّ اللہ) سے زمین و آسمان قائم ہیں اور یہی اسلام کا کلمہ اور نجات اور نور ہے انوار خلوص وصدق وصفا و یقین کے ساتھ ہی انسان کا باطن نورانی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ : خُلِقَ الْاِنْسَانُ انسان کی جنس پیدا کی گئی مِنْ عَجَلٍ عجلت سے۔ العجلۃ بمعنے طلب الشئ و تحریہ قبل اوانہ شے کا وقت سے پہلے مطالبہ اور جد و جہد کرنا اور یہ شہوت کے مقتضیات سے ہے۔ اس لیے مذموم ہے۔ چنانچہ وارد ہے کہ العجلۃ من الشیطان۔ چونکہ انسان کی فطرۃ میں عجلت وقلتِ صبر ہے۔ گویا اسی سے پیدا کیا گیا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

خلق زید من الکرام۔

یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جود و کرم جس کی طبیعت میں رچ بس جائے۔ اس لیے جو عادت کسی کی طبیعت بن جائے کہ اس کا اس سے جُدا ہونا عادۃً ناممکن ہو تو اسی عادت پر اس کی تخلیق کو منسوب کیا جاتا ہے۔ منجملہ انسان کا کفر کی طرف عجلت اور وعید کا جلد تر مطالبہ ہے۔ چنانچہ نضر بن حارث نے کہا: اللھم ان کان ھذا ھو الحق فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں الانسان سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں کہ جس وقت ان کی روح ان کے جسم میں داخل ہوئی، ابھی روح سینے تک ہی پہنچی تھی کہ کھڑے ہونے لگے حالانکہ روح ابھی نچلے حصے میں نہیں پہنچی تھی۔

سَاُورِیْکُمْ اے جلد بازو! عنقریب میں تمہیں دکھاؤں گا اٰیٰتِیْ اپنے آیات۔ یعنی دنیا میں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاؤں گا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں اُنھوں نے مزہ چکھا، اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ پس عذاب کے مطالبہ میں عجلت نہ کرو۔

سوال : تم نے کہا کہ عجلت فطرۃ انسانی ہے اور فطرت انسانی سے روکنا مالایطاق ہے اور وہ ناجائز ہے۔

جواب : اگرچہ عجلت فطرتِ انسانی ہے لیکن بندے کے اپنے اختیار و ارادہ سے ہوتی ہے اور انسان کو اپنی مراد سے روکنا تاکہ وہ اپنی بُری عادت سے باز آجائے تکلیف مالایطاق نہیں۔ اس کی مثال اُحضرت الانفس الشح ہے کہ باوجودیکہ بُخل انسان کا فطری معاملہ ہے تاہم اسے راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح ضعف و کمزوری انسان کی فطرت ہے، لیکن پھر بھی اسے جہاد کا حکم ہے۔ اسی طرح شہواتِ نفسانی میں مبتلا ہونا بھی اس کی فطرت ہے۔ لیکن اسے شہوت رانی سے روکا گیا ہے۔ یہ تمام تکالیف مالایطاق نہیں بلکہ اسے برائیوں سے بچنے کا حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں چند اشارے ہیں :

۱۔ اے بندگانِ خدا! تم اپنی جہالت وضلالت سے عذاب کی طلب میں عجلت کر رہے ہو، وہ اس طرح کہ تم میرے محبوب اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے ہو اور انھیں ایذا دیتے ہو، مجھے اس سے ناراضگی ہوتی ہے تو میں تمھیں عذاب میں مبتلا کروں گا کیونکہ میرا قانون ہے کہ جو میرے کسی دوست سے دشمنی کرتا ہے وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ اسے یقین ہو کہ اس طرح سے میں اپنے دوست کے دشمن پر غضبناک ہو کر عذاب میں مبتلا کر دیتا ہوں۔ جیسے ایک بکری کے بچے کا مالک شیر پر اس لیے غضب ناک ہوتا ہے کہ شیر اس کی بکری کے بچے کا دشمن ہے، ایک بکری کے بچے سے ناراض ہونا تو معمولی بات ہے میرے دوست کی دشمنی بڑا خطرناک امر ہے۔ اس معنے کی تائید ساوریکم اٰیٰتی سے ہوتی ہے کہ یہاں پر آیات سے مراد عذاب ہے۔ فلا تستعجلون یعنی میرے نبی علیہ السلام کے ساتھ استہزاء اور اسے ایذاء دیکر مجھ سے جلد تر عذاب کی طلب نہ کرو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ان کے مابین کی اشیاء کو صرف چھ دن میں اور آدم علیہ السلام کو چالیس دنوں میں پیدا فرمایا۔

حدیث شریف

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ان کے مابین کی اشیاء کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام کا گارا اپنے قدرت کے ہاتھ سے چالیس دن تک ملایا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اس کا

ہر دن ہمارے ہزار سال کے برابر تھا۔ بایں معنی آدم علیہ السلام کی تخمیر پر چالیس ہزار سال گزرے۔

نکتہ عجیبہ باوجود اینہمہ انسان کی تخلیق کو عجلت سے تعبیر کیا گیا حالانکہ اس پر چالیس ہزار برس اور چودہ طبق اور ان کے مابین کی جملہ اشیأ پر صرف چھ ہزار برس گزرے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام میں آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مابین کی جملہ اشیأ کا ہر نمونہ پیدا کیا گیا۔ علاوہ ازیں خلافت کا حامل بنانا مطلوب تھا اس لیے اس کے اندر خلافت کے اسرار کے قبول کرنے کی استعداد تیار کی گئی اور اسی نے تجلیات ذات وصفات حاصل کرنے تھے اس میں ایسی قابلیت رکھی گئی تھی پھر وہ کنز مخفی جس کے لیے کائنات کی تخلیق ہوئی اس کے ظاہر کرنے کا شیشہ اسمٰہ میں مطلوب تھا نیز وہ آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں اور ان کے مکینوں اور ملائکہ کے سامنے پیش کی گئی تو سب نے انکار کر دیا اس امانت کا اٹھانا اسی کے ذمہ ہو گیا اس کی استعداد بھی اس کے اندر پیدا کرنا مقصود تھا وجوہ مذکورہ کے پیش نظر تخلیق و تخمیر آدم علیہ السلام پر بہت طویل عرصہ درکار تھا لیکن باوجود اینہمہ صرف چالیس ہزار سال میں یہ کام تمام ہوا۔ اسی لیے فرمایا: خلق الانسان من عجل۔ اس تقریر کی تائید ساوریکم ایٰتی فلا تستعجلون سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی میں اپنے کمالات وصفات مظاہر آفاق و مرآت نفوس میں تمھیں دکھاؤں گا بشرطیکہ تم اپنے زمانہ کے نبی یا ولی سے اپنے نفوس کی تربیت و تزکیہ کرو۔ لیکن اپنی طرف سے مجھ سے ایسے مقام کے حصول میں عجلت نہ کرو۔ یاد رہے کہ اس مقام کی طلب مہد سے لحد تک حاصل کی جاتی ہے، بلکہ میرے نزدیک اس کی طلب ازل سے ابد تک جاری رہتی ہے۔ اور یہ وہ پروگرام ہے جو شہباز وقت (کامل ولی) سمجھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سنریھم ایاتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم حتّٰی یتبیّن لھم انہ الحق۔

کسی شاعر نے فرمایا: ؎

لا تعجلن لامر انت طالبہ
فقلما یدرك المطلوب ذوالعجل
فذوالتأنی مصیب فی مقاصدہ
وذوالتعجل لایخلو عن الـزلل

ترجمہ: ۱۔ جس امر کا تو طالب ہے اس میں عجلت نہ کیجئے۔ عجلت والے مطلوب کو نہیں پا سکتے۔
۲۔ حوصلہ والے مطالب حاصل کر لیتے ہیں اور عجلت والے خرابیوں سے خالی نہیں۔

ف: اعرابی نے دوستوں سے فرمایا کہ عجلت مت کرو، اس لیے کہ اہل عرب عجلت کو "ام الندامات" کا لقب دیتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو فرمایا کہ ہر کام سے پہلے تھوڑا سا وقفہ کر کے سوچ لیا کرو۔ کاش میں بھی تھوڑا سا سوچ لیتا تو مجھے ایک عرصۂ دراز تک تکالیف نہ اٹھانا پڑتیں۔

سبق: امورِ دینی و دُنیوی میں حوصلہ اور تامل اور غور و فکر ضروری ہے۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چوں صبح وصل او خواہد دمیدن عاقبت جامی

مخور غم گر شب ہجراں بپایاں دیر می آید

ترجمہ : وصال کی صبح جب آئے گی تو اے جامی ! غم نہ کھا اگر شب ہجر کو دیر ہو رہی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَقُولُونَ بطریق استعجال و استہزاء کہتے ہیں مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ عذاب یا قیامت کب ہے، اگر ہے تو اللہ تعالیٰ ہمارے ہاں جلد نزلائے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے وعدہ میں سچے ہو۔ یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے جو کہ کفار مکہ عذاب شدید کی آیات سناتے تھے۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

لَوْ کا جواب محذوف ہے يَعْلَمُ مضارع کو اختیار کیا گیا تاکہ کفار کے عدم علم کے استمرار پر دلالت کرے اور حِينَ يعلم کا مفعول بہ ہے اور الکف بمعنے الدفع، جیسے كَفَفْتُهٗ بمعنے اَصَبْتُهٗ بالکف و دفعتها بہ چونکہ عادۃً منہ کو ہاتھ سے چھپایا جاتا ہے اسی لیے اس کا صلہ الکف لایا گیا ہے۔ ورنہ منہ چھپانا مطلوب ہے ہاتھ سے یا کسی اور شے سے ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اگر وہ وقت معلوم ہوتا ہے جس کے لیے متی ھذا الوعد کہہ کر عجلت کر رہے ہیں کہ انھیں جہنم کی آگ ہر طرف سے گھیر لے گی اور وہ اسے نہ خود دفع کر سکیں گے اور نہ ہی اپنا کوئی حامی و مددگار پائیں گے جو ان کے طلب کردہ عذاب سے انھیں بچا سکے اور چہروں اور پشتوں کی تخصیص صرف ان کی شرافت (جانب ہونے ہیں) کی وجہ سے ہے ورنہ انھیں عذاب ہر طرف سے گھیر لے گا۔ جیسے کوئی شے کسی کو گھیرتی ہے تو اس کی ہر طرف کو محیط ہو جاتی ہے۔ بَلْ تَأْتِيْهِمْ بلکہ ان کے ہاں وعدہ کیا ہوا آئے گا بَغْتَةً اچانک ، بغتۃً بمعنے فجاءۃ الشئ من حیث لا یحتسب شے کا اچانک آنا کہ جس کے متعلق وہم و گمان نہ ہو۔ یہ تاتیھم کا مفعول مطلق ہے اس لیے کہ بغتۃً بھی ایک قسم کا آنا ہے یا تأتی سے حال ہے بمعنے باغتۃً ۔ فَتَبْهَتُهُمْ تو وہ انھیں مبہوت اور متحیر کر دے گی ۔ البہت بمعنے الحیرۃ۔

نکتہ قیامت کا علم (عوام کو) اس لیے نہیں دیا گیا کہ جو شئے اچانک آتی ہے اس سے انسان کو ہر وقت کھٹکا رہتا ہے اور اس کی ضرورت پورا کرنے کے لیے ہر وقت لگا رہتا ہے لیکن خواص کو اس سے نہ حیرت ہوتی ہے نہ پریشانی، کیونکہ حیرت و پریشانی اسے ہوتی ہے جو غفلت میں ہے وہ حضرات تو ہر وقت قبضۂ حق اور اس کے حضور میں حاضر رہتے ہیں انھیں غفلت کیسی اور حیرت کیوں ! بلکہ وہ ہیبت کی منازل طے کر کے عالم قدس کے جانشین ہوتے ہیں۔ (کذا قال بعض الاکابر)

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا تو اس وعدۂ عذاب یا آتش جہنم یا قیامت کو رد کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے ۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ، الانظار سے ہے بمعنے مہلت دینا اور مؤخر کرنا، یعنی نہ انھیں مہلت دی جائے گی تاکہ لمحہ بھر

آرام کر سکیں یا پیٹھ پھیر سکیں یا عذر پیش کر سکیں یا النظر سے ہے یعنی انھیں نظرِ عنایت سے نہیں نوازا جائے گا، اور نہ ہی ان کے عجز و نیاز کو دیکھا جائے گا۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ منکرین کو انکار کی ہجران اور نارِ قطعیہ کی سزا سے پہلے علم ہوتا کہ انھیں اس طرح بُعد و فراق و حسرۃ کی سخت سزا ملے گی تو وہ انکار پر ڈٹے نہ رہتے بلکہ توبہ کر کے راجع الی الحق ہو جاتے۔
اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا اعلیٰ و افضل مقصد طلب حق و وصول الی اللہ ہے جیسے انسان کے ظاہری احکام میں ضروری ہے کہ وہ ذکرِ حق کے وقت دائیں بائیں نہ دیکھے۔ اسی طرح اس کے باطنی احکام سے ہے کہ اپنی بصیرت کو ماسوی اللہ سے محفوظ رکھے لیکن یہ منزل کسی اللہ والے کے وسیلہ اور اس کے دامن کو پکڑے بغیر نصیب نہیں ہوتی۔

حکایت مجنوں منقول ہے کہ جب لیلیٰ نے مجنوں کا پیالہ توڑ دیا تو مجنوں تین دن تک شوق سے رقص کرتا رہا۔ اسے کہا گیا کہ تیرا خیال ہے کہ لیلیٰ تجھ سے پیار کرتی ہے حالانکہ معاملہ برعکس ہوا کہ دوسروں کو کچھ دیتی رہی اور تیرا پیالہ توڑ ڈالا۔ مجنوں نے جواب دیا کہ پاگل ہے وہ جو راز کو نہ سمجھا۔ وہ یہ کہ اگر اسے پیار نہ ہوتا تو میرا پیالہ کیوں توڑتی! کسی اور کا کیوں نہ توڑا!

سبق: صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس بندے سے پیار کرتا ہے اس کے وجود کا پیالہ توڑ کر اسے فنائیت کا مقام عطا فرماتا ہے۔

وہابی کا ردّ اور ولی اللہ کا کمال عقلاً و شرعاً و کشفاً تمام علماءِ ظواہر و مشایخِ بواطن کا اتفاق ہے کہ جسے مقامِ فنائیت یا کوئی اور مقامِ ولایت دنیا میں نصیب نہ ہوا وہ مرنے کے بعد بھی محروم رہے گا اور آخرت میں بھی اسے کچھ نصیب نہ ہوگا۔ (کذا فی الفکوک لحضرۃ الشیخ صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ)
اس سے معلوم ہوا کہ فرصت دنیوی ایک غنیمت ہے جب اچانک موت نے آ گھیرا تو انسان کو نہ مہلت نصیب ہوگی نہ اس میں کوئی تدارک کر سکے گا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ خبر داری اے استخوانی قفس
که جان تو مرغیست نامش نفس

۲ چو مرغ از قفس رفت بکست قید
دگر ره نگردد بسعی تو صید

۳ نگه دا فرصت که عالم دمیست
دمی پیش دانا به از عالمیست

(باقی بر صفحہ ۸۱)

قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۗ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُعْرِضُوْنَ ○ اَمْ لَهُمْ
اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُوْنِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُوْنَ ○ بَلْ
مَتَّعْنَا هٰؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ
اَطْرَافِهَا ۚ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ
اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ○ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا
ظٰلِمِيْنَ ○ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۚ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ
حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ
ضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ○ وَ
هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۚ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ○

ترجمہ : فرمائیے رات دن رحمٰن سے تمہاری کون نگہبانی کرتا ہے بلکہ وہ اپنے رب سے روگردانی کرنے والے ہیں ۔ کیا
ان کے کوئی معبود ہیں جو انھیں ہم سے بچاتے ہیں اور وہ اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی دوستی
کی جاتی ہے بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے آباء کو (دنیوی) ساز و سامان دیے ہیں یہاں تک کہ ان کی زندگیاں
دراز ہوئیں تو کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں تو کیا یہ غلبہ پانے
والے ہیں ۔ فرمائیے کہ میں تمھیں بذریعہ وحی ڈراتا ہوں اور بہرے پکار نہیں سُنتے جب ڈرائے جاتے ہیں
اور اگر انھیں تیرے رب کے عذاب کا ذرا سا جھونکا چھو جائے تو ضرور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی بے شک
ہم ظالم ہیں اور ہم قیامت میں عدل کی ترازو رکھیں گے تو کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی شے رائی
کے دانہ کے برابر ہوگی تو ہم اسے لائیں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے ۔ اور ہم نے موسیٰ و ہارون
(علیہما السلام) کو عطا فرمائی ۔ وہ جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے ڈرتے ہیں اور
یہ برکت والا ذکر ہے جسے ہم نے نازل فرمایا تو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو ۔

(ص ۸۰ سے آگے)

ترجمہ : ۱ ۔ اے پنجرے میں پھنسی ہوئی ہڈیو (انسان) ! تیری روح تو ایک پرندہ ہے جسے نفس کہا جاتا ہے ۔
۲ ۔ جب پرندہ اُڑ گیا تو پنجرہ ٹوٹ جائے گا دوبارہ تیری کوشش کے باوجود بھی وہ پرندہ تیرے ہاں نہ آئے گا ۔
۳ ۔ فرصت کو نگاہ میں رکھ اس لیے کہ یہ جہان ایک لمحہ ہے ایک لمحہ جملہ عالم سے بہتر ہے ۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کے استہزا سے تسلّی دی جا رہی ہے کہ بجدا

آپ سے پہلے رسل کرام علیہم السلام سے استہزاء کیا گیا حالانکہ وہ بھی بڑے ذیشان اور صاحب فضیلت پیغمبر تھے اور آپ سے پہلے ایسے کثیر التعداد حضرات سے کفار استہزاء کرتے تھے۔ انھوں نے صبر کیا آپ بھی صبر فرمائیے۔ اس میں مضاف کو محذوف کرکے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ حل لغات: حاق یحیق حیقا بمعنے احاط بہ یعنی کافروں کو محیط، یعنی ان پر لازم اور واجب ہوگیا اور حاق بمعنے نزل بھی آتا ہے لیکن اس کا اکثر استعمال شر کے لیے ہوتا ہے اور الحیق ہر وہ فعل کروہ جو انسان پر لازم ہو بالذین، حاق کے متعلق ہے اور منھم کی ضمیر رسل کی طرف راجع ہے اور اسم موصول حاق کا فاعل ہے۔ اب معنیٰ یوں ہوا کہ ان کے استہزاء کی وجہ سے انھیں عذاب محیط ہوگیا۔

سوال: انھوں نے عذاب کی عجلت کا مطالبہ کیا فلہذا یہاں یستھزءون کی بجائے یستعجلون لایا جانا مناسب تھا۔

جواب: چونکہ اسی عجلت کے مطالبہ میں استہزاء مطلوب تھا، اسی لیے اصل فعل کو لایا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جیسے کفار مکہ آپ سے استہزاء کر رہے ہیں ایسے ہی سابقہ اُمتوں کے کافروں نے اپنے انبیاء و رسل کرام علیہم السلام سے استہزاء کیا تھا، تو جیسے وہ عذاب میں مبتلا ہوئے یہ بھی ہوں گے اور اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ قُلْ اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تبکیت و تقریع کے طور استہزاء کرنے والوں سے فرمایئے مَنْ استفہامیہ ہے يَكْلَؤُكُمْ الکلاء بمعنے حفظ الشیٔ و تبقیتہ کسی شے کو محفوظ اور باقی رکھنا۔ اور الکالیٔ وہ شخص جو شے کی حفاظت کرے۔ یعنی تمھاری حفاظت کون کرتا ہے بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ رات اور دن میں مِنَ الرَّحْمٰنِ اللہ تعالیٰ کے اس عذاب سے جو رات اور دن میں تمھارے کرتوتوں کی وجہ سے نازل ہو جس کے تم مستحق ہو یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب دینے کا ارادہ فرمائے تو اس کے عذاب سے تمھیں کون بچائے گا۔ یعنی صرف وہی ہے تمھیں عذاب وغیرہ سے بچانے والا۔

نکتہ لفظ رحمٰن میں اشارہ ہے کہ وہ کریم رحمتِ عامہ کے علاوہ خاص رحمت سے اپنے ہر بندے کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور ان کی حفاظت کا یہ معنیٰ ہے کہ انھیں مہلت بخشتا ہے، اور رات کی تقدیم اس لیے ہے کہ عذاب اور تکالیف اور سخت تر عذاب رات کو واقع ہوتے ہیں۔

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ بلکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ذکر سے رُوگردانی کرنے والے ہیں۔ یعنی ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا خیال تک نہیں چہ جائیکہ ان کے دل میں خوفِ الٰہی ہو۔ وہ ہماری اس حفاظت کو اپنا امن و قرار سمجھ کر الٹا ہٹ دھرمی سے پوچھتے ہیں کہ ہمارا محافظ کون ہے۔ آپ ان سے ایسے سوالات نہ کیجئے اس لیے کہ وہ ایسی صلاحیت

نہیں رکھتے کہ ان سے سوال کیا جائے۔ کیونکہ وہ ذکرِ الٰہی سے روگردان ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو حجب بشریت سے محجوب ہیں ان سے تو صلاحیت کی امید رکھی جا سکتی ہے؛ لیکن جو روحانیت کے پردوں سے محجوب ہیں ان سے ذرہ برابر بھی امید نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ بشریت کے حجابات کے محجوبین کو اپنی جہالت کا اقرار ہے لیکن روحانیت کے حجابات کے محجوبین تو مغرور ہیں اسی لیے بشریت کے حجابات کے محجوبین لوازم بشریت میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر و طلب سے روگردان ہیں لیکن روحانیت کے حجابات کے محجوبین اپنی معرفت اور معقولات میں گرفتار ہونے کی وجہ سے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں اسی لیے ان کی روگردانی سخت تر ہے۔ کمال خجندیؒ نے فرمایا: ؎

بشکن بت غرور کہ در دین عاشقاں
یک بت کہ بشکنند بہ از صد عبادتست

ترجمہ: غرور کے بُت کو توڑ دے اس لیے کہ عشاق کے دین میں سو سال کی عبادت سے ایک بُت توڑنا بہتر ہے۔

صائبؒ نے فرمایا: ؎

بفکر نیستی ہرگز نمی افتند مغروراں
اگرچہ صورت مقراض لا دارد گریبانہا

ترجمہ: مغروروں کو نیستی کا کوئی فکر نہیں۔ دیکھئے مقراض کی شکل لا جیسی ہے لیکن ہزاروں گریبان چاک کرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ام منقطعہ بمعنے بل ہے یعنی بلکہ انھیں ہمارے عذاب کو ان کے معبودانِ باطلہ روکیں گے اور انھیں ان پر بڑا اعتماد ہے حالانکہ ان کا یہ خیال سراسر غلط اور باطل ہے لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ یہ جملہ مستانفہ اور ماقبل کے مضمون یعنی ان کے انکار کی تقریر اور ان کے اعتقاد باطلہ کی وضاحت کرتا ہے یعنی ان کے معبودانِ باطلہ جن کے متعلق ان کا اعتقاد ہے کہ وہ انھیں عذاب الٰہی سے بچائیں گے یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ ان کے معبودانِ باطلہ تو ایسے بیکار ہیں کہ انھیں اپنی مدد کی بھی طاقت نہیں یعنی اگر انھیں کوئی نقصان پہنچائے مثلاً انھیں توڑے یا اپنی جگہ سے ہلائے یا ان پر گندگی پھینکے یا ان کو گندگی آلود کرے وغیرہ وغیرہ تو اپنے سے ایسی خرابیاں دور نہیں کر سکتے۔ (وہابی نجدی دیوبندی اولیاءِ کرام کے مزارات کو بتوں سے تشبیہ دے کر یہی آیات استدلال میں لاتے ہیں ان بھلے مانسوں سے کون پوچھے کہ مزاراتِ اولیاء اور اصنامِ باطلہ میں قدرِ مشترک کیا ہے کیا مزارات اور اصنام باطلہ ایک شے ہیں یا فرق ہے؛ تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھیے)[1] اور نہ ہی بتوں کو ہماری جانب سے عذاب کو دور کرنے کی اجازت ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

بُت اور ولی اللہ میں فرق

امام راغب رح نے فرمایا کہ ہماری جانب سے انھیں نہ سکینہ نصیب ہوتی ہے نہ راحت نہ نرمی، جیسے ہمارے اولیاء کرام کو ہماری جانب سے تسکین وغیرہ نصیب ہوتی ہے[1] اس کے باوجود بُتوں کے پجاری کیسے کہتے ہیں کہ ان کے بُت ان کی مدد کریں گے وغیرہ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یصحبون بمعنے یمنعون لکھا ہے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ، المتاع بمعنے ایک طویل وقت تک کسی شے سے نفع پانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

متعه الله بكذا و امتعه و تمتع به۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا بلکہ ہم نے انھیں اور ان کے آباؤ کو سامانِ تعیش اور اسباب زندگی بخشے۔

حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ بضم المیم وسکونہا، بمعنے زندگی۔ تعمیر بدن کی عمارت کو عمر سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی عیش وعشرت میں عرصہ دراز نفع اٹھانے کا وقت مل گیا تو وہ دھوکہ کھا کر گمان کر بیٹھے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گے یہاں تک کہ ان پر کسی کو غلبہ نہیں، لیکن انھوں نے یہ نہ سمجھا کہ ایک دن دستِ اجل انھیں ایسا طمانچہ مارے گا کہ ان کی زندگی کا ڈھانچہ پاش پاش ہوجائے گا۔ اَفَلَا يَرَوْنَ کیا وہ دیکھ نہیں رہے کہ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ ہم کفار دارالحرب کی زمین پر آتے ہیں نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اہلِ ایمان کو ان پر غلبہ دے کر ان کی زمین کے اطراف کو کم کر دیتے ہیں۔ پھر انھیں غلط فہمی کیوں؟ کہ وہ ہمارے عذاب سے بچ جائیں گے۔

یہ خبر کے بعد دُوسری خبر یا حال کے بعد دوسرا حال یا بدل ہے الاطراف، طرف (بالتحریک) کی جمع ہے بمعنے ناحية من النواحي و طائفة من الشئ۔ مفسرین نے فرمایا اس سے زمین کے کم ہوجانے کی دلیل نہیں بلکہ کفار کے ملکوں کو مسلمانوں کے قبضے میں آجانے اور کافروں کے اسلام میں داخل ہونے پر مجبور ہوجانے کی تمثیل وتصویر ہے جیسے ناتی میں اللہ تعالیٰ کے آنے کے بجائے لشکرانِ اسلام کا غلبہ مجازاً مراد ہے ایسے ہی زمین کی کمی سے بھی کفار کے قبضے سے نکل کر اہلِ اسلام کے قبضے میں (مجازاً) چلا جانا مراد ہے اسی معنے پر جب چند ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آگئے اور کفّار سے چھین لیے گئے تو گویا کافروں کی زمین کم ہوگئی۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے نزول کے بعد حسبِ وعدہ روزانہ اہلِ اسلام کو ترقی دی اور کفار کو تنزّل۔ اس کی مزید تفصیل ہم نے سورۂ رعد میں کر دی ہے۔

اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ یعنی جب وہ اسلام کا غلبہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو کیا اب بھی انھیں وہم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ اسلام پر غلبہ پائیں گے حالانکہ غلبہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور کفّار مغلوب ہیں۔

---

[1] یہ فرق امام راغب اصفہانی رح کا بتایا ہوا ہے۔ صاحبِ رُوح البیان نے جلد ۴ ص ۴۸۳ میں تحت آیت ہذا میں بیان فرمایا ہے اب وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ کی ضد کو کون مٹائے کہ بار بار کہے جا رہے ہیں کہ اولیاء اور اصنامِ باطلہ ایک جیسے ہیں ۱۲۔ مترجم

حدیث شریف حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چار صفات میں خصوصی فضیلت دیا گیا ہوں ؛

۱۔ سماحت ۲۔ شجاعت

۳۔ کثرۃ الجماع ۴۔ شدیدۃ البطش (سخت گرفت)

اعجوبہ سکندر سے کہا گیا کہ دارا ایک کروڑ جنگجو تمہارے مقابلے میں لا رہا ہے۔ سکندر نے جواب دیا کہ قصاب بکریوں کو ذبح کرنے کے لیے ان کی کثرت سے نہیں گھبراتا۔

مثنوی شریف میں ہے :

۱	تیشہ را ز انبوہی شاخ درخت	کے ہراس آید ببرد لخت لخت
۲	شعلہ را ز انبوہی ہیزم چہ غم	کے رمد قصاب ز انبوہ غنم
۳	خر نشاید گشت از بہر صلاح	چوں شود وحشی شود خونش مباح
۴	لا جرم کفار را شد خون مباح	ہمچو وحشی پیش نشاب و رماح
۵	جفت و فرزندان شان جملہ سبیل	زانکہ بے عقلند و مردود و ذلیل

ترجمہ : ۱۔ کلہاڑی کو درخت کی ٹہنیوں سے ہراس کیسا جبکہ وہ ان کے ٹکڑے کرکے رکھ دیتی ہے۔

۲۔ آگ کو لکڑیوں کی کثرت کا خوف کہاں، اور قصاب کو بکریوں کی کثرت کا کیا خطرہ۔

۳۔ جب گدھا وحشی ہو جائے اس کی اصلاح کی اُمید فضول، اسے تو فوراً قتل کر دینا چاہیے۔

۴۔ کافروں کا خون مباح کرنا ضروری ہے جیسے شکاری اور تیر مارنے کے سامنے وحشی۔

۵۔ کافروں کے تمام اہل و عیال اور چھوٹے بڑے بھی قبضے میں لانا ضروری ہے کیونکہ وہ بھی بے عقل اور مردود و ذلیل ہیں۔

اولیاؑ و انبیاؑ کی شانِ اقدس غلبہ و نصرت ایک اعلیٰ اور شریف منصب ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لشکر کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا لشکر حضرات انبیاؑ و اولیاؑ علیٰ نبینا و علیہم السلام ہیں

کما قال تعالیٰ :

وان جندنا ھم الغالبون۔

اگرچہ بظاہر کہیں مغلوب بھی ہوں، اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو کل عرب بلکہ مشرق و مغرب تک غلبہ بخشا اور بہت بڑے سرکش بادشاہوں کی سلطنتوں پر قبضہ جمایا، اور ان کے خزینوں دفینوں کے مالک بنے اور تمام دُنیا پر اپنی فوقیت کا لوہا منوا لیا۔ بعض اوقات ان کا شکست کھا جانا ان کے لیے امتحان و آزمائش کی وجہ سے تھا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسہ کرے۔ جہاد سے کسی وقت بھی نہ گھبرائے۔

اس لیے کہ ہمت ہو تو زنجیریں کٹ جاتی ہیں اور پہاڑ ہل جاتے ہیں[1]۔

بابِ خیبر اور حضرت علی رضی اللہ عنہٗ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ:
ماقلعت خیبر بقوۃ جسمانیہ ولا بحرکۃ غذائیہ لکنی ایدت بقوۃ ملکوتیۃ ونفس بنور ربہا مضیئۃ۔ (روح البیان ج ۴ ص ۴۸۳ تحت آیت ہذا)
(میں نے قوتِ جسمانیہ سے نہیں اور نہ ہی حرکت غذائیہ سے خیبر کو توڑا تھا بلکہ قوتِ ملکوتیہ اور اللہ تعالیٰ کی اس نورانی طاقت سے، جو اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشی)

دروازہ خیبر کو سّتر انسانوں نے اٹھایا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر کے قلعے میں پہنچے تو اس کے ایک دروازے کو اکھیڑ کر زمین پر دے مارا۔ فراغت کے بعد ستّر آدمیوں نے اٹھا کر اسے اپنی جگہ رکھا۔ اور فرمایا: پرندہ پروں سے اور عاقل ہمّت سے اڑتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وہ لوگ جو آپ سے عذاب کی جلدی کا مطالبہ کر رہے ہیں آپ ان سے فرمائیے کہ میں تمھیں عذابِ الٰہی سے بذریعہ وحی اور ان اخبار کی وجہ سے ڈراتا ہوں جو مجھ پر نازل ہوئیں۔ میں عذابِ الٰہی کے لانے پر مامور نہیں اس لیے کہ ایمان کا تعلق دلائل عیانیہ سے نہیں بلکہ برہانیہ سے ہے کیونکہ عذابِ الٰہی لانا امورِ تکوینیہ و تشریعیہ سے ہے اور تم ان کے لائق نہیں۔ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اور بہرہ دعوتِ ایمان کو نہیں سنتا۔ الصم، اصم کی جمع ہے۔ بہرہ شخص جس کی قوتِ سامعہ مفقود ہو اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ جب اُنھیں آیاتِ الٰہی سُنا کر ڈرایا جاتا ہے۔

سوال: کفار کو بہروں سے تشبیہ دینے کا کیا معنٰے؟

جواب: جب وُہ آیاتِ الٰہی سُنتے تو ان کی پروا نہ کرتے تو گویا وہ ان بہروں جیسے ہوئے جو سرے سے سنتے ہی نہیں جیسے بہروں کو گلا پھاڑ کر بھی بات سنائی جائے تو وہ نہیں سُنتے اس لیے کہ ان کے کان کی قوتِ سماع ختم ہو گئی ہے ایسے ہی ان کا حال ہے کہ انھیں کتنے ہی مضبوط اور پختہ دلائل بتائے جائیں تب بھی نہیں مانتے۔

سوال: بہرہ تو ہر قسم کے کلام سننے سے بے بہرہ ہے لیکن یہاں صرف کلام انذار سے تشبیہ دی گئی ہے۔

جواب: ان کی بے بہرگی کو بدرجۂ کمال کے طور بیان کرنا مطلوب ہے کہ وُہ اتنا بدبخت ہیں کہ انھیں کتنا ڈراؤ دھمکاؤ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

سوال: کلام (عام بات) کی بجائے دُعا کو کیوں اختیار کیا گیا ہے یعنے پکارنا اور زور زور سے بولنا۔

---

[1] نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

جواب : عموماً ڈرانا دھمکانا، چیخ و پکار اور زور سے بولنے پر ہوتا ہے جب وہ اس زوردار اور بار بار کے کلام کو نہیں سنتے تو واضح ہوجائے گا کہ یہ بہرگی بیں پرلے درجہ کے ہیں۔

ف : یہ قُل کے مقولے کا تتمہ ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جدید حکم ہُوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کو آیاتِ الٰہی بیان کر دینا آپ کا کام ہے آپ کو ان کے سنانے سے کوئی واسطہ نہیں۔ آپ اپنا فرض ادا کیجئے پھر ان کی قسمت۔

وہابیہ کارد اس سے معلوم ہُوا کہ انبیاء و اولیاء کا کام صرف احکام بیان کرنا اور نصیحت کرنا ہے، منوانا ان کے ذمہ نہیں۔ کیونکہ جو ازل کے مارے ہوتے ہیں اور بارگاہِ حق سے ازل سے ہٹائے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بہرہ اور اندھا بنایا کہ شہواتِ نفس و دنیا میں ہوئے اور طلبِ الٰہی سے محروم، انھیں جتنا سمجھاؤ ہرگز نہیں سمجھتے اس لیے کہ اسماع (سنانا) اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے مخلوق کے ہاتھ میں نہیں۔ کما قال : و لو علم اللہ فیھم خیراً لا سمعھم۔ (اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء اپنے سپرد کردہ امور میں مختار ہیں لیکن جو امور ان کے سپرد ہی نہیں ان سے نفی کرنا جہالت و حماقت ہے)

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ، المسّ بمعنے لمسٌ۔ ہر وہ اذیت جو انسان کو پہنچے اسے مسّ سے تعبیر کرتے ہیں نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ بخدا اگر کافروں کو اس عذاب سے تھوڑا سا پہنچے جس سے انھیں ڈرایا جارہا ہے۔ النفحۃ اس کا اطلاق اگر ہوا پر ہو تو الدفعۃ، اگر عذاب پر ہو تو بمعنے القطعۃ ہے۔ (کذا فی القاموس)

حدیث شریف ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لہا میں شارح شہاب مرحوم نے النفحات سے پہلا معنیٰ مراد لیا ہے۔

اور بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہ نفحۃ الدابۃ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی جانور مارے۔ یعنی نفحۃ بمعنے ضربۃ ہے یا نفحۃ الریح سے ہے بمعنے ھبّت۔ اس معنے پر نفحۃ بمعنے ھبّۃٌ ہوگا۔ یا یہ نفح الطیب سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب خوشبو مہکے۔ اس معنے پر نفحۃ بمعنے فوحۃ شمّۃ بھی یہی معنیٰ دیتا ہے بمعنے خوشبو کی مہک۔

ابن جریر نے لکھا کہ نفحۃ بمعنے نصیب ہے نفحہ فلاں سے ہے بمعنے اعطاہ من مالہ حظامنہ یعنے فلاں نے اسے اپنے مال کا کچھ حصہ عطا فرمایا۔

لَيَقُولُنَّ غایت اضطراب و حیرت سے کہیں گے يٰوَيْلَنَآ ہمارے اوپر افسوس۔ اس کی تحقیق ہم نے پہلے بیان کر دی۔ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ بے شک ہم ظالم تھے۔ وہ ویل و ہلاک کہہ کر اپنے لیے ظلم کا ارتکاب کریں گے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کے آیات سن کر ان سے روگردانی کرکے انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا جب انھوں نے وعید کی خبر سے اثر قبول نہ کیا تو اب انھیں نفس وعد کی کیفیت بتائی گئی ہے تاکہ اپنی غلط کاریوں سے باز آسکیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ غفلت انبیاء علیہم السلام کی تنبیہات اور اولیاء کرام کی نصیحتوں سے دنیا میں بیدار نہیں ہوسکتے جب تک کہ وہ مرنے کے بعد عذابِ الٰہی میں مبتلا نہ ہوں گے اس لیے عوام خواب میں ہیں۔

مرنے کے بعد بیدار ہوں گے اس وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے ذیل وہلاکت پکاریں گے اور کہیں گے واقعی ہم غلطیوں کے ارتکاب سے ظالم ہیں اور قاعدہ ہے کہ ظلم عذاب کو دعوت دیتا اور نعمتوں سے محروم کراتا ہے ظلم علی الغیر ہو یا ظلم علی نفسہٖ مومن پر لازم ہے کہ وہ عذاب نقمۃ سے اجتناب کرے اور نجات ورحمت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور خواہشات نفسانی کو مٹائے اور طاعت وتقویٰ پر عمل پیرا ہو۔

حکایت ایک ولیہ کاملہ کی کثرتِ عبادت کو دیکھ کر کسی نے کہا کہ بی بی! اپنے نفس پر نرمی کیجئے۔ بی بی رو کر بولی کہ نفس پر نرمی کرنے پر آقا ومولیٰ کے دروازے سے دُوری کا سبب بنتا ہے اور قاعدہ ہے جو اپنے مولیٰ کے دروازے سے دنیا کے مشغلہ کی وجہ سے دُور رہا تو وہ رنج ومحنت میں مبتلا ہوتا ہے اس کے بعد زار وقطار روتی اور کہنے لگی کہ ہائے سباق کی حسرت اور ہائے جدائی و فراق کا درد۔ فرمایا کہ سباق کی حسرت یہ ہے کہ تمام انسان جب اپنی قبور سے اُٹھیں گے تو اللہ والوں کے لیے سواریاں حاضر کی جائیں گی اور ان کے آگے مقربین کی سواریاں ہوں گی، اور بعض بدقسمت وہاں سواریوں کے بغیر رہ جائیں گے اور انھیں مجرمین کے لقب سے یاد کیا جائے گا۔ آقا ومولیٰ کی جدائی وفراق کے درد سے میری مراد یہ ہے کہ جب تمام مخلوق ایک میدان میں جمع ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ اعلان کرے گا اے اللہ کے بندو! جُدا ہو جاؤ۔ اس وقت متقیوں کو ممتاز کرکے علٰحدہ کرلیا جائے گا اور مجرم عذاب کی سختی میں تڑپ رہے ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ: وامتازوا الیوم ایہا المجرمون۔ اس وقت عجیب نظارہ ہوگا، باپ بیٹے سے، بیٹا ماں سے، شوہر عورت سے اور دوست دوست سے ہمیشہ کے لیے جُدا کیا جا رہا ہوگا، پھر متقیوں کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ ریاض الجنۃ میں اور مجرموں کو بیڑیاں اور زنجیروں سے باندھ کر جہنم میں بھیجا جائے گا۔ اب خود اندازہ کیجئے کہ اہلِ ثواب کا کیا حال ہوگا اور اہلِ عذاب کا کیا۔

ف: انذار ونصیحت بہترین امر ہے۔ سننے کے بعد عاصی اور مجرم پر لازم ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کرکے آئندہ کے لیے جرائم سے باز رہے اور نیک نصیحت اور اچھے وعظ کی طرف کان لگائے ورنہ قیامت میں حسرت کے طور کہے گا: لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔ اور حقیقی بہرے یہی ہیں کہ نصیحت سُن کر نیک عمل نہیں کرتے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بگو آنچہ دانی سخن سود مند
وگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیمان بر آرد خروش
کہ او خ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: جو سخن تیری سمجھ میں سُود مند ہے کہہ ڈال اگرچہ کسی کو پسند نہ آئے۔ کل قیامت کو پشیمان ہو کر فریاد کرے گا کہ میں نے نصیحت کیوں نہ سُنی۔

تفسیر عالمانہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ۔ الموازین، میزان کی جمع ہے، بمعنے ترازو۔ القسط بمعنے العدل یعنی ہم وہ عدل کے ترازو قایم کریں گے جن سے تمہارے اعمال نامے حاضر کر کے وزن کیے جائیں گے۔

ف: قیامت میں اعمال جوہر اور ذوجسد ہوں گے۔ (دورِ حاضرہ کا انسان اس کا قائل نہیں فقیر نے تفسیر اویسی میں دلائل سے ثابت کیا ہے)

سوال: موازین جمع کیوں، حالانکہ حساب کے لیے ایک ترازو کافی ہے۔

جواب: تعدد اعمال کی وجہ سے یا ہر صاحب عمل کا علٰحدہ ترازو ہوگا۔

ف: امام راغب نے فرمایا: شے کی مقدار کی معرفت کو وزن کہا جاتا ہے۔

نکتہ: قرآن مجید میں بعض مقامات پر موازین جمع اور بعض میں واحد اس لیے لایا گیا کہ اسے باعتبار حساب کے استعمال کیا گیا تو واحد کا صیغہ لایا گیا اگر باعتبار صاحبانِ اعمال سے محاسبہ کے کیا گیا تو صیغۂ جمع لایا گیا۔ اور القسط مفرد اس لیے ہے کہ یہ مصدر وصف کا معنیٰ دیتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل عدل۔ اور موازین کو قسط سے اس لیے موصوف کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ مخلوق کے وزن میں ٹیڑھا پن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وزن اس خرابی سے پاک اور منزہ ہے۔

لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت جزا و سزا کے لیے فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ کسی ایک پر بھی کمی نہیں کی جائے گی شَيْئًا اس کے حقوق میں سے کسی ایک حق کی، اور یہ تظلم کا مفعول ثانی ہے اس لیے کہ تظلم بمعنے تنقص ہے۔ اور وہ دو مفعول چاہتا ہے جیسے نقصہ حقہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر صاحبِ حق کو پورا حق عطا فرمائے گا اگر بھلائی ہے تو نیک جزا، اگر برائی ہے تو سزا دے گا۔ وَاِنْ كَانَ، کان کا اسم عمل ہے جس پر نضع الموازین دلالت کرتا ہے مِثْقَالَ حَبَّةٍ مثقال آلۂ ثقل یعنی وہ آلہ جس سے بوجھ کا وزن کیا جائے اور حبّۃ بمعنے دانہ۔ مِّنْ خَرْدَلٍ رائی کا، یعنی اگرچہ عمل بالکل نہایت صغیر الجثہ رائی کے دانے کے برابر ہوگا اَتَيْنَا بِهَا بقصر الہمزہ از اتیان اور باء تعدیہ کی ہے یعنی وہ عمل جسے وزن کے لیے رائی کے دانے کے برابر تعبیر کیا جائے ہم اسے قیامت میں حاضر کریں گے۔

سوال: خردل تو مذکر ہے اس کے لیے اتینا بہا کی ضمیر مونث کیوں۔

جواب: خردل کا مضاف حبّۃ مونث ہے اس کا اعتبار کر کے مونث کی ضمیر لائی گئی ہے۔

وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ہم کافی ہیں حساب لینے میں، اس لیے کہ اور کون ہے جو ہم سے علم میں زاید ہو، اور عدل میں بھی ہمارے برابر کا اور کوئی نہیں۔ کفٰی بنا کی باء زائدہ ہے اور نا، کفٰی کا فاعل، اور حاسبین بمعنے عادّین، نا ضمیر جمع متکلم سے حال ہے اور حساب بمعنی گنتی کرنا آتا ہے۔ کما یقال حسب المال۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مال کو شمار کرے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حاسبین بمعنے عالمین حافظین اس لیے کہ جو کسی شے کو گنتا ہے تو اسے اس کا علم ہوتا ہے اور وہ اس کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔

سبق اس میں اشارہ ہے کہ ہمارا حساب دان بہت بڑی قدرت کا مالک اور اسے ہر ایک کا علم ہے کہ اس کے حساب سے کوئی بھی رہ نہیں جاتا اسی لیے اس کے حساب سے ہر وقت ڈرنا لازم ہے۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرہٗ کو کسی نے وفات کے بعد خواب میں دیکھ کر کہا کہ کیسے گزری؟ انھوں نے جواب دیا ؎

حاسبونا فدققوا

ثمّ منّوا فاعتقوا

ترجمہ: حساب لیا گیا اور بال بال کا، لیکن کرم کرکے آزاد فرما دیا۔

کمیونسٹوں کا ردّ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میزان حق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ درجات اعمال کے مطابق میزان میں بوجھ پیدا فرمائے گا اس طرح سے بندوں کو اپنے اعمال کی مقدار معلوم ہو جائے گی تاکہ اللہ تعالیٰ کے عقاب کا عدل اور عفو و تضعیف اعمال میں فضل ظاہر ہو۔ اس سے امام فخر الدین کا سوال رفع ہو گیا کہ اعمال کے وزن کی ضرورت کیا ہے اس لیے کہ اگر بندوں کا عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے تو پھر محض اس کے خبر دینے سے سر تسلیم خم کریں گے اگر ان کا یہ عقیدہ نہ ہو تو پھر وہ بدگمانی کر سکتے ہیں کہ اس نے ایک پلڑے کو ظلما (معاذ اللہ) بھاری فرما دیا۔ اس کا جواب یہ ہے وزن اعمال کا اگرچہ اہلِ اسلام کو یقین ہے لیکن انھیں مشاہدہ کرانا مطلوب ہے کہ لوگ عالم دنیا میں خواب میں ہیں مرنے کے بعد جاگ اٹھیں گے اللہ تعالیٰ انھیں مشاہدہ کراتے ہوئے اعمال کے مقدار میزان کے ذریعے ظاہر کرے گا تاکہ اس کا عدل و فضل مکمل طور پر واضح ہو کہ اس میں کسی قسم کا خفا نہ رہے اور ساتھ ہی مخالفین پر اتمامِ حجت ہو۔

میزان جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں مروی ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہیں اور ترازو جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہو گی تاکہ اچھے اور برے اعمال کا وزن ہو سکے حکم غالب اعمال پر مرتب ہوگا یعنی اگر نیکیاں غالب ہوئیں تو بہشت ورنہ دوزخ۔ اگر برابر ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بہشت عطا فرمائیگا۔

نکتہ فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ترازو جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں اس لیے ہوگا کہ اوامر و نواہی کے واسطہ تھے۔ اسی مناسبت سے انہی کے ہاتھ میں ترازو دیا گیا تاکہ اوامر و نواہی کے صحائف کا وزن ہو۔

میزان اور داؤد علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی مجھے میزان کی اصلی صورت دکھائی جائے۔ جب داؤد علیہ السلام نے میزان دیکھی تو اس کا ایک پلڑا مشرق و مغرب کے برابر تھا۔ داؤد علیہ السلام یہ حال دیکھ کر بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو عرض کی، یا اللہ! اس میزان کو کون بھر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! جس بندے سے میں راضی ہوں گا اس کی ایک کھجور کی نیکی سے اس کا ترازو بھر دوں گا۔

حدیث شریف دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے لیکن میزان میں بوجھل اور اللہ کے پسندیدہ ہیں۔ وہ دو کلمے یہ ہیں: سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

نکتہ : یہ دو کلمے اللہ تعالیٰ کو اس لیے محبوب ترین ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی مدح وصفات سلبیہ ہے جو تنزیہہ اور صفات ثبوتیہ اور حمد پر دلالت کرتی ہے۔

حدیث شریف سبحان اللہ نصف المیزان اور الحمدللہ میزان کو بھر دے گی۔

ف : مولانا فناری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وزن اعمال کے لیے ترازو رکھے جائیں گے ان میں سب سے پہلے اعمال کی کتابیں رکھی جائیں گی سب سے آخر میں ترازو میں الحمد للہ کہنے کا عمل رکھا جائے گا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا : الحمد للہ تملاء المیزان۔

ف : میزان میں سوائے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے تمام اعمال رکھے جائیں گے پھر الحمد للہ کے ساتھ کلمہ لا الٰہ الا اللہ ملاکر میزان میں رکھا جائے گا تو میزان پُر ہو جائے گا۔

ف : ہر ایک کا پلڑا اپنے اعمال سے ہی پُر ہوگا ان کے اعمال میں کسی قسم کی کمی وبیشی نہ ہوگی اور ہر عمل اور ذکر خیر وغیرہ میزان میں رکھا جائے گا سوائے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے۔

نکتہ : ہر عمل (نیک وبد) کو میزان میں بالمقابل رکھا جائے گا اور لا الٰہ الا اللہ کے بالمقابل شرک ہے اسے کلمہ شریف کے مقابلے میں نہیں رکھا جائے گا کیونکہ شرک وتوحید یکجا جمع نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ جب بندہ اعتقاد کرے لا الٰہ الا اللہ تو شرک ختم۔ اگر معاذ اللہ شرک کا اعتقاد رکھے تو توحید کہاں۔ اسی لیے ان کا اجتماع میزان میں نہ ہو سکے گا اور مشرکین کے اعمال کے وزن کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کما قال : فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنا۔ یعنی ان کے اعمال کی جب اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر ومنزلت ہی نہیں تو پھر وزن کیسا!

مسئلہ : بعض دوسرے ایسے لوگ ہوں گے جن کے اعمال کے وزن کی کوئی قدر ومنزلت نہ ہوگی جیسے فرقہ معطلہ اور متکبر۔

نکتہ : مشرک کی نیکی وزن کے قابل اس لیے نہیں ہوگی کہ شرک کی وجہ سے اس کی ہر نیکی ضائع ہوتی رہی اس لیے وہ نیکیاں آخرت میں نہ پیش ہوں گی نہ ان کا وزن ہوگا۔

اعجوبہ جس نے زندگی بھر کوئی نیکی نہ کی صرف ایک دفعہ صدقِ دل سے کہا لا الٰہ الا اللہ تو اس کی برائیوں کے ننانوے پلڑے اس کے مقابلے میں رکھے جائیں گے تو بھی لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا بھاری رہے گا۔ ایسے شخص کا لقب "صاحب السجلات" ہے۔ یاد رہے کہ ہر برائی کا پلڑا مشرق ومغرب کی درمیانی مسافت کے برابر ہوگا۔

ف : لا الٰہ الا اللہ کلمۂ توحید ہے اس کے مماثل اور برابر اور کوئی عمل نہیں ہے۔ اسی لیے اسے کلمۂ توحید کہا جاتا ہے۔ جب یہ کلمہ کسی کے منہ سے خلوصِ قلب سے نکلے تو اس کے بالمقابل اور کوئی کلمہ نہیں آسکتا اس لیے کہ اس کے مماثل وبرابر کا اور کوئی کلمہ نہیں۔

حدیث شریف اس کی تائید صحیح حدیث قدسی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر سات آسمان اور سات زمینیں اور ان کی آبادی میزان کے ایک پلڑے میں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں، تو بھی کلمۂ توحید کا

پلڑا بھاری رہے گا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ کلمۂ توحید کے مقابلہ میں کوئی شے نہیں آسکتی جبکہ اس کے مماثل اور برابر کی کوئی شے ہے ہی نہیں۔ کما قال تعالیٰ : لیس کمثلہٖ شیئ۔ لیکن اس سے توحید حقیقی مراد ہے۔ ورنہ رسمی توحید یعنی صرف زبانی توحید کا اقرار ہو تو اس کی نہ صرف ضد بلکہ اضداد کثیرہ اس کے مقابل و مماثل ہوں گی، جیسا صاحب السجلات کا واقعہ ہم نے بیان کیا کہ اس کے مقابل کوئی برائی نہ آسکی کہ اس نے خلوص قلبی سے کلمۂ توحید صرف ایک بار پڑھا تھا۔

مسئلہ : یہ اس کلمہ مبارکہ کی بات ہے جو زبان سے نکلا اور اسے فرشتے نے لکھ کر محفوظ کر لیا اور وہ کلمہ جو قلب کے اندر محفوظ رہا جسے فرشتے نے نہ لکھا اس کا بیان آگے آتا ہے۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعاً اس کلمۂ توحید سے یہ فائدہ ہوا کہ اس کے بالمقابل یعنی سیئات کے مٹنے سے صاحبِ سجلات کی فضیلت واضح ہوئی اور اہلِ مواقف سمجھیں کہ واقعی خلوصِ قلب سے کلمہ پڑھنے کی بہت بڑی برکت تھی۔ لیکن یہ کیفیت اس وقت ہوگی جب موحدین میں سے جسے بھی اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرنا چاہے گا اسے داخل کرنے کے بعد صاحبِ سجلات کی فضیلت کا اظہار فرمائے گا اس وقت باقی وہی لوگ ہوں گے جنہیں بہشت میں داخل کرنا مطلوب ہوگا اس لیے کہ جن لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم میں داخل کر کے پھر شفاعت سے یا رحمتِ ایزدی سے بہشت میں داخل کرنا مقدر کیا ہوگا ان کے لیے وزن اعمال کا کیا معنےٰ، اس لیے کہ ان کے لیے بھی وزن اعمال ہوگا تو کلمۂ توحید کا اظہار ضروری ہوگا اور اسے اب ظاہر نہیں کرنا اور اسے دوزخ میں داخل کر کے بہشت میں داخل کرنا بھی ہے تو ایسے لوگوں کے لیے وزن اعمال کا کیا فائدہ۔ ہاں صاحبِ سجلات اس سے مستثنیٰ ہے اور وہ اس کا فضل ہے وہ جس پر جس طرح چاہے کرے۔ یہ میرے (حقی کے) شیخ کی تحقیق ہے۔

مسئلہ : یہ اعمال اعضاء ظاہرہ کا حال تھا یعنی سمع، بصر، ہاتھ، پیٹ، فرج اور پاؤں وغیرہ، اور اعمال باطنہ اسی ظاہری ترازو سے نہیں تولے جائیں گے بلکہ عدل یعنی میزان حکمی سے ان کا وزن ہوگا اس لیے محسوس کا وزن محسوس سے اور معنے کا معنے سے، اس لیے کہ ہر شے اپنے ہم مثل کے بالمقابل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وزن ان اعمال کا ہوگا جسے ملائکہ نے لکھ لیا ہوگا۔ اور مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ ذکرِ خفی وہ ہے جس سے کراماً کاتبین بھی بے خبر رہے اسے توحید حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسے توحیدِ باطنی بھی کہتے ہیں۔ یہ میزان صوری میں داخل نہ ہوگا اس لیے کہ اسے نہ لکھا گیا اور نہ ہی میزان میں داخل ہو سکے گا۔

مسئلہ : میزان پلصراط کے اوپر ہے اور اسی حساب سے بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ ہاں جن حضرات کا کوئی حساب نہ ہوگا اور وہ بہشت میں بلا حساب داخل ہوں گے۔ یہ حساب ان اہلِ ایمان کے لیے ہوگا جن کے اعمال نیک و بد دونوں طرح کے ہوں گے۔

ف : مشائخ فرماتے ہیں کہ دنیا میں میزان تین ہیں :

۱۔ میزان النفس والروح

۲- میزان القلب والعقل

۳- میزان المعرفۃ والسر

میزان النفس والروح سے امر و نہی مراد ہے، اس کے دو پلڑے وعدو وعید ہیں۔

میزان القلب والعقل ایمان و توحید ہے اور اس کے دو پلڑے ثواب و عقاب ہیں۔

میزان المعرفۃ والسر رضا و غضبِ الٰہی اور اس کے دو پلڑے ہرب و طلب ہیں۔

ف : مشائخ نے فرمایا کہ جو اس دنیا میں اپنے نفس کا میزان ریاضت و مجاہدات سے اور قلب کا مراقبات سے اور عقل کا اعتبارات اور روح کا مقامات سے اور سر محاضرات و مطالعہ غیوب اور صورت کا معاملات سے وزن کرتا ہے اور اس کے دو پلڑے حقیقت و طریقت ہیں اور اس کی لسان شریعت اور اس کے عمود عدل و انصاف ہے۔ ایسے شخص کا قیامت میں شرف میں وزن ہوگا اور جو اپنے قلب کا میزان اللطف اور اپنے عقل کا میزان نور اور اپنے روح کا میزان السرور اور اپنے سر کا میزان الوصول اور صورت کا میزان قبول سے وزن کرتا ہے تو اگر موازین بوجھل ہوئے تو اسے فراق سے امن نصیب ہوگا اور قلب کی جزاً اسرار میں مشاہدہ شرف حاصل ہوگا اور عقل کی جزاً مطالعہ صفات سے اور روح کی جزاً کشف انوار ذات سے اور سر کی جزاً ادراک الاسرار القدسیات سے اور صورت کی جزاً وصال الابدیات کی مجالس میں جلوس کی شرافت نصیب ہوگی۔ نیز اعمال کو اخلاص کے میزان سے بھی تولا جائے گا۔ اسی طرح صدق کو احوال سے ؎

بصدق کوش کہ خورشید ز آید از نفست
کہ از دروغ سیہ روی گشت صبح نخست

جس کے اعمال میں ریاٗ ہوگا اس کے اعمال قبول نہیں ہوں گے ؎

منہ آب زر جان بہ پشیز
کہ صراف دانا نگیرد بچیز

ترجمہ : اے دوست! تانبے پر سونے کا پانی نہ لگا کیونکہ صراف اسے کسی قیمت میں نہ لے گا۔

جس کے اعمال عجب میں ملوث ہوں گے اس کے احوال باطنی میں ترقی نہ ہوگی ؎

حال خود از عجب تخلیص کن — از عمل توفیق را تخصیص کن
گر بخواہی تا گراں منے شوی — وزن کن حالت بمیزان شوی
چوں ترازوئے تو کج بود و دغا — راست جوئی ترازوئے جزاٗ

ترجمہ : ۱۔ اپنا حال عجب سے خالص کر کے عمل کو توفیقِ الٰہی سے خاص کر۔

۲۔ اگر چاہتے ہو کہ تمہارا بوجھ بھاری ہو اپنے حال کو میزان کے مطابق کیجئے۔

۴۔ جب تیرا ترازو ٹیڑھا ہو اور تیرے اعمال کھوٹے، پھر تیرا جزا کا ترازو اچھا طلب کرنا (حماقت ہے)۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ بخدا ہم نے موسٰی و ہارون علیہما السلام کو ایسی کتاب عنایت فرمائی جو حق و باطل کے درمیان فرق بتانے والی اور روشنی دینے والی ہے کہ جس سے ظلمات حیرۃ وجہالت میں روشنی حاصل کی جا سکے اور ذکر کہ جس سے لوگ نصیحت حاصل کر سکیں۔ ان جمیع صفات سے ایک شے مراد ہے یعنی توراۃ اور متقین کی تخصیص صرف اسی لیے ہے کہ اس سے صرف وہی استفادہ و استفاضہ اور اس کے مغانم آثار سے غنیمت حاصل کرنے والے ہیں

اَلَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ یہ محلاً مجرور اور متقین کی صفت مادحہ ہے یعنی وُہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں بِالْغَیْبِ یہ مفعول یعنی ربھم سے حال ہے یعنی عذابِ الٰہی سے ڈرتے ہیں درانحالیکہ اللہ تعالیٰ ان سے غائب ہے اور وہ اسے نہیں دیکھ رہے اس میں کافروں کو تعریض ہے کہ یہ لوگ کتنے اچھے ہیں باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں لیکن اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور تم کتنے بدبخت ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اس وقت ڈرتے ہو جب عذاب تمہارے سروں پر منڈلاتا ہے وَھُمْ مِّنَ السَّاعَةِ الساعۃ اس گھڑی کا نام جس میں قیامت قائم ہو گی۔ اور اسے الساعۃ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں ایک عظیم حادثہ ہو گا یا اس لیے کہ گویا وہ اس امرِ عظیم کے وقوع کی طرف سعی کر رہی ہے اور اس کی مسافت یہی گھڑیاں ہیں جو گزر رہی ہیں۔

ف: امام راغب نے کہا کہ الساعۃ 'الزمان کا ایک جز ہے جس سے قیامت مراد ہوتی ہے اور اسے ساعۃ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں جلد تر حساب ہو گا، کما قال تعالیٰ:

وھو اسرع الحاسبین۔

اور اس پر تنبیہ فرمائی۔ کما قال:

کانھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نہار۔

اور فرمایا:

یوم تقوم الساعۃ یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعۃ۔

پہلی ساعۃ سے قیامت اور دوسری سے زمانہ کا قلیل حصّہ مراد ہے۔

مُشْفِقُوْنَ اسی سورۃ میں اشفاق کی تحقیق گزری ان کا قیامت سے گھبراہٹ کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اس لیے خصوصیت سے ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ قیامت جملہ خوفناک امور سے زیادہ خوفناک ہے وَھٰذَا اور یہ قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے اور اسے اسم اشارہ سے اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ قرآن مجید کا امر ایسا واضح ہے کہ گویا محسوس مشاہد ہے ذِكْرٌ نصیحت حاصل کرنے والے کے لیے نصیحت ہے مُّبٰرَكٌ کثیر الخیر والنفع ہے کہ اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اسے نازل کیا اپنے محبوب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ یہ ذکر کی صفت ہے یا خبر کے بعد خبر ہے اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ یہ ان کے انکار کا انکار ہے جبکہ قرآن مجید کا نزول توراۃ کی طرح واضح امر ہے تو پھر انکار کیوں۔ گویا انھیں کہا گیا ہے:

کہ جب قرآن مجید کا نزول اور وحی من اللہ ہونے میں واضح تر ہے تو پھر اس کی حقانیت کا انکار کیوں کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ نبی علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے بلکہ اپنی طرف سے بنایا گیا ہے۔

ف: بعض مشائخ کرام نے فرمایا کہ قرآن مجید فی نفسہٖ مبارک ہے جاہل اسے سنے یا نہ سنے اور اسے مانے یا نہ مانے اور جو اسے محبت اور شوق سے سنتا ہے اور چاہتا ہے کہ کلام والے کا مشاہدہ نصیب ہو پھر وُہ اس کے احکام کا پابند ہوتا ہے اور اس کے ارشادات پر چلتا ہے تو وہ اپنے دل میں لذت پائے گا اس شوق و محبت میں رہنے سے اسے مرکز یعنی رؤیتِ حق تک رسائی نصیب ہوگی۔

حدیث شریف جس دل میں قرآن مجید کی ایک آیت بھی نہ ہو وہ دل ویران گھر کی طرح ہے۔

حدیث شریف اپنے گھروں کو گورستان مت بناؤ۔ یعنی گھروں میں قرآن مجید کی تلاوت کیا کرو تاکہ وہ قبرستان کی مانند نہ ہوں اس لیے کہ جس گھر میں قرآن مجید کی تلاوت نہ کی جائے تو وہ گھر قبرستان جیسا ہے کہ جیسے قبرستان میں تلاوت قرآن مجید اور طاعت اور ذکرِ الٰہی نہیں ہوتا ایسے ہی اس گھر کا حال ہے جس میں تلاوتِ قرآن مجید اور طاعت اور ذکرِ الٰہی نہیں ہوتا۔

افسوس (صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں) مجھے اپنے دور کے لوگوں سے رونا آتا ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کی تلاوت ترک کر کے اشعار و غزلیات و اہلِ ہوٰی کے کلام سے دل لگا دیا ہے۔[1]

حضرت کمال خجندیؒ نے فرمایا: ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلان زکلام حقت ملولی چیست

ترجمہ: قرآن کے سننے سے تیرا دل گھبراتا ہے، وہ کیوں۔ باطل سے دل گھبرانا چاہیے لیکن حق کلام سے تمھیں گھبراہٹ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ وُہ نور جو حق و باطل بلکہ خلق و خالق اور حدوث و قدم کے درمیان فرق بتاتا ہے وُہ نور ہے جو اپنے مخلصین کاملین بندگان جیسے اولیاء کرام و انبیاء علیہم السلام کے قلب پر وارد فرماتا ہے اس کا حصول علوم شرعیہ کے مطالعہ و تکرار سے نصیب ہوتا ہے۔ عقلی علوم و فلسفی فنون سے حاصل نہیں ہوتا اس نور میں ایک خصوصی چمک، اور نصیحت ہوتی ہے جس سے صرف وہ حضرات روشنی پاتے ہیں جو توحید کی برکت سے شرک سے، اور شرع کی برکت سے طمع سے، اور اخلاص کی برکت سے ریا سے نجات پاتے ہیں **وھٰذا ذکر مّبٰرک** اور یہ قرآن مجید ذکرِ مبارک اس

---

[1] یہ دو تین صدی پہلے کی بات ہے اور آج تو حالت اس سے کہیں ابتر ہے۔ اویسی غفرلہٗ

خوش قسمت انسان کے لیے ہے جو اس نور سے یقین کرتا اور نصیحت پاتا ہے **انزلنا** ہم نے اس خوش قسمت انسان کے قلب پر نازل فرمایا اسے عقلی طور اور نظر و فکر سے نصیب نہیں ہوگا۔ اے لوگو! تم مانتے نہیں ہو کہ واقعی وہی نور ہماری ہدایت سے حاصل ہوتا ہے۔

حکایت سلاطین عثمانیہ کے مورثِ اعلیٰ غازی عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اتنا بڑا مرتبہ قرآن مجید کے احترام کی وجہ سے نصیب ہوا۔ واقعہ یوں ہے کہ غازی عثمان بہت بڑا سخی انسان تھا آنے جانے والوں کو بہت بڑی نعمتوں سے نوازتا۔ اس کی سخاوت سے لوگ ٹوٹ پڑے۔ اس کے ہمسائیگان کو شاق گزرا اور طرح طرح کی تکلیفوں اور اذیتوں پر تل گئے۔ غازی عثمان پڑوسیوں کی شکایات حاجی بکتاش کو سنانے چلے یا کسی اور حاکم کو۔ راستے میں ایک شخص کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا جس کے گھر پر قرآن مجید لٹکا ہوا تھا۔ پوچھا: یہ کیا شے ہے؟ جواب ملا: یہ کلامِ الٰہی ہے۔ غازی عثمان نے کہا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا کلام ہو وہاں بیٹھے رہنا بے ادبی ہے اس لیے ادب کے طور قرآن مجید کے سامنے ہاتھ باندھ کر ساری رات کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوئی اور وہاں سے روانہ ہوا تو راستہ میں ایک آدمی ملا اور کہا کہ میں تیرا مطلب و مقصد ہوں یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے تاکہ آپ کو مبارک دوں کہ آپ نے کلامِ الٰہی کی عزت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے صلے میں آپ کے اور آپ کی اولاد کے حق میں سلطنت مقدر فرمائی ہے اور فرمایا کہ درخت سے ایک لکڑی کاٹ کر اس پر کپڑا باندھے یہی آپ کا جھنڈا ہے۔ چنانچہ ایسے کیا تو سلطان غازی عثمان کے گرد بہت بڑی جماعت جمع ہوگئی تو اسی جماعت کی طاقت سے پہلا حملہ بلجک پر کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فتح کر لیا اس کے بعد سلطان علاء الدین نے مستقل بادشاہی کی اجازت دی تو اس کے بعد مستقل بادشاہ بن بیٹھے۔

ف: اس حکایت سے چند فوائد مرتب ہوئے:

۱۔ بادشاہی بھی نبوت کی طرح عطائے الٰہی ہے۔

۲۔ سخاوت باب المراد کی چابی ہے۔

۳۔ حیرت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں بہت بڑی تاثیر ہے۔

۴۔ کلامِ الٰہی کی تعظیم سلطنت صوری یا معنوی کے حصول کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ذکر مبارک رکھا ہے۔

۵۔ کلامِ الٰہی کی بے قدری اپنی طاقت و قوت ضائع کرنے کے مترادف ہے بلکہ خود بے عزتی کرنے والے کا ستیاناس ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ صاحبِ روح البیان کے زمانہ میں ہوا کہ جس طرح سلاطین عثمانیہ کو ترقی نصیب ہوئی اسی طرح سلطان محمد رابع کے زمانے میں تنزل کا آغاز ہوا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سلطان محمد رابع نے قرآن مجید کی عزت و احترام سے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت میں زوال پیدا فرمادیا

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں قرآن مجید کی محبت اور اس کی روشنی پیدا فرمائے۔ (آمین)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ
التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ○ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ○ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ○ قَالَ
بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○
وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا
لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○
قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ○ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ
هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○
ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ○ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ○ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ○ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ○ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا
وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ○ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ○ وَنَجَّيْنٰهُ وَ
لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ○ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ
وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ○ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ
وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ○ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّ
نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ○ وَاَدْخَلْنٰهُ
فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

ترجمہ: اور بیشک ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اس سے پہلے اس کی نیک راہ بنائی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے اور جب اس نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے کہا یہ مورتیں کیا ہیں جن کے آگے تم عبادت کے لیے جمے بیٹھے ہو۔ انھوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا۔ کہا بیشک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہو انھوں نے کہا تم ہمارے ہاں حق لائے ہو یا یونہی مذاق کرتے ہو۔ کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے انھیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں اور بخدا میں تمہارے بتوں سے کچھ کر گزروں گا بعد اس کے کہ تم پیٹھ دے کر چلے جاؤ گے۔ تو ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سوائے ان کے

بڑے بت کے۔ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا بیشک وہ ظالم ہے بولے کہ ہم نے ایک نوجوان کا نام سُنا تھا جو انھیں بُرائی سے یاد کرتا تھا جسے ابراہیم (علیہ السلام) کہا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا تو اسے لوگوں کے روبرو لاؤ شاید وہ گواہی دیں۔ کہنے لگے اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تُو نے ہمارے بتوں سے یہ حرکت کی ہے۔ کہا ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا تو ان سے پوچھو اگر وہ بول سکتے ہیں تو وہ اپنے جی کی طرف لوٹے اور کہنے لگے کہ بیشک تم ظالم ہو پھر اپنے سروں کے بل اُلٹے کیے گئے کہ تحقیق تمہیں علم ہے کہ یہ نہیں بولتے، کہا تو کیا تم ایسے کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ ضرر پہنچائے۔ تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو تو کیا تم بے عقل ہو کہنے لگے اسے آگ لگا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کچھ کر سکتے ہو۔ ہم نے کہا اے آگ ابراہیم (علیہ السلام) پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ اور انھوں نے اس کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کیا تو ہم نے انھیں سب سے زیادہ ناکام بنا دیا اور ہم نے اسے لُوط (علیہ السلام) کو نجات بخشی اس زمین کی طرف جس میں ہم جہان والوں کے لیے خیر و برکت رکھی اور ہم نے اسے اسحاق (علیہ السلام) عطا کیا اور یعقوب (علیہ السلام) پوتا اور ہم نے سب کو نیک بنایا اور ہم نے انھیں مقتدا بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے اور ہم نے ان کے پاس نیک کاموں اور نماز قایم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی بھیجی اور ہمارے عبادت گزار تھے اور ہم نے لُوط (علیہ السلام) کو حکومت اور علم بخشا اور اسے اس بستی سے نجات دی جس کے باشی گندے فعل کرتے تھے بیشک وہ لوگ بڑے بُرے اور فاسق تھے۔ اور ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل کیا بیشک وہ نیک تھے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ۔ الرشد خلاف الغی یعنی مصالح دین ودنیا کا اہل ہونا۔ کامل رشد اسے حاصل ہے جو نبوّت کا اہل ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بخدا ہم نے اپنے جلال وعظم شان سے ابراہیم علیہ السلام کو ان کے شان کے لایق رشد بخشا جیسے دوسرے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو ان کے لائق رشد عطا ہوا۔

سوال: تم نے اولوالعزم کا اضافہ کیوں کیا۔

جواب: رشد کی ابراہیم علیہ السلام کی طرف اضافت سے یہی معنیٰ ظاہر ہوتا ہے۔

مِنْ قَبْلُ ہارون وموسیٰ علیہما السلام کو توراۃ دینے سے پہلے۔

سوال: قرآن مجید کے نزول کو ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ کون سی مناسبت ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام سے پہلے انہی کا ذکر فرمایا۔

جواب: قرآن مجید کے مضامین کو ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے مشابہت تامہ ہے اسی لیے ان کا ذکر مناسب ہوا۔

وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اور ہم پہلے سے جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے رشد و نبوت کے اہل ہیں۔
سوال: ظرف یعنی بہ جار مجرور کی عٰلمین پر تقدیم کیوں؟
جواب: مضمون کے مہتم بالشان ہونے اور آیت کے فواصل کی وجہ سے۔
ف: آیت ہذا کی نظیر دُوسری آیت اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ہے۔
ف: اس سے معلوم ہوا کہ اہلیت بھی خداداد عطیہ ہوتی ہے ؎

قابلے گر شرط فعل حق بدے
ہیچ معدومے بہستی نامدے

ترجمہ: قابلیت اگر فعل حق کے لیے شرط ہوتی تو معدوم کی طرح ہستی میں ہرگز نہ آتا۔
مسئلہ: قابلیت صفۃ حادثہ اور مخلوق کے صفات سے ہے اور عطا صفت قدیمہ صفات باری تعالیٰ سے ہے اور قاعدہ ہے کہ قدیم حادث پر موقوف نہیں ہوتا۔
اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ - یہ اٰتینا کی ظرف ہے۔ چونکہ یہ ظرف زمان ہے اس کی وسعت کی وجہ سے اٰتینا کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام کے جملہ افعال واقوال اس میں واقع ہوسکتے ہیں۔
مسئلہ: آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کے عدم ذکر سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی والدہ مومنہ تھیں۔ (کذا قال صاحب روح البیان) اس لیے کہ آپ نے باپ اور جملہ قوم سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور والدہ سے بیزاری کا ذکر نہیں اور قوم سے اہلِ بابل مراد ہیں جو عراق میں ایک علاقہ ہے۔ یہ ایک مشہور شہر تھا جو عبادان سے موصل کی طرف طولاً اور قادسیہ حلوان کی طرف عرضاً واقع تھا اور اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ یہ فرات و دجلہ کے کنارے پر واقع تھا۔
مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ یہ تصویریں کیا ہیں جن کی تم پرستش کر رہے ہو۔ التماثیل تمثال کی جمع ہے۔ ہر وُہ تصویر جو اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق کی ہم شکل تیار کی جائے اور ممثل ہر وہ صورت جو دوسرے کی مثال سے تیار کیا جائے جیسے مثلت الشیٔ بالشیٔ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ایک شے کو دوسری شے سے تشبیہ دی جائے۔
العکوف بمعنے کسی شے کی طرف متوجہ ہونا اور کسی غرض سے علی سبیل التعظیم ہر وقت اس کے ساتھ رہنا، اور یہ عبادت کے معنے کو متضمن ہے۔ جیسا کہ آنے والے جواب سے بھی ثابت ہوتا ہے اسی لیے اس کا صلہ لفظ لام آیا ہے ورنہ لغۃً اس کا صلہ لفظ علیٰ آتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ بُت کیا شے ہیں جن کی تم پرستش کر رہے ہو اور ہر وقت ان کے ساتھ رہتے ہو۔
ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال تجاہل[1] ہے ورنہ انھیں ان بتوں کی حقیقت معلوم تھی کہ یہ پتھروں یا درختوں سے تیار کیے گئے ہیں۔

---

[1] عمداً بے خبر ظاہر کرنا ۱۲

کاشفی نے لکھا کہ وہ بُت بہتر (۷۲) تھے۔ اور صاحبِ تیسیر فرماتے ہیں کہ نوّے (۹۰) تھے۔ اور

بتوں کی تعداد تبیان میں ہے کہ ان کی صورتیں درندوں، پرندوں، جانوروں اور انسانوں کی طرح بنائی گئی تھیں اور ان کا بڑا بُت سونے کا تھا دو شاہانہ موتی اس کی آنکھوں میں رکھے ہوئے تھے۔ بعض بتوں کی صورتیں ستاروں کے مطابق تھیں۔

حکایت سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ایک دفعہ ایک قوم سے گزر ہوا جو شطرنج کھیل رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ماھٰذہ التماثیل۔ یہ تصویریں کیا ہیں۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

شطرنج اور کھیل بازی کی مذمّت روایت مذکورہ سے ثابت ہُوا کہ کھیل بازی اور شطرنج نہایت مذموم و مقبوح ہیں کہ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی مذمت کے ارادے سے ماھٰذہ التماثیل التی فرمایا، ایسے ہی شطرنج کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ماھذہ التماثیل کہہ کر اس کی مذمت فرما دی۔

ف: شطرنج وغیرہ کے انہماک میں ٹوٹ پڑنا ایسے ہے جیسے بُتوں کے پجاری بُت پرستی کے انہماک میں ٹوٹ پڑے۔

مسئلہ: صاحبِ ہدایہ نے لکھا کہ نرد و شطرنج و اربعۃ عشر (کھیل کا نام ہے[1]) مکروہ ہیں اس لیے کہ یہ لہو ہیں اور اگر ان میں شرط لگائی جائے تو حرام ہے کیونکہ میسر کی حرمت نص سے ثابت ہے۔ اگر شرط نہ لگائی جائے تب بھی عبث فعل ہے اور ہر عبث لہو اور ہر لہو باطل ہے۔

حدیث شریف مومن کی ہر لہو باطل ہے سوائے تین امور کے:
۱۔ اپنے گھوڑے (جنگی و دیگر معاشی ضروریات کے لیے) کو طور طریقے سکھانا۔
۲۔ تیر کو کمان سے چھوڑنا (جنگ یا شکار و دیگر معاشی ضروریات کے لیے)
۳۔ اپنی اہلیہ (زوجہ) سے جماع کے لیے (یا ویسے بھی)۔

مسئلہ شافعیہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے شطرنج کھیلنے کا جواز منقول ہے اس لیے کہ اس سے دل کی گھبراہٹ دور ہوتی ہے لیکن زین العرب شرح المصابیح میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وصال سے چالیس روز پہلے اس قول سے رجوع فرمایا۔ اسی لیے امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاصہ میں لکھا کہ شطرنج کا کھیل مکروہ ہے۔ ایسے ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول اخیر میں فرمایا: اور مکروہ کیوں نہ ہو جبکہ اس میں مجوس کے طریقے کو رواج دینا ثابت ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شطرنج اور نردشیر سے کھیلتا ہے وہ گویا خنزیر کے

---

[1] تاش کے پتے۔

خون میں اپنا ہاتھ ڈبوتا ہے۔

سوال : ابنِ خیام نے کہا ؎

زمانے بحث و درس قیل و قالے — کہ انسان را بود کسب کمالے

زمانے شعر و شطرنج و حکایات — کہ خاطر را شود دفع ملالے

ترجمہ : بحث و درس، دیگر قیل و قال اور دیگر کاروبار میں رنج و تکلیف لاحق ہوتی ہو تو شعر و شطرنج و حکایات سے دل بہلا کر دل کا ملال دور کر لے۔

جواب : یہ باطل قول ہے جو خواہش نفسانی سے لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس اور اس کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ دین کا طریقہ ہے کہ وہ اہل دنیا کے حالات سے نور رشد پاتے ہیں۔ جب انھیں دیکھتے ہیں کہ وہ خواہشات نفسانی کے بتوں اور شہوات پر ٹوٹ پڑتے ہیں تو انھیں دیکھ کر ان سے پوچھتے ہیں یہ کیا تصویریں ہیں جن پر تم منہمک ہو کر ٹوٹ پڑے ہو۔ اگر اہلِ دین کو نور رشد اللہ تعالیٰ سے نصیب نہ ہوتا تو وہ بھی ان کے ساتھ خواہشاتِ نفسانی پر ٹوٹ پڑتے جیسے اہلِ دنیا ان خواہشاتِ نفسانی میں مبتلا ہیں وہ بھی ان کے ساتھ مبتلا ہوتے۔

تفسیرِ عالمانہ قَالُوْا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا ان سے ابراہیم علیہ السلام نے اصنام پرستوں سے پوچھا کہ تم کو ان کی پرستش پر کس نے ابھارا، تو انھوں نے کہا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ہم نے آباؤ اجداد کو ان کی پرستش کرتے پایا تو ہم بھی ان کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ جواب ایسے لوگ دیتے ہیں جو سائل کو پختہ دلیل پیش کرنے سے عاجز ہوں قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بخدا اے اندھے مقلدو! تم اور تمہارے آباؤ اجداد جنہوں نے بت پرستی کا باطل طریقہ شروع کیا کھلی گمراہی میں ہو اور تمہاری اور ان کی خطا ظاہر ہے جسے ہر ایک جانتا ہے اور نہ تمہارے پاس اس کی دلیل ہے نہ تمہارے آباؤ اجداد کے پاس۔

مسئلہ : تقلید اس امر میں جائز ہے جس کی حقانیت واضح ہو اور قائلین و عاملین کی کثرت سے باطل حق نہیں ہو جاتا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ خواہشات نفسانی اور بُری رسوم میں عوام پر تقلید غالب ہوتی ہے۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ رشد و ہدایت نصیب فرمائے تو وہ ایسی اندھی تقلید سے محفوظ و مامون ہوتا ہے۔

غیر مقلدین کا ردّ واعلم ان التقلید قبول قول الغیر بلا دلیل۔ جان لو کہ کسی کی بات کو دلیل کے بغیر مان لینے کو تقلید کہا جاتا ہے[1] اور ہم اہلسنت (احناف و شوافع وغیرہم) کے نزدیک صرف فروع و عملیات (مسائل عامہ)

---

[1] یہ عام انسان کے لیے ہے اور چونکہ وہ جانتا ہے کہ جس کی میں تقلید کر رہا ہوں وہ سوائے قرآن و حدیث کے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا اسی لیے اس کے قول کو بلا دلیل مان لیتا ہے۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ سرے سے قرآن و حدیث کو کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ وہابیہ غیر مقلدین کی ایک شرارت ہے۔

[2] حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدین کے عوام اپنے پڑھے لکھے چند اشخاص کے اور ان کے پڑھے لکھے اپنے سے بڑوں کے مقلد ہیں۔ تقلید سے وہ بھی خالی نہیں لیکن ضد کا علاج کون کرے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

میں تقلید جائز ہے اور اصول دین و اعتقادیات میں تقلید ناجائز ہے بلکہ ان میں نظر و استدلال ضروری ہے۔

مسئلہ : احناف کے نزدیک مقلد کا ایمان بھی صحیح ہے۔ اسی طرح ظاہریہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ امور جو انسان کو ماننا واجب ہے مثلاً عالم کو حادث اور وجود صانع اور اس کے صفات قدیمہ اور ارسال الرسل اور وہ جو کچھ لائے سب حق ہے اسے ایمان کہا جاتا ہے اور ان امور کو جو شخص بلادلیل مانتا ہے تب بھی اس کا ایمان صحیح ہے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعراب (دیہاتیوں) کے بچوں، عورتوں، غلاموں، کنیزوں کا ایمان تعلیم الدلیل کے بغیر تسلیم فرماتے تھے۔

مسئلہ : اگر کوئی ایسے امور میں غور وفکر اور استدلال نہیں کرتا تو گنہگار ہوگا اس لیے ایسے امور میں غور وفکر اور استدلال واجب ہے۔

مسئلہ : فصل الخطاب میں ہے کہ جو شخص اہلِ اسلام میں پیدا ہوا اور ان میں نشوونما اور تربیت پاکر جوان ہوا اور اپنے مسلمان ہونے کا مدعی ہے اور کلمۂ اسلام پڑھتا اور اسلام کا نام لیوا ہے اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے صنائع و عجائبات کو دیکھ کر سبحان اللہ کہتا ہے تو ہم اسے تقلیدی مومن نہیں کہیں گے اس لیے کہ رؤیت مصنوعات سے سبحان اللہ کہنا ہی اس کے غور وفکر اور استدلال کی دلیل ہے۔ (بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے عوام اہلِ اسلام ایسے استدلال سے بہرہ ور ہیں فلہذا یہ محقق مومن ہیں نہ مقلد محض اس سے انگریزوں اور کیمونسٹوں کے اوہام کا قلع قمع ہوگیا جبکہ ہمارے عوام اہلِ اسلام کو ایمان کی اندھی تقلید پر مطعون ٹھہراتے ہیں)

ف : ہمارے عوام کا مصنوعاتِ الٰہی کو سبحان اللہ یا اس قسم کے الفاظ کے کہنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس عجیب وغریب شے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کسی کو قدرت نہیں کہ وہ اس طرح کی اشیاء پیدا کر سکے اسے اہلِ علم "استدلال بالاثر" سے تعبیر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس طریقے سے بات کرنے والا صانع کی قدرت و ارادہ وغیرہ کو ثابت کر رہا ہے اور استدلال سے بھی یہی مطلوب ہوتا ہے کہ اثر سے موثر کی طرف اور مصنوع سے صانع کی طرف انتقال کیا جائے اور وہ عامی مسلمان سے صادر ہو رہا ہے اور یہی استدلال ہے خواہ وہ جس طریقے سے ہو۔ یہ کب لازم ہے کہ استدلال کے وقت کہا جائے کہ یہ صغریٰ کبریٰ ہے اور فلاں حد اوسط ہے اور مقدمات کو ترتیب دے کر فلاں شکل سے نتیجہ نکلا ہے جیسے علم معقول کا قاعدہ ہے۔

ف : (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جو بھی مصنوعاتِ عجیبہ کو دیکھ کر سبحان اللہ وغیرہ پڑھ دے وہ مسلمان ہے بلکہ اس کا اپنے لیے مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی ہو جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے وہ اس لیے کہ ہمارے زمانہ میں کافر و سکھ، ہندو، مجوس و دیگر غیر مسلم اقوام اسلامی آبادیوں میں جہالت کے غلبہ سے اسلامی شعار غیر شعوری طور پر ادا کر لیتے ہیں، بلکہ مسلمانوں کی طرح ہر عجیب وغریب شے پر "سبحان اللہ" تک بھی کہہ دیتے ہیں اس سے لازم نہیں کہ ایسے طریقے اختیار کرنے والا مسلمان ہو بلکہ وہ تو عام رسم و رواج کے تحت وہی کہہ رہا ہے جو اس کے علاقہ کے عوام مسلمان کہتے ہیں کہ جب وہ سیلاب عظیم یا بہت بڑے درخت اور آگ کے بڑے بڑے شعلے یا اس قسم کے عجیب وغریب امور دیکھتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں سبحان اللہ۔ تو وہ غیر مسلم بھی ان کی دیکھا دیکھی ایسے امورِ عجیبہ کے وقت کہہ دیتا ہے سبحان اللہ، حالانکہ اس کے دل میں نہ عقیدہ ہے نہ اس کا وہم وگمان ہے کہ اس عجیب وغریب امر کا خالق وصانع اللہ تعالیٰ ہے۔

حکایت (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا) میں نے ایک ذمی کافر ملاح کو دیکھا کہ کشتی میں نوکروں کو مختلف اور شدید امور میں کہتا کہ کوشش کرو اور غیرت مند بنو اس لیے کہ غیرت ایمان سے ہے حالانکہ اسے اور اس کے نوکروں کو خبر تک نہ تھی کہ غیرت کیا ہے اور ایمان کیا، ورنہ مجوس کافر ہو کر ایسے الفاظ نہ کہتے۔ یہ صرف اہلِ اسلام میں رہ کر ایسے کلمات عام رواج کے مطابق کہہ دیا کرتے (اسی طرح ہمارے عوام اہلسنت بعض امور غلطی سے ہندوانہ (جبکہ ایک عرصہ ہندو کے ساتھ ر...) رسوم کرتے یا منہ سے بک دیتے ہیں تو انہیں مشرک اور بے دین کہہ دینا وہابیہ کا کام ہے ورنہ انہیں ایسے غلط اقوال و اعمال اسلام سے خارج نہیں کرتے۔ فافہم ولا تکن من الوہابیین لان الوہابیۃ قوم لا یعقلون۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ وہ تقلید کو چھوڑ کر تحقیق تک رسائی حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق بخشے۔ (آمین)

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خواہی بصوب کعبۂ تحقیق رہ بر دے
پے بر پے مقلد کم کردہ رو برو

ترجمہ: تم چاہتے ہو کہ کعبہ تحقیق میں راہ راست سے پہنچوں تو کسی مقلد کے قدموں پر نہیں بلکہ اپنے قدموں کے ساتھ چلو۔

اور فرمایا: ؎

مقلدان چہ شناسد داغ ہجرانرا
خبر ز شعلۂ آتش ندارد افسردہ

ترجمہ: مقلد کو داغِ ہجر کی کیا خبر، شعلۂ آتش کا افسردہ کو کیا علم۔

ف: اس سے محقق و مقلد کا فرق معلوم ہو گیا۔ جو اللہ تعالیٰ کا طالب ہے وہ تحقیق کرتا ہے اور وہ ڈوبے ہوئے کا سہارا نہیں لیتا۔ (کما لا یخفی)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ کافروں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کیا آپ ہمارے ہاں سچی اور یقینی بات فرما رہے ہیں اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ یا ہمارے ساتھ مزاح کر رہے ہیں۔ بت پرستوں نے سمجھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین قدیم اور اس کی شان و شوکت اور ان کی کثرت کے باوجود ان سے ٹھٹھا مخول کر رہے ہیں۔

لطیفہ اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ دنیا کو اللہ والے لہو و لعب میں پاتے ہیں اس لیے کہ دنیا لہو و لعب ہے۔ کما قال تعالیٰ: ذرھم وھم فی خوضھم یلعبون۔ اسی طرح اہلِ دنیا اللہ والوں کو لہو و لعب اور دین کو عبث اور بیکار عمل سمجھتے ہیں۔

قَالَ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کر رہا بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بلکہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ابتداءً پیدا فرمایا۔ پہلے ان کی کوئی مثال نہیں وہی

تمہارا خالق اور وہی تمہارا پرورش کنندہ ہے هُنَّ کی ضمیر السمٰوٰت والارض کی طرف یا تماثیل کی طرف راجع ہے۔ یعنی جب تمہارا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو پھر تم اس کی مخلوق یعنی بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ اور میں نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے کہ تمہارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے اس کے سوا اور کوئی بھی تمہارا رب نہیں ہو سکتا وہ کیسا ہی بلند مرتبت کیوں نہ ہو مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ میں ان شاہدین سے ہوں جو اس حقیقت کو جانتے اور اس کو دلائل و براہین سے ثابت کر سکتے ہیں۔

سوال : شاہد اس کو کہتے ہیں جو حقیقت اور واقعہ کو آنکھوں سے دیکھ کر گواہی دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کی تخلیق وغیرہ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا نہ کسی اور نے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے علاوہ دوسروں کو کیسے شاہد فرمایا۔

جواب : استعارۃً ومجازاً اپنے آپ کو شاہدین سے فرمایا اس لیے کہ جسے اپنے دعویٰ پر مضبوط اور پختہ حجت اور برہان حاصل ہو تو وہ گویا عینی شاہد ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ میں اپنے دعویٰ میں مذاق نہیں کر رہا بلکہ منجملہ ان لوگوں سے ہوں جو اپنے دعویٰ کو دلائل و براہین کے ایسے درجہ میں پہنچاتے ہیں کہ گویا وہ عینی شاہد ہیں کہ جن کے دلائل و براہین سے دعاوی قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جاتے ہیں۔

ربط : کاشفی نے لکھا کہ نمرودیوں کی عید کا ایک دن تھا۔ اس دن وہ میدان میں جاتے اور شام تک سیر کر کے واپس بت خانہ میں آجاتے اور بتوں کو بنا سنوار کر ان کے سامنے گاتے بجاتے۔ پھر پرستش کی رسمیں ادا کر کے اپنے گھروں میں چلے جاتے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بعض لوگوں سے ان مورتیوں کے بارے میں مناظرہ کیا تو وہ بولے: کل ہماری عید کا دن ہے شہر سے باہر آکر دیکھنا کہ ہمارے دین اور ہمارے آئین میں کس قدر زیبائش ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے دن جب وہ صحرا کو جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنے ساتھ لیجانا چاہا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کا اظہار کر کے معذرت کی فقال انی سقیم اور فرمایا میں تمہارے بتوں کی پرستش سے معذور ہوں۔ (کذا فی القصص) بت پرستوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معذور سمجھ کر گھر پر چھوڑ دیا اور آپ نے دل ہی دل میں ان سے فرمایا وَتَاللّٰهِ بخدا لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ البتہ میں تمہارے بتوں کو توڑنے کی کوئی تجویز بناؤں گا۔ الارشاد میں اس کا ترجمہ یوں ہے کہ میں تمہارے بتوں کو توڑنے کی جدوجہد کروں گا۔

مسئلہ در تائید اہلسنّت (اس سے ثابت ہوا کہ مشکل امر کو آسان کرنے کے لیے حیلہ جائز ہے۔ اس میں وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کا رد ہے کہ وہ شرعی اسقاط میں حیلہ کو حرام و ناجائز کہتے ہیں۔ دلائل فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ "حیلۂ اسقاط" میں دیکھیے)

ابن الشیخ امام فخر الدین کی تفسیر کے حوالے سے سوال کرتے ہیں کہ الکید بمعنے کسی کو ضرر کے ارادہ سے اس کے ساتھ ایسی تجویز کرنا کہ اسے علم نہ ہو سکے اور بتوں کو توڑنے سے بتوں کو ضرر کیسا یا انھیں شعور کہاں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ توسع فی الکلام کے قبیل سے ہے کیونکہ بت پرستوں کا عقیدہ تھا کہ بت ذی شعور ہیں۔ ان کے

عقیدے کے مطابق ہی بتوں کو ضرر پہنچانا مطلوب ہے۔ (قاعدہ ہے کہ خصم کے عقیدہ کے مطابق کلام کرنا علم مناظرہ کا ایک ضابطہ ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہی متکلم کا عقیدہ ہے۔ کچھ اسی قاعدے سے آنکھ چرا کر وہابی نجدی اولیاؑ و انبیاؑ عظام علیہم السلام کو بتوں جیسا بنانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں والتفصیل فی الکتب المنعلقہ برد الوہابیۃ)

دراصل یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو غمگین کرنے کے ارادے سے فرمائی۔

ف : اصنام، صنم کی جمع ہے وہ جثہ جو سونے یا تانبے یا لکڑی سے تیار کر کے اس کی پرستش کی جائے اور ان کی پرستش سے تقرب الٰہی مطلوب ہو۔ (کذا فی المفردات)

(وہابی نجدی دیوبندی تقرب کے لفظ سے دھوکہ کھا کر اولیاؑ و انبیاؑ علیہم السلام کی عقیدت و محبت و تعظیم و تکریم کو شرک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ مسئلہ ظاہر ہے کہ کفار کا تقرب بذریعہ عبادت تھا اور ہمارا تقرب بحکم ایزدی توسل و استشفاع کے طریق سے ہے۔ فرقیست از کجا تا کجا۔ ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)

بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا بمعنے ترجعوا۔ ولّی بالتشدید کا مضارع ہے۔ **مُدْبِرِيْنَ** بمعنے ذاھبین یہ حال مؤکدہ ہے اس لیے کہ تولیۃ و ادبار ایک شے ہے اور الادبار، الاقبال کی نقیض ہے۔ بمعنے الذھاب الیٰ خلف۔ یعنی پیچھے کو ہٹنا۔ کاشفی نے لکھا کہ بعد اس کے کہ منہ پھیرو ان کی طرف اور عیدگاہ کو چلے جاؤ اور ہو تم پیٹھ پھیرنے والے ان کی طرف۔ یعنی جب بتوں کو چھوڑ کر اپنی سیرگاہ میں جاؤ گے **فَجَعَلَهُمْ** فا فصیحہ ہے بمعنے فولوا فجعلھم یعنی ادھر بت پرستوں نے پیٹھ پھیری ادھر ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو کر دیا **جُذٰذًا** ٹکڑے ٹکڑے۔ جذاذ بروزن فعال بمعنے المفعول۔ الجذّ سے ہے بمعنے کاٹنا الحطام کی طرح کہ وہ الحطم سے ہے بمعنے توڑنا۔

ف : القاموس میں ہے الجذّ بمعنے جڑ سے کاٹنا اور توڑنا۔ اور الجذاذ مثلث ہے یعنی اس کے تینوں حروف منقوط ہیں۔

اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ یہ فجعلہم کے مفعول سے استثنا ہے اور لھم، کبیرًا کی صفت ہے اور ضمیر اصنام کی طرف لوٹتی ہے یعنی مگر ان بتوں کے بڑے کو ابراہیم علیہ السلام نے نہ توڑا بلکہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا اور کلہاڑا اس کی گردن میں لٹکا دیا۔

سوال : اسے کبیر کیوں کہا؟

جواب : اسے تعظیماً بڑا کہا ہے۔ یا جثہ میں سب سے بڑا تھا یا وہ بت اُن تمام بتوں سے زیادہ معظم تھا۔

لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ شاید نمرود کے لوگ اس بت کی طرف آئیں اور اس سے حالات پوچھیں۔ الیہ کی تقدیم اختصاص یا رعایۃ فاصلہ کے اہتمام کے لیے ہے۔ اور بت کی طرف لوٹنے کی امید اسی لیے رکھی گئی کہ وہ ان کا بڑا معبود تھا اور معبود کی شان یہ ہے کہ حل مشکلات کے وقت اس کے پاس حاضری دی جائے اور پھر اس سے مقاصد کے حصول کی

امید رکھی جائے۔ اس سے ان کی جہالت کا اظہار اور لاجواب کرنا مطلوب ہے۔ (کذا فی بحر العلوم) یا الیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور ان کا ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا اسی لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین کے مخالف تھے اور بتوں کو گالیاں دیتے اور ان سے کھلی عداوت رکھتے تھے۔ یہی معنیٰ مناسب بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام انہیں بعد کو حجت کے طور پر فرمایا بل فعلہ کبیرھم۔ یہ کہہ کر ان پر حجت قائم فرمائی اور لاجواب کیا۔ (کذا فی الارشاد)

بت شکن ابراہیم علیہ السلام

مروی ہے کہ آذر اور اس کے بھائی بند سارے عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے بتخانے میں آئے اور بتوں کو سجدہ کیا اور ان کے ہاں طعام چھوڑا اور سمجھا کہ اسی طعام کی وجہ سے بتوں کی برکتیں طعام میں آئیں گی۔ اس کے بعد عیدگاہ کو چلے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام سیدھے بُت خانے تشریف لے گئے اور بتوں کو استہزاءً فرمایا تمہیں کیا ہے تم بولتے نہیں، اور نہ ہی کچھ کھاتے ہو۔ دیکھا ایک کلہاڑا پڑا اسے اٹھا کر تمام بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ایک بڑے بت کو کچھ نہ کہا بلکہ وہی کلہاڑا اس کے گلے میں لٹکا دیا اور طعام بت خانے میں بکھیر دیا۔ اس کارروائی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس گھر تشریف لے گئے۔

سوال: امام فخر الدین نے سوال کیا ہے کہ اگر وہ بت پرست سمجھدار تھے تو کافروں کو یقین ہوگا کہ یہ بت نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان، تو پھر انہیں توڑنے کا کیا فائدہ، زیادہ سے زیادہ وہ ان کی ایسے ہی تعظیم کرتے ہوں گے جیسے ہم قرآن مجید، مسجد وغیرہ کی تعظیم کرتے ہیں تو پھر ابراہیم علیہ السلام کو ان کے توڑنے سے کیا فائدہ ہوا۔ اگر وہ قوم بے وقوف تھی تو ان کے ساتھ مناظرہ اور ان کے ہاں رسل کرام علیہم السلام کا بھیجنا بے سود۔

جواب: وہ قوم عقلمند ذی شعور تھی اور سمجھتے تھے کہ واقعی یہ بت نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان، لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ یہ اصنام ستاروں کے ہم شکل ہیں اور یہ طلسم ہیں کہ ان کی جو کوئی پرستش کرے گا نفع پائے گا اور جو ان کی بے حرمتی کرے گا اسے نقصان پہنچے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے عقیدے کو غلط کر دکھایا کہ میں نے انہیں توڑ دیا ہے لیکن مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اس سے اے بت پرستو! مان لو کہ تمہارا عقیدہ اور مذہب غلط ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے جو اپنے آپ کو نفس و طبع کے حوالے کر دیتا ہے تو نفس کی خواہش اسے بت تراشی پر مجبور کرتا ہے جیسے آذر کا حال ہوا۔ اگر عنایت ازلی شامل حال ہو تو نفس کی خواہش کو ریزہ ریزہ کر دیا جاتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ اگر انسان ازلی بدبخت ہو تو وہ حق کو باطل سمجھتا ہے اور باطل کو حق۔ جیسے نمروذ کی قوم کا حال تھا۔ حضرت خجندی نے فرمایا: ؎

بشکن بت غرور کہ در دین عاشقاں
یک بت بشکنند بہ از صد عبادتست

ترجمہ: غرور کے بت کو توڑ دے اس لیے کہ عشاق کے دین میں ایک بت توڑنا سو عبادت سے بہتر ہے۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْا نمرودی جب شام کو عیدگاہ سے بُت خانہ میں واپس آئے تو کہا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا کہ انھیں ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ یہ استفہام انکاری اور توبیخ کے لیے ہے۔

سوال: انھیں بالہتنا کی بجائے هٰؤلاء کہنا چاہیے تھا کیونکہ بتوں کی توڑ پھوڑ ان کے سامنے تھی۔

جواب: بتوں کی تصریح سے توڑ پھوڑ کرنے والے کی شناعت و مذمت میں مبالغہ مطلوب ہے۔

اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ بیشک وُہ بتوں کی توڑ پھوڑ کی وجہ سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں سے ہے کیونکہ اس نے بتوں سے ایسی جرأت کرکے اپنے آپ کو ہلاکت وتباہی کا نشانہ بنایا ہے قَالُوْا ان کے بعض نے سوال کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے کہا سَمِعْنَا ہم نے لوگوں سے سُنا فَتًى کہ وہ ایک نوجوان يَّذْكُرُهُمْ جو بتوں کو برائی سے یاد کرتا اور ان کی مذمت کرتا تھا، شاید اسی نے کیا ہو گا۔

سوال: ذکر مطلق ہے تم نے اسے بُرائی اور عیب کی مذمت سے کیوں مقید کیا۔

جواب: دلالت حال سے معلوم ہوتا ہے جیسے تم کہتے ہو فلاں یذکرک۔ اس سے تم خود سمجھ جاتے ہو کہ اگر یاد کرنے والا تمہارا دوست اور خیرخواہ ہے تو سمجھتے ہو کہ اس نے تمہاری تعریف کی ہو گی اگر وہ تمہارا دشمن ہے تو سمجھتے ہو کہ اس نے تمہاری بدگوئی اور مذمت کی ہو گی۔

يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ اسے ابراہیم کہا جاتا ہے یعنی اس کا نام ابراہیم ہے (علیہ السلام) قَالُوْا ابن الشیخ نے لکھا کہ یہ معاملہ نمروذ و دیگر اراکین سلطنت تک پہنچا تو انھوں نے حکم جاری کیا کہ فَاْتُوْا بِهٖ اسے لاؤ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے۔ یہ بہٖ کی ضمیر سے حال ہے بمعنے ظاهراً و مکشوفاً۔ یعنی مجمع عام میں اسے ظاہر اور کھلم کھلا لاؤ تاکہ اسے ہر ایک دیکھ لے لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ شاید لوگ اس کے قول وفعل کی گواہی دیں کہ واقعی اسی نے بتوں کو توڑا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ بعض کفار ایسے بھی گزرے ہیں کہ وہ بلا دلیل کسی کو جُرم کی سزا نہیں دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو مجرم کو گواہی اور قوی حجت کے بغیر سزا دے وہ نمروذ اور کفار ناہنجار سے بھی گیا گزرا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

قَالُوْٓا یہاں کلام محذوف ہے وہ یہ کہ فاتوا بہٖ الخ یعنی نمروذ کی حکومت کے حکم کے تحت حضرت ابراہیم تشریف لائے جب جھوٹی سچی گواہیاں ہوگئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہنے لگے: ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تم نے ہمارے خداؤں کو توڑا پھوڑا ہے؛ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ابراہیمؑ نے فرمایا ان کے بڑے نے کیا۔ اسی بڑے بُت کی طرف اشارہ فرمایا جسے آپ نے توڑا نہیں تھا یہ اس لیے کہ بتوں کی بڑی برادری یعنی کفار انھیں خوب سنگار کر صف بصف کھڑے ہو کر پُوجتے اور ان کی تعظیم و تکریم بجا لاتے اور ساتھ ہی اس بڑے بت کی بھی پرستش کرتے۔ اگرچہ اس کی تعظیم و تکریم زیادہ ہوتی اور اس کے سامنے خشوع و خضوع بھی بہت زیادہ ہوتا۔ ان سب کو آپس میں غیظ و غضب رہتا کہ دوسروں کی تعظیم و تکریم کی شرکت کیوں۔ یہ بڑا آخر بڑا تھا اس کا غیظ و غضب بھی بڑا ہونا چاہیے تھا

اسی لیے غصے میں آکر اس نے سب کا ستیاناس کر دیا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ کام بڑے نے اس لیے کیا ہے کہ اسے ناراضگی ہوئی کہ میرے ہوتے ہوئے ان دوسروں کی پرستش کیوں کی جاتی ہے۔ فَاسْئَلُوْهُمْ ان سے خود پوچھو کہ تمہیں کس نے توڑا۔ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ اگر وہ بولنے والوں سے ہیں تو وہ تمہیں بتائیں کہ یہ کام کس نے کیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین کذبات کے سوا کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کی۔

ف : تعریض کو حضور علیہ السلام نے کذب سے تعبیر فرمایا، محض اس لیے کہ ان کی ظاہری صورت ایک ہے ورنہ کذب (جھوٹ) تو کبیرہ گناہ ہے اور انبیاء علیہم السلام تمام کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔

سوال : اگر یہ صریح جھوٹ نہ ہوتا بلکہ تعریض ہوتی تو ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن انھیں شفاعت کی معذرت میں پیش نہ فرماتے حالانکہ قیامت میں جب لوگ آپ سے شفاعت کے لیے عرض کریں گے تو آپ فرمائیں گے : مجھ سے تین کذبات سرزد نہ ہوتے تو میں ضرور شفاعت کرتا۔

جواب : نبوت وخلت کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ عزیمت سے کام لیں جدوجہد کر کے کلام کا اظہار اسی طرح کریں جس طرح اس کا حق ہے لیکن بوجہ مصلحت اسے رخصت پر عمل کرلیں تو بھی ان کے لیے جائز ہے اس لیے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ مسلّم قانون ہے اور ان کی اس رخصت پر عمل کرنے میں خلقِ خدا کی کروڑوں بھلائیاں مضمر ہوتی ہیں۔ (تحقیق مزید فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ "عصمت الانبیاء" میں دیکھیے) [1] اسی گھٹیا درجہ کی وجہ سے آپ اپنے کو کم مرتبہ سمجھ کر شفاعت سے معذرت فرمائیں گے۔

---

[1] اس آیت سے شیعہ تقیہ کا جواز ثابت کرتے ہیں یہ غلط ہے اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ شیعہ کے نزدیک تقیہ ایک بہت بڑی عبادت ہے اور شیعہ مذہب کا دارومدار ہی تقیہ پر ہے

اس کے فضائل وکمالات فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں پڑھیے۔

ذیل میں فضائل تقیہ از کتبِ شیعہ درج کیے جاتے ہیں۔ کتبِ شیعہ میں اس کی بہت تعریف کی گئی ہے اور اسے اعلیٰ عبادت میں شمار کیا گیا ہے :

۱۔ اصولِ کافی صفحہ ۴۸۴ میں ہے :

قَالَ اَبُوْجعفر علیہ السلام التقیۃ من دینی و دین اٰبائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہٗ۔

امام محمد باقرؓ نے فرمایا ہے تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے، اور جو تقیہ نہ کرے اس کا کوئی ایمان ہی نہیں ہے۔

۲۔ اصولِ کافی صفحہ ۴۸۲ میں ہے :

قال ابوعبد اللہ علیہ السلام یا ابا عمران تسعۃ

ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا : نو حصے دین کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

ف : شیعہ کے تقیہ کا معنیٰ ہے ضرورت ہو یا نہ ہو واقعہ کے خلاف بات کرنا اور تعریض اور توریۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی بات کو ایسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸)

اعشار الدین فی التقیۃ ولا دین لمن لا تقیۃ لہٗ۔ — تقیہ میں ہیں ۔ جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے۔

۳۔ اصول کافی صفحہ ۴۸۳ میں ہے :

عن ابی بصیرٍ قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام التقیۃ من دین اللہ قلت و من دین اللہ قال إی واللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف ایتھا العیر انکم لسارقون واللہ ما کانوا سرقوا شیئاً ولقد قال ابراھیم انی سقیم واللہ ما کان سقیماً۔

ابو بصیر سے روایت ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا تقیہ خدا کے دین سے ہے ۔ راوی نے کہا کیا خدا کے دین سے ہے؟ امام نے فرمایا : واللہ خدا کے دین سے ہے۔ یوسف نے کہا اے قافلہ والو! تم چور ہو۔ بخدا انھوں نے کوئی چوری نہ کی تھی۔ ابراہیم نے کہا : میں بیمار ہوں۔ بخدا وُہ بیمار نہ تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تقیہ جھُوٹ بولنے کو کہتے ہیں ۔ جیسا کہ معاذ اللہ یوسفؑ و ابراہیمؑ جھوٹ بولے کہ قافلہ والوں نے کوئی سرقہ نہ کیا تھا، ان کو سارق کہا گیا۔ اور ابراہیمؑ تندرست تھے جھُوٹ مُوٹ بیمار بن بیٹھے۔ یوسف علیہ السلام کے متعلق جوابات پارہ نمبر ۱۳ کے حواشی پر لکھ دیے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جوابات اسی آیت کے تحت دیکھیے۔

۴۔ حیات القلوب جلد ۱ ص ۴۳۰ میں ہے :

و دو چند حدیث معتبر دیگر فرمود کہ تقیہ ہیچکس بہ تقیۂ اصحاب کہف نمی رسد بدرستیکہ ایشاں زنار مے بستند و بعید گاہے مشرکان حاضر شدند پس خدا ثواب ایشاں بمضاعف گردانید۔

دوسری حدیث معتبر میں ہے کہ کسی شخص کا تقیہ اصحابِ کہف کے تقیہ کے برابر نہیں ہو سکتا کہ وہ جنجو پہنتے اور کفار کی عیدوں میں شامل ہوا کرتے تھے اور خدا نے ان کا ثواب دو چند کر دیا ہے۔

اس روایت سے بوضاحت ثابت ہُوا کہ تقیہ جھُوٹ بولنے کو کہتے ہیں ۔ بڑے تقیہ باز اصحابِؓ کہف تھے وہ یہاں تک جھوٹ بولتے تھے کہ مسلمان ہو کر زنار پہن لیتے اور مشرک بن کر کفار کی عیدوں میں شامل ہو جاتے اور اس کا ثوابِ عظیم حاصل ہوتا۔ اللہ اللہ شیعہ خود تو جھُوٹ بولا کریں ، تقیہ کا ثواب لُوٹیں لیکن پاک لوگوں پیغمبروں ، ولیوں ، اماموں کو تقیہ باز (جھُوٹ کہنے والا) کہنے سے تو تامل کیا کریں ۔ مگر نہیں ۔ ان کے دستِ ستم سے نہ امام بچتا ہے نہ نبی نہ ولی۔

۵۔ رسالہ موعظہ تقیہ جس میں اقوال علامہ حائری لکھے گئے ہیں ، میں ہے کہ :

" امیر المومنین حضرت علیؓ نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں تقیہ کیا اور ضرور تقیہ کیا ۔ کیونکہ جس طرح صدر اسلام میں رسول اللہ

(باقی ص ۱۱۰ پر)

طریقہ سے بیان کرنا کہ جسے سامع عرفی معنے پر محمول کرے اور متکلم اسی لفظ سے دوسرا مفہوم مراد لے۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹)
صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۹ انصار و اعوان ہونے کے باوجود تقیہ کیا۔ جناب امیرؓ نے بھی قلتِ انصار و اعوان کے سبب خلفاؓ سے تقیہ کیا۔"
اس تقیہ کے کرنے سے اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و قوت و جرأت پر کوئی حرف نہیں آتا تو لازماً "نفسِ رسولؐ (علیؓ) پر جو کسی
طرح پیغمبر سے کسی وصف میں بھی زیادہ نہ تھے کوئی اعتراض لازم نہیں آسکتا۔ مزید برآں جناب امیرؓ نے بھی محض حفاظتِ اسلام کے لئے
اس وقت تقیہ کیا۔ صدر اسلام کا زمانہ تھا اگر وہ تقیہ نہ کرتے تو مسلمانوں کی باہمی کشمکش سے اسلام خطرہ میں پڑ جاتا۔ پس علیؓ نے بنا برحدیث
معتمدۂ ثلثہ کی بیعت ہرگز نہیں کی اور تقیہ میں زمانہ گزار دیا۔ ہاں اگر بیعتِ ثلاثہ کے لیے مجبور کیا جاتا تو لازماً پھر وہ مقابلہ میں ذوالفقار اٹھانے کو
ترجیح دیتے اور تقیہ توڑ ڈالتے۔ مگر اخبار معتبرہ کی بنا پر نہ بیعت کے لیے وہ مجبور کیے گئے نہ انھوں نے تقیہ توڑا باوجود تقیہ کرنے کے بھی باعتراف
اکابر علماً اہلسنت علیؓ نے سیرتِ ثلاثہ پر عمل نہیں کیا بلکہ عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ جناب امیرؓ کی خلافت ظاہری کا زمانہ آیا اور آپ
نے دورانِ خلافت میں اصحابِ ثلاثہ کے رخنے ڈالے ہوئے اسلام سے سب زائل کر دیے اور اس کو از سر نو احیا کیا۔

مسئلہ تقیہ کی ایجاد کی اصل وجہ

موجدانِ مذہب شیعہ نے جب یہ دیکھا کہ جناب امیرؓ کے خطبات اور ائمہ اہلبیت کے اقوال سے اصحابِ ثلاثہ کی بے حد
تعریف پائی جاتی ہے اور جناب امیرؓ عہدِ خلافت اصحابِ ثلاثہ میں ان سے شیر و شکر رہے اور ہر معاملہ میں ان کے مشیر با تدبیر رہے۔
ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ مالِ غنائم سے حصہ لیتے رہے اور ماہانہ وظائف نقد و جنس حاصل کرتے رہے۔ پھر کس طرح یقین
کیا جائے کہ اصحابِ ثلاثہ سے وہ ناراض اور ان کی خلافت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اس کے جواب کے لیے انھوں نے مسئلہ تقیہ ایجاد کیا کہ
یہ سب کچھ جناب امیرؓ اور اہلبیت کا تقیہ تھا اور بے حد فضیلت رکھتا ہے اور دین کے دس اجزاٗ میں سے نو اجزا تقیہ میں ہیں اور تمام
ائمہ بلکہ انبیاٗ علیہم السلام کا دین و ایمان تقیہ ہی تھا۔
چلو، چھٹی ہوئی۔ جاہل مریدوں کی تسکین خاطر کے لیے تقیہ کی پڑیا کافی ہے۔ یہاں تک کہ کہہ دیا کہ ائمہ اہلبیت نے فرما دیا ہے
کہ "دینِ حق ظاہر کرنے کے لیے نہیں بلکہ چھپانے کے لیے ہوتا ہے۔"
اصولِ کافی ص ۴۸۵ میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے اپنے ایک خاص شیعہ کو یوں فرمایا:
یا سلیمان اِنکم علیٰ دینٍ من کتمہٗ اعزّہ اللہ ومن اذاعہٗ اذلّہ اللہ۔
اے سلیمان! تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے اللہ اس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے خدا اس کو ذلیل کرے گا۔

(باقی بر صفحہ ۱۱۱)

قول ھذا کو سمجھئے کہ انھوں نے جب بل فعلہ کبیرھم فرمایا تو اس کا مطلب ظاہراً یہی ہے کہ بڑے بت نے مارا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اے بیوقوفو! جب تمہارے معبود اپنے سے دفع ضرر کی طاقت نہیں رکھتے تو وہ دوسروں کو کیسے ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ جب اُن کی یہ حالت ہے تو پھر وہ معبود کیسے! (مزید تشریح تفسیر اویسی میں دیکھیے)

کذب کی تفصیل شیخ عزالدین نے فرمایا کلام مقاصد کا وسیلہ ہے۔ ہر نیک مقصود کو صدق و کذب دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اسے کذب سے حاصل کرنا حرام ہے۔ اگر کسی وقت ایسی صورت درپیش ہو کہ اسے صدق سے حاصل کرنا ناممکن ہے تو کذب کے ذریعہ حاصل کرنا مباح ہے۔ اگر اس مقصد کا حصول مباح ہو تو کذب مباح ہے اگر اس کا حصول واجب ہو تو ایسے موقعہ پر کذب واجب ہے۔ اس تفصیل کے بعد اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ۳ کذبات کی تفصیل سُنیئے۔ ان سہ کذبات میں دو مقاصد کا حصول ابراہیم علیہ السلام کو محض ذاتِ الٰہی کی رضا پر مطلوب تھا۔ تیسرے میں بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے دفع فساد مطلوب تھا اور وہ بھی درحقیقت رضائے الٰہی پر مبنی تھا۔ لیکن چونکہ اس میں ان کی اپنی ذات اور بی بی سارہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ تھا۔ اسی لیے اوّل دو کو ذاتِ الٰہی سے منسوب کیا گیا ہے اور تیسرے کو بالواسطہ منسوب کیا گیا۔ اس تفصیل کے بعد اب تینوں مقامات کی تشریح سُنیئے۔

کذب اوّل : إِنِّی سَقِیمٌ (میں بیمار ہوں) **توجیہ اوّل :** جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے چچا آزر نے کہا کہ آپ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۰)

دوسری جگہ اس کتاب کے ص ۲۲۵ میں ہے:

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام من اذاع علینا شیئاً من امرنا کمن قتلنا عمداً و لم یقتلنا خطاءً۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص ہمارے مذہب میں سے کچھ ظاہر کر دے گویا اس نے ہمیں عمداً قتل کیا نہ خطاً۔

نیز کتاب مذکور کے ص ۱۵۵ میں ہے کہ:

من اذاع علینا حدیثا سلبہ اللہ الایمان۔

امام صادق نے فرمایا جو ہماری حدیث کو ظاہر کرے خدا اس کا ایمان چھین لیتا ہے۔

ہر ایک عاقل ذی بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیثیں یار لوگوں کی من گھڑت ہیں ورنہ ائمہ دین ایسا کیوں کہیں کہ حق کے اظہار سے ایمان جاتا رہتا ہے اور مذہب اور دین کی اشاعت موجب قہرِ الٰہی اور اس کا کتمان باعث خوشنودی خدا ہے۔ اور ائمہ حدیث یا ان کا مذہب ظاہر کر دینا ایسا ہے جیسا ان کو عمداً قتل کر دینا۔ ہاں یہ درست ہے کہ روافض کا مذہب ضرور چھپانے کے قابل ہے، اس کی تشہیر باعث فتنہ وفساد اور امنِ عامہ میں خلل اندازی کا موجب ہے۔ اور مذہب روافض ہرگز ہرگز مذہب اہلبیت نہیں ہو سکتا۔ بھلا جس مذہب میں امہات المومنین (ازواجِ رسول ﷺ) کو گالیاں دینا، لعنت، تبرّا بھیجنا جائز بلکہ عبادت ہو وہ کبھی اہلِ حق کا مذہب کہلا سکتا ہے!

تقیہ کی مزید تحقیق فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

ہماری عیدگاہ میں چل کر دیکھیں کہ ہمارا میلہ کیسا خوب ہے۔ آپ اس کے کہنے پر چل پڑے، راستہ میں گر پڑے اور کہا کہ میں بیمار ہوں۔ یعنی میرا دل تمہارے دین کو دیکھنے سننے سے بیمار ہے۔ یعنی مجھے وہاں عیدگاہ جانے سے قلبی نفرت ہے۔ اس لیے مجھے معذور سمجھیے۔

۲۔ کلبی نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام علم نجوم کے عالم تھے اور ان بت پرستوں کی عادت تھی کہ وہ عیدگاہ میں بیمار کو ساتھ نہیں لے جاتے تھے جب ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو توڑنے کا ارادہ ہوا تو رات کو ستاروں کو دیکھ کر صبح کو بت پرستوں سے فرمایا کہ میں اپنے آپ کو بیمار پاتا ہوں۔ اسی تکلیف کے اظہار کے لیے سر کو باندھ رکھا تھا۔ اس لیے قوم عیدگاہ کو چلی گئی اور آپ اکیلے گھر پر رہ گئے۔ اس معنے پر سقیم کہہ کر اپنے مستقبل کی بیماری کا اظہار کیا۔

کذب دوم: بل فعلہ کبیرھم۔ اس کی تشریح کچھ اوپر بیان ہو چکی ہے۔

کذب سوم: جب ابراہیم علیہ السلام اردن میں تشریف لائے تو وہاں کا بادشاہ بہت بڑا ظالم و جابر تھا۔ اس کا نام صادوق تھا۔ ابراہیم علیہ السلام جب اردن میں تشریف لائے تو بی بی سارہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ تھیں جو بہت حسینہ و جمیلہ تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بی بی سے فرمایا کہ اگر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ آپ میری زوجہ ہیں تو وہ آپ کو مجھ سے جبراً چھین لے گا۔ فلہذا اگر آپ کو وہ بلائے اور میرے متعلق پوچھے تو کہنا کہ وہ میرا بھائی ہے یعنی دین و اسلام کا بھائی اس لیے کہ میں جانتا ہوں اس وقت روئے زمین پر سوائے تیرے اور میرے اور کوئی مسلمان نہیں ہے۔ جب یہ دونوں حضرات اس ظالم و جابر بادشاہ کے علاقے میں تشریف لائے تو بادشاہ کو مخبروں نے خبر دی کہ تیرے علاقے میں ایک ایسی عورت آئی ہے جس کی کوئی مثال نہیں اور وہ ہے بھی تیری شان کے لائق۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ جب بی بی سارہ کو وہاں لے گئے تو ابراہیم علیہ السلام نماز و دعا میں مصروف ہو گئے۔ جونہی بادشاہ نے بی بی کو دیکھا تو فریفتہ ہو گیا۔ بی بی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ہاتھ لنجا بنا دیا۔ بادشاہ نے کہا: بی بی! دعا کیجئے میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔ بی بی نے دعا کی تو اس کا ہاتھ اچھا ہو گیا۔ اس طرح اس نے تین بار حرکت کی، تینوں دفعہ اسے منہ کی کھانی پڑی۔ آخر تنگ آ کر بادشاہ نے اس شخص کو بلایا جو بی بی کو لے کر آیا تھا اور کہا کہ اسے وہاں چھوڑ آؤ جہاں سے لاتے ہو۔ اور ساتھ ہی بی بی ہاجرہ خدمت کے لیے ہبہ کی۔ بی بی ہاجرہ بھی حسن و جمال میں بے نظیر تھیں۔ بی بی سارہ نے بی بی ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ اسی بی بی ہاجرہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔[1]

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ پس لوٹے اپنی عقلوں کی طرف اور سمجھا کہ جو اپنے سے دکھ درد نہیں ہٹا سکتے اور نہ ہی توڑنے والے کو نقصان پہنچا سکتے ہیں تو پھر وہ کسی دوسرے کا دکھ درد کیسے ٹال سکتے ہیں یا اس کے لیے کیسے نفع پہنچا سکتے ہیں۔ جب ان معبودوں کی

---

[1] بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہلسنت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی۔ لیکن اہلسنت پر شیعہ حضرات ان تین کذبات کو لے کر غلیظ بکواسات کرتے ہیں۔ ان کے جوابات تفسیر اویسی میں دیکھیے۔ صاحب روح البیان کی طرح شیعہ تفسیر "عمدۃ البیان" نے بھی خوب لکھا ہے، یہی آیات دیکھیے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

حالت اتنی زبوں ہے تو پھر وہ کس طرح معبود مانے جا سکتے ہیں۔ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ تو آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے بے شک تم انہی بیکاروں کی پرستش کرنے سے ظالم ہو۔ اسے ظالم کہنا بیوقوفی ہے جس نے انہیں توڑا ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ باوجودیکہ اس واقعہ سے ان کے دماغ درست ہو گئے لیکن جھگڑے کے بعد پھر پہلی حالت پہ لوٹ آئے۔ انھیں اس لکڑی کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے جسے سیدھا کیا جائے تو پھر وہ اپنی ٹیڑھی حالت کی طرف عود کر آئے۔ ان کے ساتھ بھی وہی ہوا کہ حق کو سمجھنے کے باوجود پھر باطل کی طرف لوٹ گئے۔ یہ نکس المریض سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مریض کی حالت سدھرنے کے بعد پھر خراب ہو جائے۔ دراصل النکس ' قلب الشیٔ و رد اٰخرہ الیٰ اولہ کو کہا جاتا ہے۔ یعنی شے کو الٹنا اور اس کے آخر کو اوّل کی طرف رد کرنا۔ کاشفی نے لکھا کہ پھر جھکے اپنے سروں کے بل، یعنی خجالت سے سر جھکا لیے اور حیرت سے بولے۔

ف : صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ہر انسان کے ہاں عقل ہے اگر وہ اسی کی طرف رجوع کرے اور پورے طور غور و فکر کرے تو وہ صلاحیت و فساد کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

کشتیٔ بے لنگر آمد مرد زر   کہ ز بادِ کژ ندارد در و حذر

لنگرِ عقلست عاقل را امان   لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

ترجمہ : کشتی لنگر کے بغیر لائے تو بادِ مخالف سے خوف نہ ہو گا جب اسے عقل حاصل ہو کیونکہ عقل لنگر ہے اور امان ، داناؤں سے لنگر طلب کرنا چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ عقل کو صلاح و فساد اور حق و باطل کی تمیز حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ جب تک نورِ الٰہی و توفیق ایزدی کی تائید نہ ہو تو وہ نہ صلاح کو اختیار کر سکتا ہے نہ فساد سے احتراز۔ بلکہ وہ مبہوت رہ جاتا ہے جیسے نمرود کی قوم کا حال ہوا کہ وہ اپنے سروں کے بل اس لیے گرے کہ انھیں توفیق ایزدی نصیب نہ ہوئی باوجودیکہ حق کو پہچان چکے تھے لیکن اس سے نفع نہ پا سکے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

جز عنایت کہ کشاید چشم را   جز محبت کہ نشاند خشم را

جہد بے توفیق خود کس مباد   درجہان واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ : عنایت الٰہی کے بغیر کون آنکھ کھول سکتا ہے۔ محبت کے بغیر غصّہ کون فرو کر سکتا ہے۔ خدا کرے جہان میں توفیقِ الٰہی کے بغیر کسی کو جد و جہد نصیب نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ یہاں قائلین محذوف ہے یعنی درانحالیکہ وہ کہتے تھے کہ اے ابراہیم علیہ السلام ! آپ کو معلوم ہے کہ بت بولنے کے لائق ہی نہیں۔ جب وہ بولتے ہی نہیں تو پھر آپ ہم سے کیوں سوال کرتے ہیں کہ وہ بولیں۔ انھوں نے اسی حیرت سے (جو انھیں سمجھنے کے بعد لاحق ہوئی تھی) اپنی غلطی کا اعتراف

کرلیا۔ قَالَ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں مسکت دلائل سے عاجز کرکے فرمایا اَفَتَعْبُدُوْنَ جب تمہیں اپنے معبودوں کی نااہلی معلوم ہے تو پھر تم ان کی پرستش کیوں کرتے ہو مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یعنی درانحالیکہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرنے والے ہو مَالَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وہ جو تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے اگر تم ان کی عبادت کرو وَلَا یَضُرُّکُمْ اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ جس میں الوہیت کے منافی امور موجود ہیں اور انھیں تم نے آزما لیا تو واجب ہے کہ ان کی پرستش سے ہٹ جاؤ اُفٍّ لَّکُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اُن کی مذمت کا اظہار ہے کہ باوجود یقین کرلینے کے پھر بھی باطل پرستی پر زور لگا رہے ہیں اُف تفجر کی آواز کا نام ہے کہ جب اس لفظ کو انسان منہ سے نکالتا ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ وہ کبیدہ خاطر اور غمزدہ ہے۔ یہاں پر معنیٰ یہ ہے کہ برائی اور خرابی ہو تم پر اور اس چیز پر جس کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کرتے ہو۔ لام متأفف لہ کے بیان کے لیے ہے یعنی یہ خرابی صرف تمہارے لیے اور تمہارے معبودانِ باطلہ کے لیے ہے۔ کتب نحو میں ہے کہ یہ لفظ اُف اسم فعل بمعنے اتفجر ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم غلطی نہیں کرتے ہو کیا تم اپنی غلط کاری سمجھتے نہیں ہو۔

ف : اللہ تعالیٰ نے افتعبدون میں اپنے بندوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی اور غیروں کی پرستش سے روکا اور واضح فرمایا کہ تم اپنے جیسی مخلوق کی عبادت کیوں کرتے ہو، جبکہ ان میں کسی قسم کی طاقت نہیں۔ بلکہ اس ذات کی عبادت کرو جو ہر طرح کے نفع و نقصان کی مالک ہے۔

ف : حضرت حمدون القصار نے فرمایا کہ عام مخلوق سے مدد چاہنا ایسے ہے جیسے ایک قیدی دوسرے قیدی سے نجات چاہے۔

ف : بعض مشائخ کا ارشادِ گرامی ہے کہ غیروں سے کچھ مانگنے سے واضح ہوتا ہے کہ تو اپنے مالک و مولیٰ سے کوسوں دُور ہے کیونکہ اگر تیرے دل میں اس کے قریب ہونے کا یقین ہوتا تو تو غیروں سے کچھ نہ مانگتا حالانکہ اہلِ دل کا قانون ہے کہ وہ اپنے سے ماسوی اللہ کا تصور ختم کرتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک ماسوی اللہ جھوٹ اور عبث ہے اسی لیے جھوٹ اور عبث سے تعلق پیدا کرنا بھی جھوٹ اور عبث ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ صرف اپنے آقا و مولیٰ سے تعلق جوڑے اسی سے ہی ہر مطلب و مقصد حاصل ہوتا ہے اے سالکو! تم اپنے دل سے ماسوی اللہ کا تعلق دور کردو پھر دیکھو کہ صدق اور حق نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اس کے ساتھ مخلصانہ طور پر تعلق رکھتے ہیں اور ہمیں ذلت و زلۃ و قلت سے محفوظ فرمائے (آمین)

کرامت

حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زوجہ محترمہ نے ان سے عرض کی کہ مفلسی و تنگدستی نے تنگ کر رکھا ہے۔ براہِ کرم کوئی مزدوری کیجئے تاکہ ہم سے بھوک و فاقہ دُور ہو آپ زوجہ محترمہ کے کہنے پر چل پڑے اور آدھی رات تک مسجد میں نوافل و دیگر عبادت میں مشغول رہے واپس خالی ہاتھ لوٹے تو بی بی صاحبہ نے ماجرا پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے آج بہت بڑے عظیم الشان اور سخی کی مزدوری کی ہے۔ لیکن ان سے اجرت مانگنے سے شرم آئی ہے وہ خود ہی کرم فرمائیں گے۔ تین دن بی بی صاحبہ نے انتظار کرکے پھر عرض کیا کہ اگر انھوں نے مزدوری نہیں دی تو خود جاکر مانگیے یا کسی اور کی مزدوری کیجئے یا مجھے طلاق دے دیجئے۔ بی بی کی دھمکی سُن کر عبادت خانے میں چلے گئے اور کافی رات تک روتے رہے۔ گھر لوٹے تو طعام پکنے کی

خوشبو پائی اور بیوی کو خوش پایا۔ بی بی صاحبہ نے عرض کی کہ جس کریم کی آپ نے مزدوری کی اس نے بہت بڑی چیزیں بھیجی ہیں اور سونے سے بھری ہوئی تھیلی بھی۔ یہ سُن کر حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ رو پڑے اور کہا کہ یہ تمام بھیجا ہوا اسباب اسی مسبّب الاسباب کا ہے جو کل کائنات کا رزاق ہے۔ میں نے اسی کی مزدوری (عبادت) کی تھی۔ بی بی صاحبہ سُن کر تائب ہوئی اور عرض کی کہ آئندہ آپ کو تنگ نہیں کروں گی۔

ف : حکایت مذکورہ سے چند فوائد حاصل ہوئے :

۱۔ مزدوری اگرچہ ایک مشروع امر ہے۔ لیکن حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طاعتِ الٰہی میں وقت بسر کیا اور اسے مزدوری سے تعبیر کیا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کریمہ کے مطابق پورا فرمایا۔ کما قال :

من شغله ذکری عن مسئلتی اعطیته فوق ما اعطی السائلین۔ جسے میرا ذکر میرے سوال سے مشغول رکھے تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ عطا فرماؤں گا۔

۲۔ صبر سے مراد پوری ہوجاتی ہے خواہ دیر سے ہی سہی اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ صبر کرے اور جزع فزع سے احتراز کرے۔

۳۔ بی بی صاحبہ کو جب معرفتِ حق نصیب ہوئی تو انھوں نے صبر و قناعت کو ترجیح دے کر عبادت و اطاعت میں زندگی بسر کرنے کا عہد کرلیا۔ اور قاعدہ ہے جو معرفتِ حق کے حصول کے بعد بھی عبادت سے اعراض کرے تو اپنے نفس کی خیانت کرتا اور اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا حال تھا کہ باوجودیکہ انھیں دلائل و براہین سے اللہ تعالیٰ کا عرفان ہوا لیکن بدقسمتی سے کفر کی طرف راجع ہوئے اور اس پر اصرار کرکے لکڑی اور پتھروں کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں مچھروں سے تباہ و برباد کیا۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

ہست دنیا قہر خانۂ کردگار	قہر بین چوں قہر کردی اختیار
استخوان و موئے مقہوران نگر	تیغ قہر افگندہ اندر بحر و بر

ترجمہ : یہ دنیا قہار کا قہر خانہ ہے تو نے قہر کو دیکھ کر خود قہر اختیار کیا ہے۔

قہر والوں کی ہڈیاں اور بال دیکھ کہ قہر کی تلوار نے انھیں بحر و بر پھینکا ہے۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ جب ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سے عاجز آگئے تو آپس میں مشورہ کرکے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلا دو۔ یہی اہل باطل کا شیوہ ہے کہ جب دلائل سے عاجز ہوتے ہیں تو بالمقابل سے شرارت کرتے ہیں اور انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کو اس لیے اختیار کیا کہ تمام عذابوں سے یہی زیادہ ہولناک ہے۔

ف : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ میں ڈالنے کا مشورہ عجم کے ایک دیہاتی نے دیا تھا اس لیے کہ ان کی عادت ہے کہ فساد اور ظلم میں اور دوسروں کو عذاب دینے میں یہی لوگ سخت تر ہوتے ہیں اور ان کی

بدسرشت ہر زمانہ میں برابر رہی، یہاں تک کہ اسلام میں بھی انہی لوگوں نے رخنہ اندازی کی۔ ان پر دین و اسلام کا اثر نہ ہوا اور نہ انھوں نے اثر قبول کیا ان کی عادت مسلمانوں کا مال مارنا اور ان کا علم ظلم، چوری و قتل، ڈاکہ زنی ہے۔ بخدا یہ لوگ کبھی اہلِ ملّت نہیں ہو سکتے (الاّ قلیل) اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اہلِ ملّت بکثرت بنایا ہے۔ ان سے بچ کر رہو اور ان کے شہروں سے دور رہو (یعنی وہی لوگ جنھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا منصوبہ بنایا اور ان کی اولاد جہاں بھی ہو)

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ بتوں سے بدلے لینے کی نیت سے اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو بدلہ لینے کا سب سے بہترین طریقہ یہی ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو آگ میں ڈال دو۔

واقعہ آگ جمع کرنے کا پھر نمرود نے قوم کو حکم جاری کیا کہ پہاڑ کے سامنے ایک گڑھا بنایا جائے۔ اس کی دیوار ساٹھ گز تھی۔ یہ پہاڑ کوثی (بالضم) نامی گاؤں کے قریب تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے جلانے کے لیے بہت زیادہ لکڑیاں جمع کی گئیں۔ یہاں تک کہ مریض وصیت کرتا کہ میری طرف سے لکڑی خرید کر اسی گڑھا میں ڈالی جائے۔ اسی طرح کوئی عورت بیمار ہوتی تو منّت مانتی کہ صحت ہونے پر اتنی لکڑیاں گڑھا میں ڈالوں گی یا فلاں کام ہو گیا تو اتنی لکڑیاں گڑھا کے لیے لاؤں گی۔[1]

عورتوں کا قصّہ اس زمانہ کی عورتیں منّت مانتی تھیں کہ فلاں کام ہو گیا تو لکڑیاں سر پر اٹھا کر خود حظیرہ میں ڈالوں گی۔ چنانچہ اگر کام ہو جاتا تو منّت پُوری کرنے کے لیے تاگے کات کر، پھر اسے بیچ کر لکڑیاں خریدتیں اور خود سر پر اٹھا کر گڑھا میں ڈالتیں تاکہ ثواب ہو۔ اپنے مذہب میں وہ اس کام کو بہت بڑا ثواب سمجھتی تھیں۔

ایک بُڑھیا ملعونہ کا قصّہ ایک بڑھیا منّت پوری کرنے کے لیے سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر جا رہی تھی۔ راستے میں ایک فرشتہ ملا، پُوچھا کہاں جا رہی ہے؟ کہا ابراہیم علیہ السلام کے گڑھے میں لکڑیاں ڈالنے جا رہی ہوں۔ فرشتے نے کہا خدا کرے تیرا راستہ طویل اور قدم قصیر ہو۔ چنانچہ یہ گٹھا سر پر اٹھا کر چلتی رہی اور بھوک پیاس ہو کر مری۔

ف : بعض روایات میں ہے کہ مختلف قسم کی لکڑیاں جانوروں پر لاد کر چالیس دن تک جمع ہوتی رہیں۔ کاشفی نے لکھا کہ ان لکڑیوں پر بہت سا تیل چھڑک دیا گیا۔

خچّر کی بدقسمتی اور نبوّت کی گستاخی کی سزا بعض روایات میں ہے کہ تمام جانوروں نے لکڑی اٹھانے سے انکار کر دیا سوائے خچّر کے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سزا میں اسے بانجھ بنا دیا۔ (کذا فی القصص)

بی بی مریم کی کرامت فضائل القدس میں حضرت سعید بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانہ میں زمزم کی طرح بیت المقدس میں پانی کا ایک چشمہ تھا۔ جب کسی عورت پر زنا کی تہمت لگتی تو اسے

---

[1] شیعوں کے تعزیہ پر منّت ایسے ہے جیسے نمرود کے زمانے میں تھا۔ غلط منت سے کام ہو جانا اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہے۔ خدا بچائے۔ ۱۲

اسی چشمہ پر لاتے اور اسے اس سے پانی پلاتے ۔ اگر وہ بے گناہ ہوتی تو وہ پانی اسے نقصان نہ پہنچاتا ۔ اگر اس کا کوئی قصور ہوتا تو چشمہ کا پانی پیتے ہی مرجاتی ۔ جب بی بی مریم حاملہ ہوئیں تو انھیں بھی اسی چشمہ پر خچر پر سوار کر کے لائے ۔ خچر نے بی بی مریم کو نیچے گرا دیا ۔ بی بی مریم نے اسے بددعا دی تو اس روز سے یہ نسل کے اضافے سے محروم ہوگیا ۔ جب بی بی مریم نے اُس چشمہ سے پانی پیا تو بی بی کو کچھ نہ ہوا بلکہ آپ کو اس سے اور فائدہ ہوا ۔ بی بی نے دعا کی کہ اس چشمہ کے پانی سے کسی مومن عورت کو رُسوائی نہ ہو ۔ چنانچہ بی بی صاحبہ کی دعا سے وہ چشمہ خشک ہوگیا ۔

آگ کا باقی حصّہ ایندھن پر تیل چھڑک کر پھر ایک ہفتہ مسلسل لکڑیاں ڈالتے رہے یہاں تک کہ آگ کے شعلے بھڑک اُٹھے اور اس طرف کی ہوا بھی آگ بن گئی ۔ اگر کوئی پرندہ یا انسان خطرہ کے قریب سے گزرتا تو جل جاتا ۔ مروی ہے کہ اب حیران تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کس طرح ڈالیں کیونکہ جو بھی وہاں سے گزرتا جل جاتا ۔ اسی اثنا میں ابلیس ایک بوڑھے (شیخ) کی شکل و صورت میں آیا اور منجنیق (فلاخن) کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا مشورہ دیا اور منجنیق بنا کر دکھائی اور اس کا طریقہ بھی انھیں سکھایا ۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ سب سے پہلے فلاخن ابلیس نے تیار کی کیونکہ جب نمرودیوں نے لکڑیاں جمع کر کے انھیں آگ لگادی تو پھر انھیں علم نہیں تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کس طرح ڈالیں تو ابلیس نجار کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کے لیے منجنیق تیار کی اور اسے پہاڑ پر کھڑا کر دیا ۔ پھر ابراہیم کو اسی میں بٹھا کر آگ میں ڈالا ۔

ف : جاہلیت میں سب سے پہلے اسی سے خزیمۃ الابرش کو سزا دی گئی ۔ یہی سب سے پہلا شخص ہے جس نے شمع جلانے کا طریقہ شروع کیا ۔

ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ مروی ہے کہ یہ فلاخن ایک دیہاتی (کردی) نے تیار کی اور فلاخن سب سے پہلے اسی نے تیار کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائیگا ۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

آگ میں ڈالنے کا باقی قصّہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر یعنی ہاتھ میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق کے ذریعے آگ میں ڈالے جا رہے تھے ۔ اس پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ان کے تمام مکینوں سوائے جن و انس کے سب کی چیخیں نکل گئیں ۔

ف : اس حال زار کو دیکھ کر ملائکہ کرام نے عرض کی : الٰہ العٰلمین ! زمین پہ تیری عبادت کرنے والا صرف یہی ایک ہے اب اسے بھی دشمنوں کی آگ سے جلوا رہا ہے ہمیں اجازت بخشئے ہم جا کر تیرے پیارے خلیل علیہ السلام کی مدد کریں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : میں کسی کو روکتا نہیں لیکن وہ میرا ایسا مخلص بندہ ہے کہ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں وہ صرف میری مدد کا خواہاں ہے ، اور مجھے معلوم ہے کہ وہ اپنے اسی خلوص سے اب مجھے بھی نہیں کہے گا ۔ فلہذا مجھے اور اسے ایک رازداری میں ایسے ہی رہنے دو ۔ وہ

میرا خلیل ہے اور میں اس کا معبود ہوں، میں جانوں اور وہ۔

ابراہیم علیہ السلام کی استقامت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آپ کے ہاں ہوا کا خازن فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کی، اگر آپ چاہیں تو آگ میں ہوا کے ذریعہ اُوپر اڑا لوں، نہ آگ ہوگی نہ آپ کو جلائے گی۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تمہاری اس خدمت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا، اے اللہ تعالیٰ! تُو آسمان میں واحد ہے اور میں تیرا بندہ زمین پر اکیلا ہوں کیونکہ زمین پر میرے سوا تیری عبادت کرنے والا اور کوئی نہیں۔ تُو ہی مجھے کافی ہے اور تُو ہی میرا وکیل کفیل ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا استغنا دیکھ کر ملائکہ کرام منجنیق (فلاخن) کے اس پلڑے سے چمٹ گئے جس پر ابراہیم علیہ السلام کو مقید کرکے بٹھایا گیا تھا۔ بت پرست جب منجنیق کو اٹھانے تو وہ اٹھتی نہیں تھی۔ اس پر وُہ بہت حیران تھے۔ ابلیس نے ان کو ایک ترکیب بتائی کہ اس پلڑے کے ساتھ دس عورتیں سر سے ننگی کھڑی کردو۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا تو پلڑا آسانی سے اُٹھ گیا۔ (کذا فی القصص)

مسئلہ: ننگے سر والی عورت کو فرشتے نہیں دیکھتے، جنات دیکھتے ہیں۔ (ہمارے دور میں عورتوں کو ننگے سر پھرنے کی نہ صرف عادت ہے بلکہ اسے نسوانی شعار سمجھتی ہیں۔ انھیں کون سمجھائے جب مرد ہی زن ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون)

اعجوبہ بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ابتدائے وحی میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرشتے کو دیکھا تو (فطرتِ انسانی کے مطابق) گھبرائے۔ بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حال سُنایا تو بی بی صاحبہ آپ کو اپنے حجرۂ اقدس میں لے گئیں اور اپنا سر مبارک ننگا کرکے بیٹھ گئیں اور پوچھا کیا اب بھی وہ صورت نظر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اس پر بی بی نے عرض کی: گھبرائیے نہیں، یہ فرشتہ ہے، شیطان آپ کے ہاں نہیں آتا اور نہ ہی آسکتا ہے۔ (کیونکہ عورت ننگے سر ہو تو وہاں فرشتہ نہیں آتا)

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو پڑھا: لا الٰہ الا انت سبحانک رب العٰلمین لک الحمد و لک الملک لا شریک لک۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے مخلص کامل بندے کی تکمیل چاہتا ہے تو اس پر اپنی مخلوق میں سے بہت سے بندوں کو فدا کرتا ہے جیسے دریا میں کسی مچھلی کی تکمیل پر بہت سی چھوٹی مچھلیاں کو اس پر قربان کرتا ہے۔ اسی طرح جب ابراہیم علیہ السلام کی خُلّۃ کو بشریت سے پاک اور صاف فرمانا چاہا تو نمرود اور اس کی قوم کو ابراہیم علیہ السلام پر قربان کردیا۔ یہاں تک کہ سب نے اتفاق کرکے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی ٹھانی۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ اب یقیناً آگ میں ڈالا جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر سرِ تسلیم خم کرلیا۔ اسی اثنا میں جبریل علیہ السلام آپ کے پاس پہنچے اور عرض کی، کچھ حاجت ہو تو فرمائیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: آپ سے میری کوئی حاجت نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی، جس سے حاجت ہے اسی سے عرض کیجئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: وُہ خود

میری حاجت کو جانتا ہے میں اس سے کیوں عرض کروں۔ (صاحبِ روح البیان نے فرمایا کہ یہ ان کے لیے معروضات جبریل علیہ السلام نے بطور امتحان پیش کیے۔ لیکن وہابیہ کی عقل ماری گئی وہ عوام اہلسنّت کو پریشان کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ اگر وسیلہ جائز ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام نے کیوں نہ وسیلہ پکڑا۔ جواب ظاہر ہے کہ یہ ان کے لیے امتحان تھا۔ اگر اس کے برعکس کرتے تو امتحان میں کامیابی نہ ہوتی۔ دوسرا یہ کہ ادنیٰ اعلیٰ کو وسیلہ بناتا ہے نہ کہ اعلیٰ ادنیٰ کو۔ ابراہیم علیہ السلام اعلیٰ ہو کر جبریل علیہ السلام ادنیٰ کو کیسے وسیلہ بناتے۔ تیسرے وہ اس وقت توکّل کے انتہائی مقام پر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہ جبریل علیہ السلام کو وسیلہ بنایا نہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی۔ اگر یہی دلیل وہابیہ کو مفید ہو تو انھیں کہا جائے کہ جہاں جبریل علیہ السلام کے وسیلہ سے انکار کیا وہاں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے سے بھی گریز کیا۔ تو پھر کیا خیال ہے اس دلیل سے؛ ایسے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی ناجائز ہو۔ (معاذ اللہ) باقی تفسیر اویسی میں دیکھیے)[1]

تفسیرِ عالمانہ

ربط: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کمالِ توکّل کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایتِ ازلیہ سے اپنے دامن میں لے لیا۔ کما قال قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ۔ البرد' خلاف الحر۔ یعنی گرمی کی نقیض کو البرد کہا جاتا ہے بمعنی سردی۔ اور السلام بمعنے التعری عن الآفات یعنی آفات و بلیات سے محفوظ ہونا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے کہا کہ اے آگ! اپنی گرمی میں سرد اور سردی سے سلامتی والی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کے بعد آگ سے جلانے اور گرمی کا مادہ مٹ گیا، اب آگ کی صرف روشنی ہی رہ گئی اور بس۔ محققین نے یہی معنیٰ لیا ہے اور اس کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ معجزات کے متعلق اہلِ علم کو معلوم ہے۔ اور ایسا ہو جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے نیا معاملہ نہیں تھا۔ لیکن چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے سبب سے ایسے ہوا اس لیے اسے ابراہیم علیہ السلام کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ آگ تو اپنے حال پہ رہی۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام کے جسمِ مبارک پر ایسی کیفیت پیدا فرمائی کہ ان کے جسمِ اطہر پر آگ اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی جیسے آخرت میں دوزخ کے اندر نوری ملائکہ کرام پر آگ کا اثر نہیں ہوگا۔ جیسے شتر مرغ کو گرم لوہے کا نگلنا نقصان نہیں پہنچاتا۔ ایسے ہی سمندل (آگ کا چوہا) کو آگ کی بود و باش ضرر نہیں پہنچاتی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ف: علیٰ ابراهیم میں اس تقریر کی تائید ہوتی ہے۔

اعجوبہ

حرف یٰنار کوئی منتفع نہ ہوتا اگر علیٰ ابراهیم نہ فرمایا جاتا۔ اور اگر اس میں بردًا کے بعد وسلامًا نہ فرماتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ کی ٹھنڈک سے فوراً فوت ہو جاتے کیونکہ آگ کی گرمی مہلک ہے۔ ایسے ہی حد سے زیادہ ٹھنڈک بھی جان لیوا ثابت ہوتی ہے اس لیے اس کا معتدل ہونا لازمی امر تھا۔ آگ کے بردًا وسلامًا کے متعلق چند صورتیں

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ہوسکتی ہیں؛

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو اس قدر ٹھنڈا کیا جو ضرر رساں نہ تھی۔

۲۔ اس کا بعض حصہ ٹھنڈا اور بعض حصہ اپنی حالت پر گرم رہا۔

۳۔ ابراہیم علیہ السلام کے جسم مبارک کے اندر ایسی گرمی پیدا فرمائی کہ انھیں آگ کی سردی ضرر نہ پہنچا سکتی تھی۔ (کذا فی الکبیر)

گرگٹ کو گستاخیِ نبوّت کی سزا ہر شے ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو بجھاتی تھی سوائے گرگٹ کے، کہ یہ آگ کو پھونکیں مارتا تاکہ آگ اور جلے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مارنے کا حکم فرمایا۔

نارِ ابراہیم علیہ السلام پر گلزار بن گئی ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں ڈالے جانے کے بعد چالیس پچاس دن بسر کیے اور فرمایا کہ مجھے وہ دن نہیں بھولیں گے جو میں نے آگ میں بسر کیے۔ کیونکہ ان دنوں آگ میرے لیے باغ سے بھی زیادہ آرام دہ تھی۔

حکایت کسی ایک بزرگ کو کسی وجہ سے کوہ لبنان میں مقید کیا گیا تو ان کی غذا نباتات کی جڑیں اور درختوں کے پتّے تھے۔ فرماتے کہ مجھے وہ غذا اہلِ جنّت کی غذا سے بھی بہتر محسوس ہوتی۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

عاشقاں را اگر در آتش می‌نشاند مہرِ دوست
تنگ چشمم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ: عشّاق کو اگر آگ میں بٹھائیں تو وہ مہرِ دوست سے ہو تو پھر میرے لیے وہی آگ کوثر سے بہتر ہے۔

نار میں ملائکہ کرام کی حاضری بعض مرویات میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو آپ کو ملائکہ کرام نے اٹھا کر ایک ایسی جگہ پہنچایا جہاں کے چشمے میٹھے، اور گلاب اور نرگس کے باغات تھے۔ کاشفی نے لکھا کہ ان کا طوق، بیڑی اور ہتھکڑی فوراً جل گئی۔

ف: ایک روایت میں ہے نار میں ایک فرشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہمشکل حاضر ہوا تو آپ کے قریب بیٹھ کر آپ کو مانوس کیا۔ پھر جبریل علیہ السلام حاضر ہو کر ریشمی لبسنز لاتے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام اور ملک بیٹھ کر باہم گفتگو کرتے رہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: اے ابراہیم علیہ السلام! آپ کو اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجے ہیں اور فرمایا ہے کہ اے پیارے! آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ آگ میرے محبوبوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

نمرود نے کیا دیکھا مذکورہ بالا کیفیت کو نمرود اپنے محل سے دیکھ رہا تھا کہ آگ ابراہیم علیہ السلام کو گھیرے ہوئے ہے لیکن وہ آرام سے ایک بہترین باغ میں بیٹھے ہیں اور آپ کے ساتھ ایک حسین وجمیل انسان

محوِ گفتگو ہے۔ اسی وقت فرشتے نے عرض کی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو آگ سے باہر لے چلوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے باہر نکلنے کا ارادہ فرمایا تو وہ فرشتہ آپ کو بسلامت آگ سے باہر لے آیا۔ جب آپ آگ سے باہر تشریف لائے تو آپ کی نمرود سے ملاقات ہوئی۔ نمرود عزت و تعظیم سے آپ سے پیش آیا اور عرض کی: وہ کون تھا جس سے آپ محوِ گفتگو تھے؟ آپ نے فرمایا: ملک الظل (اللہ تعالیٰ کا سایہ پر مقرر کردہ فرشتہ) تھا اسے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بھیجا تاکہ میں آگ میں پریشان نہ ہوں۔ نمرود نے کہا کہ میں تیرے اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی پیش کرتا ہوں کہ اس نے اپنی قدرت سے آپ کو بچایا۔ اس وقت میں چار ہزار گائیں ذبح کرتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تیری قربانی بارگاہِ حق میں قبول نہ ہوگی جب تک تم نے کفر سے توبہ نہ کی۔ نمرود نے کہا کہ نہ میں اپنا ملک چھوڑ سکتا ہوں نہ اپنی ملت، لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی ضرور دوں گا۔ چنانچہ اس نے قربانی دی اور پھر ابراہیم علیہ السلام کے درپے آزار بھی نہ ہوا۔

نمرود نے ابراہیم علیہ السلام کو جادوگر کہا

القصص میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے باہر بسلامت تشریف لائے تو نمرود نے کہا کہ اے ابراہیم! تم بڑے جادوگر ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: یہ جادو نہیں بلکہ میرے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ اپنی قدرت کاملہ سے مجھے آگ سے بچایا اور اسے مجھ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بنا دیا اور مجھے عزت و عظمت کی پوشاک پہنائی۔ نمرود نے پوچھا: وہ کون لوگ تھے جو آپ کے گرد گھوم رہے تھے، اور وہ کون تھا جو آپ کے دائیں جانب بالکل قریب بیٹھا تھا؟ آپ نے فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے میری تسلّی کے لیے بھیجے تھے اور مجھے اطلاع بھجوائی کہ اس نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔ اسے سُن کر نمرود حیران ہوگیا۔ کوئی جواب نہ بن پڑا اور نہ ہی اس کی سمجھ میں کچھ آیا اور یہی خیال کیا کہ یہ ابراہیم (علیہ السلام معاذ اللہ) مجنون ہیں۔ پھر کہا کہ میں آسمان پر چڑھ کر ابراہیمؑ کے خدا کو قتل کر ڈالوں گا۔ چنانچہ اس نیت سے ایک بڑا صندوق بنوایا اس کی تفصیل ہم نے سورۃ ابراہیم کے اواخر میں ذکر کر دی ہے۔

ہاران کو سزا ملی

مروی ہے کہ جب ان بت پرستوں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام آگ سے صحیح سالم نکل آئے ہیں آگ سے آپ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سوائے پنڈلی کے کہ اس کا کچھ حصہ جل گیا تھا تو ہاران یعنی لوط علیہ السلام کے والد نے کہا کہ اسے آگ کیونکر جلاتی یہ تو جادوگر ہے۔ اس نے جادو کے اثر سے آگ کو ٹھنڈا کر لیا تھا۔ اب ایسے کرو کہ ابراہیم (علیہ السلام) کو کسی اونچی شے پر لٹکا دو اور نیچے آگ سلگا دو۔ اس کے دھوئیں سے ابراہیم (علیہ السلام) مر جائیں گے۔ چنانچہ یہی تجویز پاس ہوئی۔ آگ سلگائی جا رہی تھی کہ ایک انگارہ اڑ کر ہاران کی ڈاڑھی پر پڑا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔

ف: جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی۔

سوال: قلنا ینارکونی کا قول اللہ تعالیٰ سے صادر ہوا یا یہ تمثیلی قول ہے؟

جواب : اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آگ کو ٹھنڈا فرمایا۔ اس میں کسی قسم کا خطاب نہیں تھا جیسے اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون ۔ بعض نے فرمایا کہ واقعی اس وقت یہ خطاب ہوا براہِ راست اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے کہ انھوں نے آگ کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا اور وہ ٹھنڈی ہو گئی ۔

ف : ابن عطاؒ نے فرمایا کہ سلام علیٰ ابراھیم کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے سینہ مبارک کو سلامتی نصیب ہوئی ۔ کما قال اذ جاء ربہ بقلب سلیم ۔ یعنی آپ کا قلب مبارک اسباب وعوارض سے خالی تھا۔

نکتہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں توکل ویقین کا غلبہ تھا اس لیے آپ پر نار گلزار ہوئی ۔ لیکن محققین نے فرمایا کہ آپ کے دل میں عشقِ الٰہی موجزن تھا اور عشق کی آگ تمام آتشوں پر غالب ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱	عشق آن شعلہ است کو چون فروخت	ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
۲	در پناہ لطف حق باید گریخت	کو ہزاران لطف بر ارواح ریخت
۳	تا پناہی یابی آنگہ چون پناہ	آب و آتش مر ترا گردد سپاہ
۴	نوح و موسیٰ را نہ دریا یار شد	نے بر اعداشان بکین قہار شد
۵	آتش ابراہیم را نے قلعہ بود	تا برآورد از دل نمرود دود
۶	کوہ یحییٰ را نہ سوے خویش خواند	قاصدانش را بزخم سنگ راند
۷	گفت اے یحییٰ بیا در من گریز	تا پناہت باشم از شمشیر تیز

ترجمہ : ۱۔ عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ اٹھتا ہے تو معشوق کے سوا دوسرا جل کر راکھ ہو جاتا ہے ۔

۲ ۔ لطف حق میں پناہ لینی چاہیے ، وہ حق جس نے ارواح پر ہزاروں الطاف فرمائے ۔

۳ ۔ تاکہ تمھیں ایسی پناہ نصیب ہو کہ جب وہ پناہ نصیب ہو تو آب و آتش تجھ پر بے اثر ہو جائیں ۔

۴ ۔ کیا نوح و موسیٰ علیہما السلام کے دریا مددگار ہوئے کہ ان کے دشمنوں پر کینے سے قہار ثابت ہوا ۔

۵ ۔ ابراہیم علیہ السلام پر آگ قلعہ بن گئی کہ نمرود کے دل سے درد کا دھواں اٹھا ۔

۶ ۔ یحییٰ علیہ السلام کو پہاڑ نے بلایا ، قاصدوں کو پتھر مارے ۔

۷ ۔ کہا اے یحییٰ ! میرے میں آجا تاکہ میں آپ کے لیے دشمن کی تلوار سے پناہ بن جاؤں ۔

سوال : ابراہیم علیہ السلام کو نار سے کیوں آزمایا گیا ؟

جواب : ۱ ۔ قاعدہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام وہ معجزہ لاتا ہے جو اس کی قوم کے لائق ہو ۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم آگ ، سورج ، ستاروں کو پوجتی تھی اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بمنزلہ ارواح کے ہیں کہ جیسے ارواح اجسام کی تربیت کرتے ہیں ان کے اندر بھی وہی تاثیریں ہوتی ہیں ان سے انھیں بھی نصیب ہوں گی ۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشاہدہ کرایا کہ تمہارے نزدیک سورج ، آگ اور ستاروں کی

بڑی تاثیریں ہیں۔ لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو یہ کسی قسم کا اثر نہیں ڈال سکتیں۔

۲۔ بعض نے اس کا جواب لکھا کہ ہر انسان طبعی طور پر ایسی اشیاء سے ڈرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: لا تخف سنعیدھا سیرتہا الاولیٰ۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر ظاہر کر دیا کہ یہ آگ کی تاثیر نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ اپنی صفت قہاریہ سے جس کے اندر تاثیر پیدا کرے یا نہ کرے اسی لیے آگ کی دو تاثیریں بیک وقت ظاہر فرما دیں کہ وہ ٹھنڈی بھی ہو گئی اور سلامتی والی بھی تاکہ اعدائے اسلام کے سامنے معجزہ کا ظہور ہو اور وہ سمجھیں کہ جن عناصر کے ہم پجاری ہیں وہ تو کچھ نہیں عبادت کا مستحق تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے پیارے بندے کے ذریعے ہمارے معبودوں کی جملہ طاقتیں خاک میں ملا دیں اور آگ کو گلزار بنا دیا۔ (کذا فی اسئلۃ الحکم)

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا اور انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک بہت بڑا مکر و فریب کا جال بچھایا تاکہ انھیں ضرر عظیم پہنچائیں فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ پس ہم نے انھیں ہر خسارے والے سے بھی زبوں تر بنا دیا کہ ان کی سعی اور جدوجہد خاک میں مل گئی جسے وہ مٹانا چاہتے تھے وہ برہان عظیم بن کر چمکا اور ثابت کر دکھلایا کہ ابراہیم علیہ السلام حق پر ہیں اور تم سراسر باطل پر۔ وہ رفیع درجات کے مستحق ہیں اور تم عذابِ شدید کے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو	شمع کے میرد بسوزد پوز او
۲	چوں تو خفاشان بسی بینند خواب	کین جہاں ماند یتیم از آفتاب
۳	اے بریدہ آں لب و حلق و دہاں	کہ کند تف سوے مہ یا آسماں
۴	تف بروئش باز گردد بے شکے	تف سوے گردون نیابد مسلکی
۵	تا قیامت تف برو بارد ز رب	ہمچو تبت بر روان بو لہب

ترجمہ: ۱۔ جو شمع حق کی طرف تھوکتا ہے شمع تو نہ بجھے گی الٹا اس کی ڈاڑھی جل جائے گی۔

۲۔ چمگادڑ خواب دیکھتے ہیں کہ یہ جہان سورج سے محروم ہو جائے گا۔

۳۔ جس کے لب، حلق اور منہ کٹے ہوں وہ چاند کی طرف کیا تھوکے گا۔

۴۔ بلکہ تھوک الٹا اس کے منہ پر گرے گی کیونکہ آسمان کی طرف تھوک کب جا سکتی ہے۔

۵۔ قیامت تک اس کے منہ پر آسمان سے لعنت برستی رہے گی جیسے ابولہب کو تبت یدا کہنے سے لعنت برس رہی ہے۔

ف: بعض نے فرمایا کہ الاخسرین بمعنے الہالکین ہے یعنی ہم نے ان پر مچھر مسلط کر دیے حالانکہ وہ بالکل کمزور مخلوق ہے لیکن نمرودیوں کو تباہ کر دیا۔ چنانچہ نمرود نے آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے ساتھیوں کو مچھروں نے کھانا شروع کیا تو ان کے

ذرہ ذرہ کو نگل گئے اور ان کے خون چوس لیے اور نمرود کی ناک میں مچھر داخل ہوا تو اسے اس وقت چھوڑا جب اس کے دماغ کو چاٹ لیا باوجودیکہ وہ تمام لوگوں سے مکرم ترین تھا لیکن جب تک سر پر روزانہ لوہے کے ہتھوڑے نہ مرواتا اسے آرام نہ آتا۔ اسی طرح اسے چار سو سال تک سزا ملتی رہی۔ اس کی مزید تفصیل ہم سورہ نحل میں لکھ چکے ہیں۔

وَ نَجَّیْنٰهُ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلنے اور نمرود کے شر سے نجات دی وَ لُوْطًا لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے درانحالیکہ انھوں نے ہجرت کی اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکتیں نازل فرمائیں۔ اس سے شام کا علاقہ مراد ہے یعنی جب انھوں نے عراق سے شام کی طرف ہجرت فرمائی۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعۂ نمرود کوثی میں ہوا، اور کوثی علاقۂ عراق میں حدودِ بابل میں ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وہاں ہجرت کرنے کا حکم فرمایا تاکہ نجات پا کر علاقۂ شام میں چلے جائیں۔

ف: حضرت سفیان سے مروی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایسی زمین کی طرف جہاں دراہم و دنانیر سے جیب پُر کی جاتی ہے۔ اور وہ علاقہ اسی طرح سے مشہور تھا۔ اس علاقہ کو برکت اس لیے نصیب ہوئی کہ اس میں انبیاء علیہم السلام بکثرت مبعوث ہوئے اور یہاں سے ان حضرات کی شریعتوں کا زیادہ سے زیادہ اجرا ہوا۔ اور یہی حقیقی برکات ہیں جن کے ذریعے سعاداتِ دینیہ و دنیویہ اہلِ عالمین کو نصیب ہوتی ہیں اور ظاہری طور پر یہ علاقہ خوشحال تھا کہ اس میں پانی کی فراوانی تھی اور اشجار و اثمار بکثرت تھے۔ اور یہاں پر ہر امیر و غریب آسودہ تھا۔

ف: حضرت اُبَی بن کعب نے فرمایا کہ اس علاقہ کو اللہ تعالیٰ نے اسی لیے مبارک بتایا کہ ہر ملک کے میٹھے چشمے کی اصل بیت المقدس میں ہے۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام پر لوط علیہ السلام ایمان لائے۔ لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ان کا نسب نامہ یوں ہے: لوط بن ہاران بن تارخ بن تاخور اور آزر لقب اور تارخ نام تھا (بقول مرجوح) اور ہاران اور ابراہیم علیہ السلام دونوں بھائی تھے اور سارہ رضی اللہ عنہا ہاران اکبر یعنی ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی لڑکی تھی وہ بھی ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ جب کوثی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی تو لوط علیہ السلام اور بی بی سارہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ یہ ہجرت صرف اس لئے تھی کہ آپ اپنے دشمنوں کے بار بار حملوں سے بچ کر سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکیں۔ پہلے آپ حران میں پہنچے، وہاں ایک عرصہ رہ کر فلسطین چلے گئے۔ پھر وہاں سے مصر کی طرف ہجرت کر گئے۔ پھر مصر سے شام کی طرف تشریف لے گئے اور لوط علیہ السلام مؤتفکہ میں ٹھہر گئے وہاں کے لوگوں کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہجرت در ہجرت ہوگی سب سے بہتر ہجرت شام کی طرف ہوگی اور وہاں کو ہجرت کرکے جانے والے افضل اور بہتر لوگ ہوں گے۔ اس دوسری ہجرت سے

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت مراد ہے لیکن اس سے شام کی طرف ہجرت کر جانے کی ترغیب مطلوب ہے۔

حدیث شریف بیت المقدس حشر و نشر کا مقام ہے اور شام اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین شہر ہے اس لیے اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہجرت کر کے جائیں گے۔

حدیث شریف مرفوع حدیث شریف میں ہے کہ علیکم بالشام یعنی شام کے علاقے کو لازم پکڑو۔ ؎

سعدیا حُبِ وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتوان مُرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی (علیہ الرحمۃ) حُبِ وطن اگرچہ صحیح حدیث سے ثابت ہے سختی سے نہ مرنا چاہیے اس خیال پر کہ یہی میری پیدائش کی جگہ ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مسکن یارست و شہر شاہ من
پیش عاشق این بود حب الوطن

ترجمہ: یار کا مسکن اور میرے شاہ کا شہر ہے۔ عاشق کے نزدیک حب الوطن کا یہی معنیٰ ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ارضِ شام میں تشریف لانے اور طلبِ اولاد کے بعد عطا فرمایا **اِسْحٰقَ** اسحٰق۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے بی بی سارہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ اسحٰق عبرانی لغت میں ضحاک کو کہتے ہیں۔ ایسے ہی عبرانی لغت میں اسمٰعیل بمعنے مطیع اللہ۔ **وَيَعْقُوْبَ** اور ہم نے انھیں عطا فرمایا یعقوب علیہ السلام، در الحالیکہ تھے وہ **نَافِلَةً** زائد، یعنی پوتے ہیں۔ یہ حرف معطوف علیہ سے حال ہے اس لیے کہ اس میں التباس نہیں اور یعقوب علیہ السلام اس اسمِ گرامی سے اس لیے موسوم ہیں کہ اپنے بھائی کی پیدائش کے بعد پیدا ہوئے ان کے بھائی کا نام عیص تھا، یا اس لیے کہ پیدائش کے وقت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بھائی عیص کا گٹہ پکڑ رکھا تھا۔

ف: قاموس میں لکھا ہے کہ النافلة بمعنے الغنیمة والعطیة اور وہ عمل جو ہمارے اُوپر واجب نہ ہو جیسے عبادات نافلہ اور بیٹے کی اولاد۔ یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہے۔

وَكُلًّا اور چاروں میں سے ہر ایک کو **جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ** ہم نے بنایا نیک بخت۔ یعنی انھیں ہم نے دین و دنیا کے امور کی صلاحیت بخشی۔ اسی لیے وہ کامل تھے **وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً** اور ہم نے انھیں بنایا امام تاکہ امورِ دین میں ان کی اقتدا کی جائے **يَّهْدُوْنَ** وہ امت کو حق کی ہدایت دیتے تھے **بِاَمْرِنَا** ہمارے حکم سے۔ یعنی انھیں ہمارا حکم تھا اور ہم نے انھیں رسول بنا کر بھیجا بھی اسی لیے کہ وہ خلقِ خدا کو راہِ ہدایت بتائیں اور ان کی اس معاملہ میں تکمیل کریں **وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ** اور ہم نے ان کی طرف نیکی کی باتوں کا حکم بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو نیکی کی ترغیب دے سکیں کیونکہ انسان کا کمال

اسی میں ہے کہ وہ علم وعمل کا جامع ہو۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ فعل مصدر مجہول ہے تاکہ ثابت ہو کہ تکالیف شرعیہ کی ادائیگی میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں مشترک ہوتے ہیں۔

سوال : اسی سورۃ کے اواخر میں انہم یسارعون فی الخیرات اور سورہ مریم میں عیسٰی علیہ السلام کا قول واوصانی بالصلٰوۃ والزکٰوۃ مادمت حیا سے ثابت ہوتا ہے کہ فعل کا مصدر معروف ہو۔

جواب : اشتراک کی نفی آیات مذکورہ سے نہیں ہوتی اور ان کی مسارعت فی الخیرات اور عیسٰی علیہ السلام کو مخصوص وصیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات تکالیف شرعیہ میں اصل اور امتیں ان کی فرع اور تابع ہوتی ہیں۔

وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيتَآءَ الزَّكٰوةِ یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے تاکہ واضح ہو کہ یہ دونوں مہتم بالشان عبادتیں ہیں۔

سوال : اقام کا قاعدہ ہے کہ مصدر میں تاء محذوف نہ ہو اور یہاں محذوف کر دی گئی ہے۔

جواب : جب یہ مصدر کسی کی طرف مضاف ہو تو تاء کو حذف کر دینا جائز ہے اس لیے کہ مضاف الیہ اسی تاء مقدرہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

وَكَانُوا لَنَا عٰبِدِينَ اور صرف وہی تھے ہمارے لیے عبادت گزار کہ ان کے دلوں میں ہماری عبادت کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کا خیال او تصور تک نہیں ہوتا کیونکہ عبادت غایۃ تذلل اور انتہائی عجز و انکسار کا نام ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ووھبنا الخ میں اشارہ ہے کہ اولاد عطیۂ ایزدی ہے اس میں بندے کے کسب کو کسی قسم کا دخل نہیں وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِينَ میں بھی اشارہ ہے کہ صلاحیت بھی عطیۂ ایزدی ہے۔ اور صلاحیت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو فیض الٰہی کے قبول کرنے کے لیے استعداد فطری احسن طریق سے ہو وَجَعَلْنٰهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا سے معلوم ہوا کہ امامت بھی عطیۂ ایزدی ہے اسی لیے امام پر واجب ہے کہ وہ طبع ہوائے نفس کو دخل نہ دے بلکہ ہر کام اللہ تعالٰی کے حکم کے مطابق کرے وَأَوْحَيْنَا الخ میں اشارہ ہے کہ مذکورہ بالا امور انسان کو بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام اور الہام اولیاء کرام نصیب ہوتے ہیں ورنہ نفس امارہ کا تقاضا سوائے خواہشات نفسانی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ف : آخری آیات اہل اخلاص کو صراحۃً اور غیروں کو اشاروں سے تنبیہ کی گئی ہے پہلے یعنی مخلصین عبد مطلق ہیں اور دوسرے خواہش نفسانی اور دنیا کے بندے۔

حدیث شریف میں ہے: عبد الدراہم وعبد الدنانیر کو نباہی ہو۔

سوال: حدیث شریف میں دراہم ودنانیر کی تخصیص کیوں؟

جواب: ماسوی اللہ کی پرستش کرنے والوں کا مطمح نظر انہی دونوں خصوصیات سے ہوتا ہے۔

ف: حضرت یحییٰ بن معاذ نے فرمایا کہ لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ عابدین ـــــ وہ جو صرف معاد کی فکر میں مشغول رہتے ہیں۔

۲۔ هالکین ـــــ معاش کے فکر میں معاد سے محروم ہوتے ہیں۔

۳۔ مخاطرین ـــــ معاش ومعاد دونوں میں مشغول رہتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱	آدمی را ہست در کار دست	لیک ازو مقصود ایں خدمت بدست
۲	تا جلا باشد مرین آئینہ را	کہ صفا آید ز طاعت سینہ را
۳	جہد کن تا نور تو رخشاں شود	تا سلوک و خدمتت آسان شود
۴	بند بگسل باش آزاد اے پسر	چند باشی بند سیم و بند زر
۵	ہر کہ از دیدار برخوردار شد	ایں جہان در چشم او مردار شد
۶	باز اگر باشد سپید و بے نظیر	چونکہ صیدش موش باشد شد حقیر

ترجمہ: آدمی کا ہاتھ کام میں، لیکن اس سے مقصد خدمتِ حق ہے۔

۲۔ تاکہ اس کے آئینہ کو جلا ہو کہ طاعت سے سینہ سے صفائی ہو۔

۳۔ کوشش کیجئے تاکہ تیرا نور چمکدار ہو تاکہ تیرا سلوک وخدمت آسان ہو۔

۴۔ بند توڑ اور آزاد ہو۔ کتنا عرصہ تک تم سیم وزر کی قید میں رہو گے۔

۵۔ جو دیدار سے پھل کھانے والا ہو گا اس کی نظروں میں یہ جہان مردار متصور ہو گا۔

۶۔ اگرچہ باز سپید اور بے نظیر ہو تو چونکہ اس کا شکار چوہا ہے فلہذا اسے باز حقیر محسوس ہو گا۔

تفسیر عالمانہ وَلُوطًا یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس مقدر فعل کی تفسیر اٰتَیْنٰہُ ہے۔ یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کو عطا فرمایا حُکْمًا تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حکم سے حکمت حقیقیہ مراد ہے۔ اور بحر العلوم میں ہے حکم وہ امر جسے عمل میں لانا واجب ہے۔ اور جلالین میں ہے کہ حکم سے وہ فیصلہ مراد ہے جو مدعی و مدعا علیہ کے درمیان حق کے ساتھ کیا جائے (صاحبِ روح البیان ؒ نے فرمایا کہ) اگرچہ حکم حکمت سے عام ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے حق میں اکثر حکمت کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واٰتیناہ الحکم۔ یعنی الحکم بمعنے الفہم عن اللہ ہے اور داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا: واٰتاہ الحکم والحکمۃ وعلمہ مما یشاء۔ اس میں حکم وحکمت وعلم کا

علٰحدہ علٰحدہ منصب بتایا ہے۔

وَعِلْمًا یہاں پر علم سے علم نافع مراد ہے جو امور دین اور قواعد شرع وملّت سے متعلق ہو وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ یہاں پر قریہ سے سدوم مراد ہے اور المؤتفکہ الٹی ہوئی بستیوں میں سب سے بڑی بستی یہی تھی۔ یعنی وہ بستیاں جو عذاب الٰہی کی وجہ سے تہہ و بالا ہوگئی تھیں۔ اس کی تفصیل ہم نے پہلے عرض کی۔ ہے الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۔ یہ الخبیثہ کی جمع ہے ہر وہ فعل و قول جو طبعًا ردی اور خسیس ہو یعنی ہر باطل عقیدہ اور جھوٹے قول اور قبیح افعال پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
اعوذبك من الخبث والخبائث۔

اس میں شیاطین کے ذکور واناث مراد ہیں۔ اور آیت میں الخبائث سے لواطت مراد ہے۔

سوال: لواطت بستی تو نہیں کرتی تھی بلکہ وہاں کے باشندے لواطت کے مرتکب ہوتے تھے لیکن فعل کا اسناد القریۃ کی طرف ہے اور وہ ناموزوں ہے۔

جواب: یہاں مضاف محذوف کر کے حکم مضاف الیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ عام ہے اور مضاف کا معنیٰ مراد لینا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ سے معلوم ہوتا ہے اور قوم سوء بمعنے بُری قوم۔ امام راغب نے فرمایا کہ السوء ہر وہ امر جو انسان کو مغموم کرے دنیوی ہو یا اُخروی، وہ احوال نفسیہ ہوں یا بدنیہ یا خارجیہ۔ یعنی مال کی گمشدگی اور دوستوں کی جدائی اور حُسن کے بالمقابل ہر قبیح کو بھی سُوء سے تعبیر کرتے ہیں۔

فٰسِقِيْنَ وہ لوگ جو کفر و معاصی میں ہمہ وقت مشغول و مصروف ہوں یعنی فرمان کے دائرہ سے باہر ہونے والے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ بُرے دوستوں سے علٰحدگی اختیار کرنا بھی عطیۂ الٰہی ہے اور ان کے ساتھ تعلق جوڑنا دائمی رسوائی ہے ؎

زنہار از قرین بد زنہار
وقنا ربنا عذاب النار

ترجمہ: برے دوست سے پناہ۔ اور اے اللہ! ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	ہر حویجے باشدش کردی دگر	درمیان باغ از سیر و کبر
۲	ہر یکے با جنس خود در کرد خود	از برائے پختگی نم مے خورد
۳	تو کہ کرد زعفرانی زعفران	باش آمیزش مکن با ضمیران
۴	آب میخورد زعفرانا تا رسی	زعفرانی اندران حلوا رسی

۵ تو مکن در گرد شلغم پوز خویش تا نگردد با تو او ہمطبع و کیش

۶ تو بگردی او بگردی مودعہ زانکہ ارض اللہ آمد واسعہ

ترجمہ: ۱۔ حاجت مند کی حاجت ایک دوسرے کے خلاف ہے جب سیر کے لیے باغ میں جائیں۔

۲۔ ہر ایک اپنے ساتھی کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق اپنی پسند کا میوہ اٹھائے گا۔

۳۔ اگر زعفرانی ہے تو زعفران کی طرف جائے گا۔ آمیزش سے بچ کر رہ۔

۴۔ زعفران کا پانی پی تاکہ مقصد حاصل ہو، اس سے میٹھا پن حاصل ہوگا۔

۵۔ شلغم کے پیچھے نہ بھاگ تاکہ تیرے اندر اس کی طمع کا اثر نہ ہو

۶۔ اگر اس کے پیچھے گھومے گا تو اس کی طبع میں پھنس جائے گا اس سے باہر جا کیونکہ اللہ کی زمین فراخ ہے۔

وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا اور ہم نے انھیں خاصہ کے مستحق میں شامل فرمایا **اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ** وہ ان حضرات سے تھے جنہیں ہماری طرف سے خصوصیت حسنٰی حاصل تھی۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ رحمت دو قسم کی ہے:

۱۔ عامہ

۲۔ خاصہ

عامہ وہ ہے جو ہر نیک و بد کو نصیب ہوتی ہے۔ کما قال تعالٰی:

ورحمتی وسعت کل شیٔ۔

اور خاصہ رحمت صرف خواص کو نصیب ہوتی ہے۔ اسے دخول فی الرحمۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ مشیت ایزدی اور حسن استعداد سے متعلق ہے۔ اس لیے لوط علیہ السلام کے لیے فرمایا:

انه من الصّالحین۔

یعنی وہ ان حضرات سے تھے جو ہماری رحمت کے فیض کو قبول کرنے والوں میں داخل ہونے کی استعداد رکھتے تھے۔ یہ مقام وصول کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے فرمایا:

یدخل من یشاء فی رحمته۔

اسے اچھی طرح سمجھو۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ وَنَصَرْنَاهُ
مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ وَدَاوُودَ
وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۝
فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ
وَكُنَّا فَاعِلِينَ ۝ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ ۖ فَهَلْ أَنتُمْ
شَاكِرُونَ ۝ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا
بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ ۝ وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَن يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَكُنَّا لَهُمْ
حَافِظِينَ ۝ وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا
لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ ۖ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ
وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ۝ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُم
مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ
أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ
الْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ
خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا
يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ۝ وَالَّتِي أَحْصَنَتْ
فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً
وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۝ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ۝ ع

ترجمہ : اور نوح (علیہ السلام) کو یاد کیجئے جب اس نے پہلے اس سے ہمیں پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی تو ہم نے اسے اور اس کے اہل وعیال کو بڑی سختی سے نجات دی اور ہم نے اس کی اس قوم پر مدد کی جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا بیشک وہ بری قوم تھی تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور داؤد و سلیمان (علیہما السلام) کو یاد کیجئے جب کھیتی کا فیصلہ کرتے تھے جب رات کے وقت اس کی قوم کی بکریاں چر گئیں اور ہم ان کے فیصلہ کے وقت حاضر تھے۔ سو وہ معاملہ ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو سمجھا دیا۔ اور ہم نے دونوں کو حکومت اور علم عطا فرمایا۔ اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ مسخر کر دیا پہاڑوں کو جو تسبیح کرتے تھے اور جانوروں کو اور ہم کرنے والے تھے اور ہم نے اسے تمہارے پہناوے کی صنعت سکھائی تاکہ وہ تمہیں تمہاری جنگ سے

بجائے تو کیا تم شکر کرو گے اور سلیمان (علیہ السلام) کو تند ہوا مسخر کی جو اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور ہمیں ہر شے کا علم ہے اور ہم نے شیطانوں میں مسخر کیے جو اس کے لیے غوطہ لگاتے اور اس کے سوا اور بہت کام کرتے اور ان کے سنبھالنے والے ہم تھے اور ایوب (علیہ السلام) کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے دکھ پہنچا ہے اور تو تمام مہربانوں سے بڑھکر مہربان ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور جو تکلیف اسے تھی ہم نے دور کر دی اور ہم نے اسے اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور عطا فرمائے۔ اپنے سے رحمت کر کے اور یہ عبادت گزار کے لیے نصیحت ہے۔ اور اسماعیل و ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو یاد کیجئے وہ سب صبر کرنے والے تھے اور انھیں ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا اور وہ صالحین میں سے تھے اور ذوالنون (یونس علیہ السلام) کو یاد کیجئے جب وہ غصہ کر کے چلا تو خیال کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔ تو اس نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھے پاکی ہے تحقیق مجھ سے بیجا کام ہوا سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کو غم سے نجات بخشی اور ایسے ہی ہم اہلِ ایمان کو نجات دیتے ہیں اور زکریا (علیہ السلام) کو یاد کیجئے جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ (علیہ السلام) عطا فرمایا اور اس کے لیے ہم نے اس کی بیوی کو سنوارا اور بیشک وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں امید و خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرتے تھے۔ اور اسے یاد کیجئے جس نے اپنی عزت بچائی تو اس میں ہم نے اپنی روح پھونکی اور اسے اور اس کے بیٹے کو ہم نے سارے جہان کے لیے نشانی بنائی۔ بیشک یہ تمہارا دین ایک دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو صرف میری عبادت کرو۔ اور انھوں نے اپنے امور میں آپس میں اختلاف کیا۔ سب ہمارے ہاں واپس آنے والے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَنُوحًا اِذْ نَادٰی یہ مضاف مقدر کی ظرف ہے یعنی اسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اس واقعہ کو یاد کیجئے جب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت اور تباہی کے لیے دعا مانگی تھی مِنْ قَبْلُ ان مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام سے پہلے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی ان کی دعا یہ تھی: انی مغلوب فانتصر۔

قاعدہ: استجابت و اجابت ایک شے ہے لیکن استجابت دعا کی طرف بلا واسطہ متعدی ہوتی ہے اور داعی کی طرف لام کے ساتھ۔ اور جب داعی کی طرف متعدی ہو تو اکثر دعا محذوف ہوتی ہے۔ مثلاً کہا جائے گا استجاب اللہ دعاؤہ اور استجاب لہ۔ یاد رہے کہ استجاب لہ دعاؤہ بہت کم استعمال ہوا ہے۔ اور ندا یہاں پر بمعنے دعا ہے جیسا کہ فاستجبنا لہ سے

معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ استجابت دعا کی مقتضی ہے۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ یعنی اس غم سے ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے اہل کو نجات دی جو انھیں ان کی قوم کی طرف سے اذیتیں اور تکلیفیں پہنچ رہی تھیں۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الکرب بمعنے الغم الشدید ہے۔ یہ کرب الارض سے ہے بمعنے قلبہا بالحضر یعنی زمین کو کھود کر الٹایا گیا۔ ایسے ہی غم بھی انسان کو گویا گہرا دکھ پہنچا کر الٹ دیتا ہے۔

وَنَصَرْنٰهُ ہم نے ان کی ایسی مدد کی کہ ان کے دشمنوں سے مکمل طور پر بدلہ لیا گیا اسی لیے یہ مِنْ سے متعدی ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا، مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اس قوم سے جنہوں نے از اوّل تا آخر ہماری آیات کی تکذیب کی اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ بے شک وہ بُری قوم تھی کیونکہ وہ کافر تھے اور کفر تمام برائیوں کی جڑ ہے فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ توہم نے ان سب کو غرق کر دیا کیونکہ جو قوم بھی تکذیب اور انہاک فی الشر والفساد پر مُصر ہوئی اُسے اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

ردِّ وہابیہ جو دعا باذن اللہ اور خلوصِ قلب سے ہو جیسے انبیاؑ و کاملین اولیاؒ کی دُعائیں ہیں وہ اجابت (قبولیت) سے ضرور ہمکنار ہوتی ہیں۔

کرامت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک شخص کی رفاقت میں مکہ معظمہ سے طائف کی طرف تشریف لے گئے اور آپ کو معلوم نہ تھا کہ یہ منافق ہے۔ دونوں ایک ویرانے میں آرام کرنے کے لیے ٹھہرے اور جب دونوں سو گئے تو منافق نے اُٹھ کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ باندھ دیے اور آپ کو شہید کرنے کی ٹھانی۔ حضرت زیدؓ جاگ اٹھے اور منافق کی کارروائی کو دیکھ کر کہا:

یا رحمٰن اعنی۔ اے اللہ! میری مدد فرما۔

اس کے بعد منافق نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ افسوس ہے تو انھیں شہید کرنا چاہتا ہے۔ منافق نے ادھر ادھر دیکھا تو بولنے والا نظر نہ آیا۔ اس طرح تین بار رہا۔ جب منافق نے تیسری بار حضرت زید رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تو غیبی سوار نے منافق کی گردن اڑا دی اور حضرت زید کی ہتھکڑیاں توڑ دیں اور فرمایا کہ میں جبریل ہوں، جب حضرت زیدؓ نے دعا مانگی میں ساتویں آسمان پر تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا اے جبریل! میرے بندے کی مدد کیجئے۔

ف: اس حکایت و کرامت سے چند فوائد مرتّب ہوتے:

(۱) سفر کے لیے ساتھی کا ہونا ضروری ہے لیکن اس کی حال تفتیش ضروری ہے تاکہ اس سے ضرر اور نقصان نہ پہنچے، اس لیے کہ بہت سے لوگ دوستوں کے بھیس میں دشمن ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

آدمی را دشمنِ پنہاں بیست
آدمیٔ با حذر عاقل کیست

ترجمہ: آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں آدمی کو چوکنا رہنا چاہیے۔

ف: ہر شے میں عبرت ہوتی ہے لیکن کوّے میں ایک عجیب عبرت ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر ایک سے خطرہ میں رہتا ہے۔

(۲) دُعا نجات کے اسباب سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نجات کو دعا سے معلق فرمایا ہے۔ کما قال: فاستجبنا لہ، اس کے بعد فرمایا: فنجّینٰہ۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:؎

مرا دریں ظلمات آنکہ رہنمائی کرد
دعائے نیم شبی بود و گریۂ سحری

ترجمہ: اس ظلمات بھری دنیا میں میری آدھی رات کی دُعا اور گریۂ سحری نے رہبری کی۔

اور مثنوی شریف میں ہے:؎

۱ آں نیاز مریمی بودست و درد — کہ چناں طفلی سخن آغاز کرد
۲ ہر کجا دردے دوا آں جا رود — ہر کجا پستیست آب آنجا رود

ترجمہ: ۱۔ وہ بی بی مریم کی نیاز و درد بھری دُعا تھی کہ بچّہ گہوارے میں بول پڑا۔
۲۔ جہاں درد ہوتا ہے دوائی بھی وہاں اثر کرتی ہے۔ جہاں نیچی زمین ہوتی ہے پانی بھی وہیں جاتا ہے۔
اپنے مجبور بندے کی غیب سے مدد فرماتا ہے اس لیے کہ عالم دنیا کا ہر ذرّہ اس کا لشکر ہے۔

معجزہ حضرت سفینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام روم کے علاقہ میں لشکر سے علٰحدہ ہو گئے تو انھیں مخالفین نے قید کر لیا۔ لیکن آپ ان سے بھاگ گئے۔ اسی اثنا میں راستہ تلاش کر رہے تھے کہ آپ کا ایک شیر سے سامنا ہوا، آپ نے اس سے فرمایا: "میں سفینہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور میں مصیبت میں گرفتار ہوں اور اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔" شیر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی گفت گو سنتے ہی دُم ہلا کر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی خدمت بجالانے کے لیے ان کی ایک جانب کھڑا ہو گیا۔ جب حضرت سفینہؓ پہ کوئی شے حملہ آور ہوتی تو شیر آپ کے قریب ہو کر ڈھال بن جاتا یہاں تک کہ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکرِ اسلام میں پہنچ گئے اور شیر واپس چلا گیا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:؎

۱ یکے دیدم از عرصۂ رود بار — کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
۲ چناں ہول ازاں حال برمن نشست — کہ ترسیدنم پائے رفتن ببست

۳ تبسم کناں دست بر لب گرفت　　که سعدی مدار آنچه آید شگفت
۴ تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　که گردن نپیچد ز حکم تو ہیچ
۵ محالست چوں دوست دارد ترا　　که در دوست دشمن گزارد ترا

ترجمہ : ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ رود بار کے میدان سے میرے سامنے ایک پلنگ پر (کہ ایک درندہ جانور ہے) سوار آیا۔

۲۔ اس واقعہ سے ایسا خوف مجھ پر غالب ہوا کہ دہشت نے میرے چلنے کا پاؤں باندھا۔
۳۔ مسکراتا ہوا ہاتھ ہونٹ میں دبایا کہ اے سعدی! جو کچھ تُو نے دیکھا، تعجب مت جان۔
۴۔ تُو بھی خدا کے حکم سے گردن مت پھیرنا تاکہ کوئی تیری نافرمانی نہ کرے۔
۵۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا تجھے دوست رکھے اور تجھے دشمن کے ہاتھ میں چھوڑ دے۔

(۴) فرشتے اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے لیے انسانی بھیس بدل کر حاضری دیتے ہیں۔ حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے المنقذ فی الضلال میں لکھا کہ صوفیاء کرام بیداری میں ملائکہ کرام کو دیکھتے ہیں اس لیے کہ یہ حضرات باطن کو اور قلوب کی صفائی اور علائق کو قطع کرنے اور اسباب دنیا جاہ و جلال سے فارغ ہونے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور نیک زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ملائکہ کی ملاقات کے اہل ہو جاتے ہیں ع

شد فرشتہ دیدن از شان فرشتہ خصلتے

ترجمہ : فرشتے کو فرشتہ خصلت انسان دیکھ سکتا ہے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اور داؤد و سلیمان علیہما السلام کے واقعہ کو یاد کرو جبکہ انھوں نے کھیتی کے فیصلے کے وقت اپنے اپنے حکم صادر فرمائے اِذْ نَفَشَتْ بمعنے تفرقت و انتشرت یہ حکم کی ظرف ہے فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ رات کے وقت چرواہے کے بغیر بکریاں کھیتی چٹ کر گئیں۔

حلِ لغات : النفش بمعنے چرواہے کے بغیر بکریوں کا رات کے وقت پھیل جانا۔ اور الغنم محرکۃ۔ یہ وہ لفظ ہے جس کا اپنے لفظ سے واحد نہیں آتا۔ اس کا واحد شاۃ آتا ہے۔ اور یہ اسم مؤنث ہے لیکن جنس مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ (کذا فی القاموس)

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ اور ہم مدعی و مدعا علیہ دونوں فیصلہ کنندگان کے فیصلہ کے وقت تھے۔

سوال : تمہارے ترجمہ سے ثابت ہوا کہ ھُمَا کی ضمیر حاکمین و متحاکمین کی طرف راجع ہے۔ اس سے کئی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

۱۔ اضافۃ المصدر الی الفاعل والمفعول دفعۃ واحدۃ حالانکہ مصدر صرف فاعل کی طرف مضاف ہو سکتا ہے یا مفعول کی طرف۔
۲۔ فاعل کی طرف مضاف ہونا علیٰ سبیل القیام اور مفعول کی طرف علیٰ سبیل الوقوع علیہ کی حیثیت سے ہوگا۔ اور یہ

دونوں مصدر کے دو مختلف معمول ہیں ان میں بیک وقت مصدر کس طرح عمل کر سکتا ہے ۔

٣ ۔ جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آتا ہے اس لیے کہ مصدر کا فاعل کی طرف مضاف ہونا اس کی حقیقت اور مفعول کی طرف مجاز ہے ۔

جواب : یہ اضافت علیٰ سبیل الاختصاص ہے یعنی اضافت کے وقت فاعل ومفعول کی حیثیت کو مدِّنظر نہیں رکھا گیا ۔ گویا یہ اضافت علیٰ سبیل عموم المجاز ہے اور وہ بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم ان کے حکم متعلق ہم کے وقت تھے شٰھِدِیْنَ حاضر، یعنے ازروئے علم ہم حاضر تھے ۔ ان کے حکم کی عظمت شان کی وجہ سے فرمایا گیا ہے ۔

"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا کہ ان دونوں حضرات کا فیصلہ ہمارے ارشاد کے عین مطابق تھا ۔ ان میں کسی نے بھی اپنے فیصلے میں غلطی نہیں کی ۔ اس میں ہمارا مقصد یہی تھا کہ مسئلہ اجتہاد کا طریقہ جاری ہو کر مضبوطی اختیار کرے تاکہ مجتہدین کی عزت واحترام کو چار چاند لگ جائیں اور ان کے اجتہادات کی اقتدأ کی جاسکے اور ان کے اجتہاد کی مساعی پر انھیں ثواب نصیب ہو ۔

فَفَهَّمْنٰهَا پس ہم نے فیصلہ سمجھا دیا سُلَیْمٰنَ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ۔ اس وقت ان کی عمر گیارہ سال تھی ۔ اور کاشفی نے تیرہ سال عمر لکھی ہے ۔

ف : "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مجتہدین کو ایک دُوسرے پر فضیلت ہوتی ہے ۔ اس میں سن میں بڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ فضیلت کا دارومدار علم پر ہے اور ساتھ ہی اس میں احکام واسرار ومعانی کا فہم بھی ضروری ہے ۔ اسی لیے سلیمان علیہ السلام کو یہاں فضیلت حاصل ہوئی کہ اُنھوں نے اس فیصلہ کو اصوب اور احق طور سمجھا ورنہ حضرت داؤد علیہ السلام سن میں بڑے اور نبی برحق بھی تھے ۔ اسی لیے حکمأ نے فرمایا کہ دولت مندی ہنر کا نام ہے ، مال کا نام دولت مندی نہیں ۔ اور بزرگی عقل سے ہوتی ہے نہ کہ سن سے ۔

ف : مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے سلیمان علیہ السلام کے علم وحکمت پر حسد کیا کہ صغر سنی میں انھیں اتنا بڑا مرتبہ کیوں ملا ۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ عالم دنیا میں حکمت کے نوّے اجزأ ہیں ان میں سے ستّر صرف سلیمان علیہ السلام کو عطا ہوئے ہیں اور باقی بیس حصّے تمام لوگوں میں منقسم ہوئے ہیں ۔

وَكُلًّا اور ہر ایک باپ بیٹے کو اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ہم نے عطا فرمایا بہت بڑا حکم اور علم ۔ اس میں اس وہم کا ازالہ مطلوب ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس فیصلہ سے ثابت ہوا کہ سلیمان علیہ السلام اپنے والد سے حکم اور علم میں زیادہ تھے ۔ اس جملے سے واضح فرمایا کہ واقعہ سے سلیمان علیہ السلام کی والد گرامی سے افضلیت علمی وحکمی ثابت نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی عطا سے وہ دونوں بہت زیادہ علم وحکم رکھتے تھے اور فیصلہ مذکورہ میں بھی دونوں کے علم وحکم کا ثبوت ہے کیونکہ دونوں نے شرعی فیصلے کا اظہار کیا جو دونوں اپنے مرتبہ ومقام کے لحاظ سے صحیح تھے ۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حکم سے مراد حکمت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ان دونوں کو علم وحکمت سے نوازا تاکہ دونوں کا فیصلہ علم وحکمت کے عین مطابق ہو اور ان دونوں کو ہماری تائید حاصل ہے اگرچہ بظاہر ایک فیصلہ حکم کے خلاف تھا لیکن اس میں بھی حکمتِ ایزدی تھی وہ یہ کہ ثابت ہوسکے کہ مسائل شرعیہ میں اجتہاد جائز ہے اور ہر مجتہد اپنے اجتہاد کے لحاظ سے مصیب ہوتا ہے اگرچہ دوسرے حق فیصلے کے لحاظ سے مبنی برخطا ہے لیکن وہ فی نفسہ اپنے فیصلے میں مصیب ہے۔ الارشاد میں ہے کہ مجتہد کی خطا اسے درجۂ اجتہاد سے نہیں گراتی۔

کھیت کا واقعہ

مروی ہے کہ دو مرد داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک نے عرض کی کہ اس کی بکریاں رات کو میرا کھیت چر گئی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ کھیت والا تمام بکریاں لے جائے۔ ان دونوں کی قیمت میں کوئی فرق نہ تھا یعنی جتنی کھیت کی قیمت تھی بکریوں کی بھی اتنی ہی قیمت تھی۔ جب وہ دونوں باہر نکلے تو ان کی سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی اور تمام ماجرا سنایا حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا فیصلہ اس کے علاوہ ہے جو دونوں کے لیے مفید ہے یہی بات حضرت داؤد علیہ السلام نے سُن لی اور سلیمان علیہ السلام کو بلا کر فرمایا میں آپ کو نبوت اور ابوت کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ وہی فیصلہ بتا دے جو دونوں کو مفید ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بکریاں کھیت والے کے سپرد کی جائیں اور وہ اُن کے دُودھ اور اُون وغیرہ سے فائدہ اٹھاتا رہے اور دوسرا باغ و کھیت میں محنت کرکے اسے ویسا ہی تیار کر دے جیسا پہلے تھا۔ جب کھیت تیار ہو جائے تو کھیت والے کو کھیت واپس کرکے اپنی بکریاں لے جائے۔ داؤد علیہ السلام نے سلیمانی فیصلہ سُن کر فرمایا حقیقی فیصلہ یہی ہے میں اسی کا اجراء کرتا ہوں۔

ف : الارشاد میں ہے کہ ان دونوں حضرات کا فیصلہ مبنی بر اجتہاد تھا اس لیے کہ سلیمان علیہ السلام کے الفاظ فیصلہ غیر ھٰذا ارفق بالفریقین اور ارٰی ان تدفع الخ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صریح وحی ہوتی تو ایسے مبہم الفاظ نہ فرماتے۔ اگر وحی ہوتی تو اسے پختگی سے فرماتے نہ کہ ابہام سے، اور نہ ہی خاموشی سے داؤد علیہ السلام کے فیصلے کو سنتے رہتے بلکہ ان پر واجب ہوتا کہ اُن کے فیصلے سے پہلے اسے ظاہر فرما دیتے اس لیے کہ وحیِ ربانی کے فیصلے کو ہر فیصلے پر فوقیت ہوتی ہے۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی مجتہدانہ تھا اس لیے کہ اگر ان کا حکم وحی ربانی تھا تو پھر وہ سلیمان علیہ السلام کے اجتہاد سے منسوخ نہ ہوتا۔ مجتہد کا حسب وسعت علم کسی مسئلہ میں غور و فکر کرنا تاکہ غلبۂ ظن سے حکم شرعی ثابت ہو جائے اسے اجتہاد کہا جاتا ہے اور وہ انبیاءُ علیہم السلام کے لیے بھی جائز ہے۔ یہی اہلسنت کا مذہب ہے تاکہ اجتہاد کا ثواب حاصل ہو اور دُوسرے مجتہدین ان کی اقتداء کر سکیں۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

العلماء ورثة الانبياء۔

اس سے ثابت ہوا کہ انبیاءُ علیہم السلام کو بھی اجتہاد لازم ہے تاکہ علماءِ کرام ان کی وراثت کے حقدار ہو سکیں۔ ہاں یہ بھی اپنی جگہ حق ہے کہ وہ اجتہادی خطاء پر برقرار نہیں رہتے۔

حدیث شریف جب کوئی حاکم کسی فیصلہ کے لیے اجتہاد کرتا ہے اور وہ اس پر صحیح اترتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد میں غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ہے۔

مسئلہ : ہر واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک فیصلہ متعین ہوتا ہے اس پر دلیل قطعی ہو یا ظنی، جو مجتہد اس کے مطابق فیصلہ دیتا ہے وہ مصیب ہے۔ جو اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ مخطی ہے لیکن گنہگار نہیں۔

سوال : جو فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو اس کے ارتکاب سے کفر ہونا چاہیے یا فسق۔ اور تم دونوں سے بری کر رہے ہو۔

جواب : مجتہد نے اسی فیصلہ کو اپنے گمان پر اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر ظاہر کیا ہے۔ اگرچہ خطا ہوئی تو وہ اس کے لیے معاف ہے۔ اس لیے کہ وہ باغی ہو کر فیصلہ نہیں دے رہا بلکہ مطیع ہو کر۔

مسئلہ : بحر العلوم میں ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ مجتہد مصیب بھی ہوتا ہے اور مخطی بھی۔ اگرچہ مسائل اجتہادیہ میں حق ایک طرف ہوگا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ دونوں حق پر ہیں اس معنے پر واقعہ مذکورہ میں سلیمان علیہ السلام کی تخصیص عبث جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا کوئی امر عبث نہیں۔ اور ہم انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کے بھی قائل ہیں ان میں ہر قول اجتہادی کو حق مانا جائے تو اجتماع النقیضین لازم آئے گا کہ صحت و فساد اور وجوب و حظر و اباحۃ یکجا جمع ہو جائیں گے اور یہ ممتنع ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

وہم افتد در خطا و در غلط
عقل باشد در اصابتہا فقط
مجتہد ہر کہ باشد نص شناس
اندران صورت نیندیشد قیاس
چوں نیاید نص اندر صورتے
از قیاس آنجا نماید عبرتے

ترجمہ : ۱۔ غلط و خطا میں وہم کو اور صحیح فیصلوں میں عقل کو دخل ہوتا ہے۔
۲۔ وہ مجتہد جو نص کو پہچانتا ہے اس صورت میں قیاس کا فکر مند نہیں ہوتا۔
۳۔ جس صورت میں نص نہ ہو تو پھر قیاس سے کام چلاتا ہے۔

وَسَخَّرْنَا اور ہم نے مسخر کر دیے **مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ** داؤد علیہ السلام کے پہاڑوں کو۔ مع، سخرنا کے متعلق ہے۔ تسخیر بمعنے تذلیل الشئ۔ یعنی کسی کو دوسرے کے تابع فرمان کرنا۔ اسی سے ہے سفن سواخر۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کشتیوں کے لیے ہوا خوشگوار ہو۔ **يُسَبِّحْنَ** یہ جبال سے حال ہے یعنی در انحالیکہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی

تقدیس و تنزیہہ بیان کرتے جسے حاضرین سُنتے تھے۔ یہاں تسبیح قولی مراد ہے اس سے پہاڑ کی گونج مراد نہیں، اس لیے کہ وہ عام ہے جسے ہر ایک سنتا ہے اور یہاں داؤد علیہ السلام کے معجزے کا اظہار ہے۔ اور معجزہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ان کی تسبیح قولی مانی جائے۔ اسی طرح تسبیح بزبانِ حال بھی یہاں مراد نہیں ہوسکتی۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لو) وَالطَّيْرَ اس کا الجبال پر عطف ہے۔

نکتہ: الطیر پر الجبال کی تقدیم اس لیے ہے کہ پہاڑوں کی تسخیر و تسبیح زیادہ تعجب ناک ہے اور قدرت ایزدی اور معجزۂ داؤدی کے لیے زیادہ موثر ہے کیونکہ یہ جماد ہے اور پرندے کا تابع ہونا اور اس کا تسبیح پڑھنا اتنا تعجب خیز نہیں۔

وَكُنَّا فَاعِلِينَ اور ہم کرنے والے ہیں اس لیے کہ یہ ہماری قدرت میں ہیں اگرچہ تمہارے نزدیک یہ ایک تعجب خیز بات ہے۔

ف: مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام جب گزرتے تو پہاڑوں اور پرندوں سے تسبیح سنتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انھیں یہ تسبیح اس لیے سنائی تاکہ وہ تسبیح سے خوش ہوں اور بارگاہِ ایزدی کی جانب انھیں مزید اشتیاق ہو۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ یقین کرنے والے مسلمان کو اعتقاد رکھنا چاہیے کہ پہاڑ اور پرند حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اس طرح تسبیح کرتے تھے کہ تمام سننے والے ان کے حروف اور کلمات سمجھتے تھے۔ اور قدرتِ الٰہی سے یہ کوئی بڑی بات نہیں ؎

ہر کجا قدرتش علم افروخت
از غرائب ہر آنچہ خواست بساخت
قدرتے را نیست نقصانش
کار ہا جملہ ہست آسانش

ترجمہ: جہاں اس کی قدرت نے علم کھڑا کیا وہاں جتنے عجوبے چاہے بنائے۔
اس کی قدرت میں کسی قسم کا نقصان نہیں، اس کے ہاں تمام کام آسان ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ذکرِ الٰہی میں منہمک ہونے والے پر سلطان ذکر غالب ہوتا ہے تو اس کے جسم کا ذرہ ذرہ ذکرِ الٰہی کے نور سے منور ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اس کا قلب اور روح جو ہر ذکر سے اتنا روشن ہوتے ہیں کہ اس کے نور ذکر کا عکس اس کے سامنے ہونے والے جمادات وحیوانات پر پڑتا ہے تو وہ جمادات وحیوانات بھی ذکر کرنے لگ جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں کنکریاں تسبیح پڑھتی سُنی گئیں اور گوہ (ضب) آپ سے ہمکلام ہُوئی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ہم طعام کھاتے تھے اور اس طعام سے تسبیح بھی سُنتے تھے۔

ف: عرائس البقلی میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہر وقت خالی مکان کی تلاش میں رہتے تاکہ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوسکیں۔ اسی لیے وہ عموماً پہاڑوں کی غاروں میں تشریف لے جاتے اس لیے کہ یہی پہاڑ انوار قدرت الٰہی سے سرشار اور دنیوی حوادث سے خالی ہیں۔ اور اسی طرح الآن کما کان ہیں جیسے انھیں عدم سے وجود میں لایا گیا۔ ان پر وہی نورِ قدیم

تا حال موجود ہے۔ اس لیے کہ وُہ اہلِ زمانہ کی دستبرد سے پاک رہے اسی لیے جب داؤد علیہ السلام تسبیح حق میں مشغول ہوتے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پرندے بھی نورِ فعل حق کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرتے۔ گویا خود اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کی تنزیہ و تقدیس سے اپنی تنزیہ و تقدیس بیان فرماتا اس لیے کہ داؤد علیہ السلام پر عظمتِ الٰہی اور نور کبریائی کا غلبہ تھا۔

ف : محمد بن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہاڑ مجذوبوں کی تسکین اور غمزدوں کے انس کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اس لیے کہ پہاڑ مخلوق کی دستبرد سے پاک ہیں وُہ اسی حالت میں بدستور باقی ہیں جیسے انھیں اللہ تعالیٰ نے عدم سے وجود بخشا۔ مخلوق کا ذرہ برابر بھی ان پر اثر نہیں ہوا۔ اسی لیے ان سے وحشت ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ صنع حقیقی سے جس آثار سے انھیں پیدا کیا گیا وہ انہی اطوار پر تا حال موجود ہیں ان میں کسی قسم کی تحویل اور تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

لحنِ داؤدی کا بیان

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل داؤد علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے دین حق سے منحرف اور متفرق ہو کر شیطان کی لہو و لعب یعنی بانسری، طنبور و دیگر مزامیر کے گانے بجانے میں مست ہو گئے۔ ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ حسنِ صوت اور خوش الحانی آپ پر ختم تھی۔ آپ جس وقت توراۃ کو خوش الحانی سے پڑھتے تو بنی اسرائیل دنگ ہو جاتے اور باجوں کو چھوڑ کر داؤد علیہ السلام کی توراۃ سننے کے لیے جمع ہو جاتے اور دل لگا کر آپ کی توراۃ سنتے اور داؤد علیہ السلام کا کمال یہ تھا کہ جب آپ تسبیح پڑھتے تو پہاڑ اور پرندے آپ کے ساتھ تسبیح شروع کر دیتے۔ (کذا فی قصص الانبیاء)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بہ از روئے زیبا ست آواز خوش
کہ ایں حظ نفس است و آں قوت روح

ترجمہ : حسین چہرے سے خوش آواز بہتر ہے اس لیے کہ خوش چہرہ میں حظِ نفسانی ہے اور آواز روح کی غذا ہے۔

اور فرمایا : ؎

اشتر بشعر در حالتست و طرب
گر ذوق نیست ترا کژ طبع جانوری

ترجمہ : اونٹ عرب کے شعر سے حالت اور خوشی میں ہے اگر تجھے ذوق نہیں تو تو ٹیڑھے جانور والا ہے۔

مزید فرمایا : ؎

وعند ھبوب الناشرات علی الحمٰی
تمیل غصون البان لا الحجر الصلا

ترجمہ: ہواؤں کے تیز جھونکوں سے بان کی ٹہنیاں ہلتی ہیں نہ کہ پتھر سخت۔

ف: جیسے اصوات حسنہ ونغمات موزونہ نفوس میں اثر انداز ہو کر انھیں شر سے نکال کر خیر کی طرف لے جاتی ہیں اور انھیں استعداد کامل بخشتی ہیں ایسے ہی اصوات قبیحہ اور نغمات غیر موزونہ نفوس میں اثر انداز ہو کر اصواتِ حسنہ اور نغماتِ موزونہ کے خلاف عمل کراتی ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	یک مؤذن داشت بس آواز بد	درمیان کافرستاں بانگ زد
۲	چند گفتندش مگو بانگ نماز	کہ شود جنگ و عداوتہا دراز
۳	او ستیزہ کرد وپس بے احتراز	گفت درکافرستان بانگ نماز
۴	خلق خائف شد زفتنہ عامۂ	خود بیامد کافرے با جامۂ
۵	شمع وحلوا با چناں جامہ لطیف	ہدیہ آورد و بیامد چوں الیف
۶	پرس پرساں کیں مؤذن کو کجاست	کہ صلائے بانگ او راحت فزاست
۷	دخترے دارم لطیف و بس سنی	آرزو مے بود او را مؤمنی
۸	ہیچ ایں سودا نمی رفت از سرش	پندہا میداد چندے کافرش
۹	ہیچ چارہ مے ندانستم دراں	تا فرو خواند این موذن آں اذان
۱۰	گفت دختر چیست ایں مکروہ بانگ	کہ بگوشم آمد ایں دو چار دانگ
۱۱	من ہمہ عمر ایں چنیں آواز زشت	ہیچ نشنیدم دریں دیر وکنشت
۱۲	خواہرش گفتا کہ ایں بانگ اذان	ہست اعلام و شعار مؤمناں
۱۳	باورش نامد بپرسید از دگر	آں دگر ہم گفت آرے اے قمر
۱۴	چوں یقین گشتش رخ او زرد شد	از مسلمانی دل او سرد شد
۱۵	باز رستم من ز تشویش و عذاب	دوش خوش خفتم داراں بے خوف خواب
۱۶	راحتم ایں بود از آواز او	ہدیہ آوردم بشکر آں مرد گو
۱۷	چوں بدیدش گفت ایں ہدیہ پذیر	چوں مرا گشتی مجیر و دستگیر
۱۸	گر بمال و ملک و ثروت فردمے	من دہانت را پراز زر کردمے

ترجمہ: ۱۔ ایک مؤذن بدآواز تھا اور کافروں کے علاقہ میں اذان پڑھتا تھا۔

۲۔ لوگوں نے اسے کہا کہ تُو اذان نہ پڑھا کر کیونکہ تیری آواز سے شور ہوتا ہے اور جنگ چھڑ جاتی ہے۔

۳۔ وہ اس پر بضد تھا، بلکہ خصومت پر آمادہ ہوجاتا۔ اور کہتا اس میں زیادہ ثواب ہے کہ کافروں کے علاقہ میں اذان پڑھتا ہوں۔
۴۔ مخلوق اس کی اذان سے خائف تھی لیکن ایک کافر نے اسے آکر انعام کے طور پر کپڑے پہنائے۔
۵۔ خوشبوئیں، کپڑے اور حلوا شکریہ کے طور پر لایا۔
۶۔ پوچھتا تھا کہ وہ مؤذن کہاں ہے جس کی اذان سے ہمیں راحت نصیب ہوئی ہے۔
۷۔ کیونکہ میری لڑکی نہایت حسین وجمیل ہے اسے اسلام لانے کا شوق تھا۔
۸۔ اسے یہ خیال ایسا سمایا کہ ہمارے سمجھانے سے نہیں مانتی تھی۔
۹۔ اس کے سمجھانے کا ہمیں کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا یہاں تک کہ اس کی اذان سے اس کا خیال بدلا ہے۔
۱۰۔ جب اس کی اذان سُنی تو پُوچھا کہ یہ کرخت آواز کیسی ہے جس نے میرے کان کے پردے پھاڑ ڈالے ہیں۔
۱۱۔ میں نے دیر و دوارہ میں ایسی گندی آواز کبھی نہیں سُنی۔
۱۲۔ اس کی بہن نے کہا کہ اہلِ اسلام کی اذان کی آواز ہے۔
۱۳۔ اسے یقین نہ آیا، کسی دوسری عورت سے پُوچھا، اس نے بھی یہی کہا۔
۱۴۔ جب اسے یقین ہوا تو اس کا چہرہ زرد ہوگیا اور مسلمانی سے مکمل طور پر بیزار ہوگئی۔
۱۵۔ ہم کو اس کے وسواس اور وہم سے چھٹکارا نصیب ہوا۔
۱۶۔ اس کی بدآواز سے ہمیں راحت ملی ہے اس لیے میں ہدیہ کے طور پر یہ اشیأ لایا ہوں۔
۱۷۔ مؤذن کو دیکھ کر کہا، حضرت! ہدیہ قبول کیجئے کہ آپ کی بدولت ہمیں راحت نصیب ہوئی۔
۱۸۔ اگر میرے پاس اور مال و زر ہوتا تو آپ پر نچھاور کر دیتا۔

تفسیر عالمانہ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانا سکھایا۔

حلِ لغات: الصنع بمعنے الفعل۔ لیکن فعل کو صنع نہ کہا جائے گا الصناعۃ بروزن کتابۃ بمعنے کاریگر کی کاریگری۔ اور اللبوس بمعنے اللباس مطلق وہ زرہ ہو یا کوئی اور شے۔ مثلاً کہا جاتا ہے لبس الثوب بمعنے استتر بہ۔ یاد رہے کہ داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے زرہ ہوتیں لیکن صرف لوہے کی چادریں جنہیں طولاً و عرضاً جسم کے اردگرد لپیٹ لیتے تھے لیکن داؤد علیہ السلام نے قوّتِ علمی اور خداداد ذہانت سے ان چادروں کو بہترین طریقے سے جوڑ کر زرہیں تیار کیں جیسے درزی کپڑے کو جوڑتا ہے۔ لکم تمہارے فائدہ کے لیے۔ یہ علّمنا یا فعل محذوف کے متعلق ہوکر لبوسٌ کی صفت ہے۔ یہ بھی داؤد علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا کہ وہ بغیر آلات مثلاً بھٹّی، آگ، سندان اور ہتھوڑے کے زرہیں تیار کرتے تھے۔

حکایت لقمان حکیم منقول ہے کہ لقمان حکیم حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہیں بناتے ہوئے دیکھ کر متعجب ہوئے اور قبل ازیں آپ نے ایسی صنعت نہیں دیکھی تھی۔ خاموشی سے اسے بنتے ہوئے دیکھتے رہے، اس کی وجہ نہ پوچھی۔ بالآخر داؤد علیہ السلام نے اسے تیار کر کے اپنے جسم پر ناپا۔ اس پر لقمان حکیم سمجھے کہ یہ زرہ ہے جو جنگی ضرورت کے لیے تیار کی جا رہی ہے۔ اسی وقت لقمان حکیم نے فرمایا:

ان من الصمت لحکمۃ۔ بعض اوقات خاموشی سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔

اور حکماء نے فرمایا کہ گفتگو اگرچاندی ہے تو خاموشی سونا ہے ؎

اگر بسیار دانی اندکے گو
یکے را صد مگو صد را یکے گو

ترجمہ: اگر بسیار دان ہو تب بھی کم بولو، ایک کو سو میں نہیں بلکہ سو کو ایک بات میں سمو دو۔

لِتُحْصِنَكُمْ تاکہ زرہ تمہیں بچائے۔

سوال: اللبوس تو مذکر ہے اس کے لیے مونث کا صیغہ کیوں؟

جواب: الدرع کی تاویل میں ہے اور الدرع مونث سماعی ہے۔ اور درع بمعنے حصینۃ (قلعہ)۔ چونکہ زرہ بدن کے لیے بمنزلہ قلعہ کے ہے۔ پھر جو شے بھی حفاظت کا کام دے اسے مجازاً درع سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ باعادہ جار لکم سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ لتحصنکم مؤولا بمعنے احصانکم کے ہے اور لکم کی ضمیر اور احصان کے درمیان ملابستہ الاشتمال ظاہر ہے اس لیے کہ لکم سے اختصاص اور منفعۃ کا معنیٰ حاصل ہوتا ہے۔

مِنْ بَأْسِكُمْ یہاں پر البأس بمعنے الحرب (جنگ) ہے اور اس کا اطلاق ہر بڑی جنگ کے لیے آتا ہے یعنی تمہارے دشمن کی جنگ سے، جیسے قتل اور زخم جو جنگ میں دشمنوں کے حملوں یعنی تلواروں، نیزوں اور تیروں سے ہوتے ہیں

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جمیع صنائع اللہ تعالیٰ کی تخلیق و تعلیم سے نصیب ہوتی ہیں۔

حدیث شریف ہر صانع اور اس کی صنعت کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔

مثنوی شریف میں ہے:؎

۱ قابل تعلیم و فہمست ایں خرد
لیک صاحبِ وحی تعلیمش دہد

۲ جملہ حرفت ہا یقین از وحی بود
اول او لیک عقل آنرا فزود

ترجمہ: ۱۔ یہ عقل قابل تعلیم و فہم ہے لیکن اسے صاحبِ وحی تعلیم دیتا ہے۔

۲۔ تمام صنعتیں یقیناً وحی سے ہیں پہلے وحی کی رہبری پھر عقل اس کی تائید کرتی ہے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ تو کیا تم اس کی نعمت کا شکر کرتے ہو یعنی تمہیں ایسی نعمتیں عطا ہوئی ہیں جو شکر کی موجب ہیں۔ تمہارے لیے شدائد سے بچنا آسان فرمایا، تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ کاشفی نے لکھا کہ ایسے لباس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

ف: یہ بصورت استفہام ہے اور خطاب امت مصطفویہ یعنی اہل مکہ اور قیامت تک آنے والوں کو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کی خبر دی ہے کہ اگرچہ زرہ بنانے کا آغاز داؤد علیہ السلام نے کیا لیکن ان کے سکھانے پر تمام لوگوں کو یہ نعمت عام ہوئی۔ یہاں تک کہ قیامت تک ہر جنگجو کو اس کی ضرورت پڑے گی۔ اس معنیٰ پر اس نعمت کا ہر انسان کو شکرِ الٰہی واجب ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ خطاب داؤد علیہ السلام اور ان کے اہلبیت کو ہے۔ یہاں عبارت محذوف ہے۔ در اصل فقلنا لھم بعد ما انعمنا علیھم الخ یعنی داؤد علیہ السلام اور اہل بیت کو ان بہت بڑی نعمتوں سے بہرہ ور فرما کر ہم نے انھیں کہا کہ ان بہت بڑی نعمتوں یعنی تسخیر الجبال والطیر اور لوہے کے نرم ہوجانے اور زرہ بنانے کی تعلیم پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

زرہ بنانے کا موجب

مروی ہے کہ ایک دن داؤد علیہ السلام حزین و غمگین ہوکر نکلے اور ارادہ تھا کہ کسی اجنبی سے اپنی سیرت کے متعلق استفسار کریں۔ آپ کو جبریل علیہ السلام بصورت انسان ملے آپ نے اسے اجنبی سمجھ کر پوچھا کہ آپ داؤد (علیہ السلام) کو کیسے سمجھتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: بہت بھلے بزرگ ہیں لیکن ایک کمی ہے کہ وہ بیت المال سے اخراجات لیتے ہیں کاش وہ اپنی کمائی سے ضروریاتِ زندگی پورے کرتے اس لیے کہ ہاتھ کی کمائی سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں۔ داؤد علیہ السلام یہ نصیحت سن کر گھر لوٹے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انھیں ہاتھ کی کمائی سے رزق بخشے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لوہا موم بنا دیا۔ اسی سے زرہیں تیار کرکے بیچتے اور اسی سے بسر اوقات فرماتے۔

مسئلہ: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں ہے کہ علماء و سادات و مشائخ وغیرہم کو بیت المال سے وظیفہ اہلِ شرع اور اہلِ حقیقت کے نزدیک جائز ہے لیکن ترک افضل ہے۔ اور تقوٰی کا تقاضا ہے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بسر اوقات کرنا چاہیئے جیسا کہ داؤد علیہ السلام کا قصہ دلالت کرتا ہے۔ ایسے ہی اوقاف کی آمدنی و دیگر عطیات و وظائف کا حکم ہے اس لئے کہ اس زمانہ میں ایسے وظائف وغیرہ شبہات (حرام کی ملاوٹ) کو گنجائش ہے۔ علاوہ ازیں رزق متعین پہ سہارا کرنا توکل کے بھی خلاف ہے۔ اسی لیے بہت سے مشائخ نے مال موقوف کے نفع سے حصہ لینے سے انکار کیا بلکہ ان کی وجہ معاش صرف عطیاتِ الٰہیہ پر تھی جس پر وہ ذہنی تخیل کو بھی عمل میں نہ لاتے چہ جائیکہ وہ اس کے لیے جدوجہد کریں۔ ہاں کسبِ حلال بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتوٰی داد
کہ می حرام و لے بہ ز مال اوقافست

ترجمہ : مدرسہ کے فقیہ گزشتہ دن مست تھے اور فتوٰی دیا کہ شراب حرام ہے لیکن اوقاف کے مال سے بہتر ہے۔

بعض شارحین نے حضرت حافظ قدس سرہٗ کے اس شعر کی شرح میں غلطی کھائی ہے۔ (صاحب روح البیان

ازالہ وہم نے فرمایا : میں کہتا ہوں کہ اس کی تحقیق یہ ہے کہ شعر میں لفظ "و لے بہ" حضرت حافظ قدس سرہٗ کا کلام ہے مفتی کا مقولہ نہیں۔ اب اس کا معنی یہ ہوا کہ گزشتہ روز مفتی شراب غفلت اور حبِ دنیا اور مدرسہ کے چندہ پر نازاں ہو کر اہلِ عشق کے حال پر انکار کرتے ہوئے ان کے شراب یعنی عشق کو حرام کہہ دیا حالانکہ یہ اس کی سراسر غلط خیالی ہے عشق کیسے حرام ہو سکتا ہے بلکہ مفتی کو معلوم ہونا چاہیے کہ بقول شما عشق حرام سہی لیکن وقف کے مال کو جو تم اڑاتے ہو اس سے یہی عشق اولیٰ ہے یعنی عشق اور وہ توکل جس پر محققین صوفیہ کا عمل ہے وہ زہد اور تمہارے وقف پر سہارا لگانے اور اسی پر زندگی بسر کرنے سے بہتر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انکار کا تعلق فقیہ مفتی دنیا دار سے ہے اس کا عاشق متوکل سے کوئی تعلق نہیں۔

ف : علماء کرام فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کی وجہ معاش صنعت اور اپنے ہاتھ کی کمائی تھی۔ مثلاً حضرت ادریس علیہ السلام خیاط (درزی) تھے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں اکثر کپڑے سیا کرتے تھے۔

حدیث شریف نیک مردوں کا کسب کپڑے سینا اور نیک عورتوں کا چرخہ کاتنا ہے۔ (کذا فی روضۃ الاخیار)

حدیث شریف اپنی اولاد کو تیرنا سکھاؤ۔ اور وہ عورت کتنی اچھی ہے جس کے دل کا بہلاوا چرخہ ہے۔ اور جب تمہیں ماں باپ بیک وقت بلائیں تو تم پہلے ماں کے پاس جاؤ۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی)

حدیث شریف عورت کے چرخہ کاتنے کی آواز جہاد میں اللہ اکبر کہنے کے برابر ثواب ہے اور جہاد میں اللہ اکبر کا ثواب ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں سے بوجھل ہے۔

حدیث شریف عورت کے ہاتھ میں چرخہ ایسے ہے جیسے غازی کے ہاتھ میں تیر۔ (غازی، جو صرف رضائے الٰہی کے لیے جنگ پہ جا رہا ہو) (کذا فی مجمع الفضائل)

ف : حضرت نوح علیہ السلام نجار (بڑھئی) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بزاز (کپڑا فروش) تھے۔

حدیث شریف اگر اہلِ بہشت کو بہشت میں تجارت کی اجازت ہو تو وہ کپڑا فروشی کریں گے۔ اگر اہلِ جہنم کو دوزخ میں تجارت کی اجازت ہو تو وہ سونا چاندی کی خرید و فروخت کریں گے۔ (کذا فی الاحیاء)

ف : حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے اور آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے کپڑا تنا اور بُنا۔

پاولیوں کو بددعا منقول ہے کہ بی بی مریم ایک دن حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تلاش میں گھر سے باہر تشریف لے گئیں راستہ بھول گئیں ایک کپڑے تننے والی عورت سے راستہ پوچھا تو اس بستی والوں نے غلط راستہ بتایا۔

بی بی مریم نے ان کے لیے بددعا کی کہ اے اللہ! ان کی کمائی سے برکت چھین لے اور ان کی نسلوں کو فقر و فاقہ میں مبتلا کر اور انھیں عوام کی نظروں میں حقیر بنا۔ بی بی مریم کی دُعا مستجاب ہوئی۔

ف : حضرت سلیمان علیہ السلام زنبیل تیار کرکے زندگی بسر فرماتے اگرچہ بہت بڑی سلطنت کے مالک تھے لیکن بیت المال سے کچھ نہیں لیا کرتے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ و شعیب علیہم السلام نے بکریاں چرائیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے اعلان سے پہلے بکریاں چرانے کو اختیار فرمایا تھا۔

حدیث شریف ہر نبی علیہ السلام نے بکریاں چرائیں۔

نکتہ : بکریاں چرانے میں حکمت یہ ہے کہ انسان کو بکریوں سے رافت و رحمت قلبی نصیب ہوتی ہے اس لیے کہ بکریاں تمام جانوروں سے ضعیف جانور ہیں۔ اسی لیے ان کی نگرانی قلب پر رافت و رحمت ہوتی ہے۔ جب خلقِ خدا سے واسطہ پڑے گا تو طبیعت کی تیزی اور ظلم و شدت کا مادہ پہلے سے لطف و کرم اور رافت و رحمت سے بدل چکا ہو گا اور اس کی فطرت حدِ اعتدال میں رہے گی اور کسی پر ظلم و شدت اور ناجائز سختی نہ کر سکے گا۔

گستاخِ نبوت کی سزا اگر کوئی کسی دُوسرے کو بکریوں کا چرواہا کہہ کر عار دلائے تو وہ جواب میں کہے : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بکریاں چراتے تھے۔ ایسے جواب دینے والے کو سزا دی جائے۔ اس لیے کہ بکریاں چرانا انبیاء علیہم السلام کے لیے کمال تھا۔ لیکن دُوسروں کے لیے تحقیر، اور تحقیری امر میں تشبیہ دینا نبوت کی گستاخی ہے۔

قاعدہ ردِّ وہابیہ[1] ہر وہ امر جو نبوت کے لیے کمال لیکن دوسروں کے لیے موجبِ حقارت ہو تو وہ لفظ نبی علیہ السلام کے لیے استعمال کرنا حرام ہے۔ مثلاً کوئی کسی سے کہے : اے اُمّی (اَن پڑھ) ۔ وہ اسے جواب دے کہ کیا حضور علیہ السلام اُمّی (اَن پڑھ) نہیں تھے۔ ایسے شخص کو سزا دی جائے۔ (کذا فی انسان العیون)

---

[1] اسی قاعدے پر ہمارے اور نجدیوں وہابیوں دیوبندیوں مودودیوں کے جھگڑے کی بنیاد ہے۔ ان کی کتابوں میں نبوت کی گستاخی جی بھر کر کی گئی ہے۔ مثلاً نبی علیہ السلام کو چوہڑے چمار سے تشبیہ دینا، نماز میں ان کے تصور کو گدھے اور اپنی بی بی کے جماع سے بدتر، اور ان کے علم مبارک کو پاگلوں حیوانوں سے تشبیہ دینا، شیطان اور ملک الموت کے علم کو حضور علیہ السلام کے علم سے زائد بتانا اور ان کے میلاد کی مجلس کو کنھیا کے جنم سے تشبیہ دینا اور عام بشریت ان کی بشریت کے مساوی ماننا اور انھیں چرواہا اَن پڑھ کہنا۔ ایسی دیگر ان گنت عبارات ہیں۔ فقیر نے تفصیل سے "التحقیق الکامل فی امتیاز الحق والباطل" میں لکھ دیا ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی قاعدے پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے "تنزیہ الانبیاء عن تسفیہ الاغبیاء"۔ اس کا آغاز ہے : امابعد حمد اللہ غافر الزلات و مقیل العثرات والصلوٰۃ و

(باقی اگلے صفحہ پر)

(صاحبِ روح البیانؒ نے فرمایا کہ) سلطان سلیم اوّل از خاقان عثمانیہ کے مندرجہ ذیل اشعار مبنی بر ترک ادب ہیں :-

---

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۵) السلام علیٰ سیّدنا محمد الّذی انزل علیہ فی کتابہ العزیز (افمن زین لہ سوٓء عملہ فراٰہ حسنا فان اللہ یضل من یشاٗ ویھدی من یشاء فلا تذھب نفسک علیھم حسرات) وعلیٰ اٰلہ وصحبہ النجوم النیرات۔

اس رسالہ کی تصنیف کا سبب یہ ہُوا کہ دو شخصوں کا جھگڑا ہوا اور آپس میں خوب گالی گلوچ بکیں۔ بالآخر ایک نے دوسرے کے نسب پر حملہ کیا تو دُوسرے نے کہا: اے چرواہے کے بچّے۔ اس کے باپ نے کہا: کیا یہ نسبت صرف میری ہے۔ کیا حضرات انبیاؑ علیہم السلام چرواہے نہیں تھے بلکہ کوئی بھی نبی علیہ السّلام ایسا نہیں ہوگا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

یہ واقعہ جامع مسجد طولونی کے قریب بازار غزل میں عوام کے مجمع میں ہوا۔ ان کا مقدمہ حکامِ وقت کی خدمت میں پیش کیا گیا جب قاضی القضاۃ مالکی کو معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا:

لو رفع الیّ ضربتہ بالسیاط۔ یعنی اگر یہ مقدمہ میرے ہاں پیش ہوتا تو میں قائل کو دُرّے لگواتا۔

مجھ سے اس کے متعلق پُوچھا گیا تو میں نے جواب دیا کہ ایسے شخص کو سزا دی جائے کیونکہ انبیاؑ علیہم السلام اس لائق نہیں کہ کسی ایک عام آدمی سے ان کی مثال دی جائے۔

میرے فتویٰ کو مرتّب دیکھ کر ایک شخص بول اٹھا کہ علّامہ (سیوطی) کا یہ فتویٰ غلط ہے کیونکہ ایسے شخص کو نہ تعزیہ ہے اور نہ ہی اس پر کوئی ملامت ہے۔ کیونکہ انبیاؑ علیہم السلام کی ایک عامی آدمی سے تشبیہ دینا ایک مباح امر ہے۔ فلھذا اس کا قائل نہ گنہگار ہے اور نہ اسے گناہ کی طرف منسوب کیا جائے۔

مجھے اس سے خطرہ ہوا کہ عوام کالانعام کو جب ایسے کلام کے جواز کا علم ہوا تو وہ اپنے عام جھگڑوں میں ایسی گستاخیاں کریں گے کہ پھر وہ ان کی عام عادت بن جائے گی جس کی وجہ سے وہ دین سے خارج ہو جائیں گے۔ صرف دین کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی رہبری کو مدِّ نظر رکھ کر یہ چند سطور لکھ دیں۔

فصل: سب سے پہلے قاضی عیاض کا وہ بیان لکھ دُوں جو اُنھوں نے اس مسئلہ میں تحریر فرمایا جو نہایت ہی شاندار بیان ہے اور حق یہ ہے کہ بہت ہی خوب لکھا ہے کما قال الوجہ الخامس الخ:

۱۔ کسی نبی علیہ السلام کی شان کی کمی کا ارادہ نہ ہو۔

۲۔ ان کا کوئی عیب نہ بیان کیا جائے۔

۳۔ انھیں گالی نہ دی جائے۔

(باقی بر صفحہ ۱۴۷)

۱ یک گدا بود سلیمان بعصا و زنبیل
یافت از لطف تو آں حشمت ملک آرائے

۲ مصطفیٰ بود یتیمی ز عرب لیست درت
دادش انعام تو تاج شرف بالائے

(بقیہ صفحہ ۱۴۶) **ف** : شریعت میں مندرجہ صورتیں بھی انبیاؑ علیہم السلام کے معاملات کو اپنے اوپر چسپاں کرنا حرام ہے۔ مثلاً ۱۔ انبیاء علیہم السلام کے بعض اوصاف بیان کرکے مثال کے طور اپنے لیے حجت یا دوسرے کے لیے حجت بنائے جبکہ وُہ امور انبیاؑ علیہم السلام بحیثیت دینی امور کے اظہار کے لیے کیے یا ان کی اسی طرح تکمیل ضروری تھی۔

۲۔ کسی کام کو انھوں نے کسرِ نفسی کے طور کیا۔

۳۔ یا کسی مقصد اسلامی کے پیشِ نظر اپنے آپ کو بلند و ارفع ظاہر فرمایا حالانکہ دوسروں کو جائز نہیں۔ اسی طرح مثلاً کوئی کہے کیا ہوا میرے حق میں ایسا ویسا کہا گیا۔ نبی علیہ السلام کو بھی تو کہا گیا تھا۔

۴۔ یا یُوں کہے کہ اگر میری تکذیب ہوئی تو کوئی بات نہیں انبیاء علیہم السلام کی بھی تو تکذیب ہوئی تھی۔

۵۔ یا یُوں بکواس کرے کہ میں نے گناہ کر لیا تو کیا حرج ہے جبکہ انبیاؑ علیہم السلام نے بھی تو گناہ کیے تھے۔

۶۔ یا یُوں کہے کہ میں لوگوں کی مذمت سے کب بچ سکتا ہوں جبکہ انبیاء علیہم السلام بھی نہ بچ سکے۔

۷۔ یا یوں کہے کہ میں فلاں مصیبت سے صبر کر رہا ہوں جیسے اولوالعزم پیغمبروں علیہم السلام نے صبر کیا۔

۸۔ یا کہے کہ ایسے صبر کرتا ہوں جیسے حضرت ایّوب علیہ السلام نے صبر کیا۔

۹۔ یا کہے کہ میرا صبر کرنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صبر کرنا ہے انھوں نے بھی دشمنوں کی دشمنی پر صبر کیا تھا بلکہ اس سے کچھ زیادہ حوصلہ فرمایا جیسے میں حوصلہ کر رہا ہوں۔ متنبی کا شعر ہے : ؎

انا فی امة تدارکہا اللّٰہ غریب کصالح فی ثمود

(میں ایسی قوم میں غریب ہوں اللہ تعالیٰ انھیں اچھا کرے جیسے حضرت صالح علیہ السلام ثمود میں غریب تھے)

جیسے مصری شاعر کا قول ہے کہ : ؎

کنت موسیٰ و افتہ بنت شعیب
غیر ان لیس فیکما من فقیر

وغیرہ وغیرہ۔ فقیر کی اس موضوع پر ایک تصنیف "گستاخ کا انجامِ بد" ہے۔ اس میں اسی رسالہ "تنزیہ الانبیاء عن تسفیہ الاغبیاء" کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ترجمہ : ۱۔ سلیمان علیہ السلام عصا و زنبیل لے کر گدائی کرتے تھے لیکن تیرے کرم نے انھیں بادشاہ بنا دیا۔
۲۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یتیم اور کمزور غریب تھے۔ تیرے دروازے سے انعام پایا تو بہت اونچے ہوئے۔

ان میں گستاخی اس لیے ہے کہ دو انبیاؑ علیہم السلام کی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے۔

ف : صالح علیہ السلام کمبل بُنتے تھے۔ عیسٰی علیہ السلام جُوتے سیتے اور پیوند لگاتے تھے۔ افضل کسب جہاد ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے نبوت و ہجرت کے بعد تمام زندگی مبارک اسی پر بسر فرمائی۔ اس کے بعد تجارت بشرطیکہ اس میں ذرہ برابر بھی خیانت نہ ہو۔ اس کے بعد کھیتی باڑی، اس کے بعد کوئی ہُنر۔ (کذا فی المختار والتحفہ) خبث یعنی حرام کمائیوں سے بچنا لازم ہے اسی لیے رنڈی اور کاہن کی اُجرت حرام ہے۔ اور کاہن ہر وہ انسان جو مستقبل اور ماضی کی خبریں دے یا ستارے کی نحس وسعد کا پتہ بتائے۔ اسی طرح کسی کو دولت مند یا غریب ہونے کی خبر دے۔

مسائل فقہیہ لہو و لعب کے آلات وغیرہ کی صنعت سے احتراز کرے۔ اسی طرح مُردوں کے کفن کی تجارت سے بچنا چاہیے اس لیے کہ ایسے شخص کو ہر وقت انتظار ہوگا کون کس وقت مرتا ہے۔ اسی طرح مُردوں کے لیے خوشبو، لوبان وغیرہ کی خرید و فروخت بھی نہیں چاہیے۔ اسی طرح احتکار بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح جانوروں کو ذبح کرنے کی مزدوری سے بھی دور رہنا چاہیے اس لیے کہ اس سے قلب سخت ہوجاتا ہے۔ اور زرگری کے پیشہ سے بھی بچنا چاہیے اس لیے کہ اس سے دُنیا کی زیب و زینت میں دل لگا رہتا ہے۔ اسی طرح ہر اس صنعت سے بچنا چاہیے جس کا دنیا کی زیب و زینت سے تعلق ہو۔ جیسے مکانات وغیرہ کا نقش و نگار، اور دیواروں پر چُونا اور رنگ لگانا وغیرہ۔ اسی طرح جو مردوں اور عورتوں کو بیچتا ہے۔ مروی ہے کہ تین شخصوں کو خسارہ ہی خسارہ ہے :

۱۔ انسانوں کو بیچنے والا
۲۔ درختوں کو کاٹنے والا
۳۔ گائے بیل ذبح کرنے والا

اسی طرح حجامت، جھاڑو، صفائی اور دباغت۔ (اور اسی طرح کے وہ امور جن میں گندگی کا تعلق ہو) سے بچنا چاہئے کیونکہ نجاستوں سے متعلق امور انسان کی عزت و وقار کے منافی ہے۔

مسئلہ : ابن سیرین اور قتادہ کے نزدیک دلال کی اُجرت بھی مکروہ ہے اس لیے کہ کذب اور اپنے سامان کی بکری میں مبالغہ آمیز باتوں سے اس کا بچنا مشکل ہوجاتا ہے۔

اعجوبہ : دلالی کا کام سب سے پہلے ابلیس نے کیا۔ کما قال : هل ادلك علىٰ شجرة الخلد و ملك لا يبلى۔ (کذا فی روضۃ الاخیار)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے۔ لیے ہوا کو تابع فرمان کر دیا۔

سوال : حضرت داؤد علیہ السلام کی تسخیر کو لفظ مع کے ساتھ اور سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کو لام کے ساتھ ایسا فرق کیوں ؟
جواب : حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر کا مطلب یہ ہے کہ ہوا ہر طرح سے آپ کے زیر فرمان تھی جیسے کوئی شے کسی کی ملکیت ہو، تو وہ اپنی ملکیت میں جس طرح اور جیسے اور جس وقت چاہے تصرف کرے۔[۱] اسی لیے مفسرین نے اسے لام تملیک کی قرار دی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی تسخیر صرف عبادت کے لیے تھی کہ جبال وطیور آپ کے ساتھ عبادتِ الٰہی کی اقتدا کرتے۔

عَاصِفَةً یہ الریح سے حال ہے یعنی سخت اور تیز چلنے والی (ہوا) کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھا کر لے جاتی اور ایک دن میں ایک مہینے کی راہ پر پہنچا دیتی تھی لیکن نہایت نرم اور بادِ نسیم کی طرح خوشبو ناک تھی۔ خلاصہ یہ کہ وہ چلنے میں نہایت تیز اور نرم کہ جس سے طبیعت کو فرحت اور سرور حاصل ہو اور سلیمان علیہ السلام کے حکم کی پابند تھی کہ جب وہ چاہتے تو چلتی اور جب ٹھہرانا چاہتے تو ٹھہر جاتی۔ یہ بھی سلیمان علیہ السلام کے معجزات سے ایک معجزہ تھا۔[۲] تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ وہ چلتی تھی سلیمان علیہ السلام کے حکم یعنی ان کی خواہش اور ارادہ کے مطابق اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت بخشی۔ الارض سے شام کی ولایت مراد ہے۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کو صبح کے وقت علاقہ شام میں لے جاتی اور دوپہر کے وقت تک ایک ماہ کی مسافت طے کر کے ملک کے کسی خطہ میں پہنچا دیتی پھر وہ اسی راہ سے زوال کے بعد سے اٹھا کر مغرب تک شام کی ولایت میں واپس لاتی۔ کما قال : غدوها شهر و رواحها شهر۔

ف : مقاتل نے لکھا کہ شیاطین اور جنات نے سلیمان علیہ السلام کے لیے تین میل لمبا چوڑا ایک تخت تیار کیا جو ابریشم اور زر و جواہر سے تیار کیا گیا اس کے درمیان میں ایک سونے کی بڑی کرسی سلیمان علیہ السلام کے لیے، اس کے سامنے چند سونے کی کرسیاں دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے، اور چاندی کی کرسیاں علماء کے لیے تیار کی گئیں۔ ان کرسیوں کے گرد انسانوں کو اور انسانوں کے گرد جنات کو کھڑا کر دیا گیا۔ تمام تخت پر پرندے سایہ کرتے یہاں تک کہ سورج کی معمولی کرن بھی سلیمان علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں پر نہیں پڑتی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس تخت کو صبح کے وقت اٹھا کر لے جاتی ایک مہینے کے سفر کو شام تک آمد و رفت میں طے کر لیتی اور سلیمان علیہ السلام شب و روز جنگ و جہاد میں مشغول رہتے یہاں تک کہ عالم دنیا میں کسی کونے میں جس کافر بادشاہ کا نام سنتے تو پہلے اسے دعوتِ حق بھجواتے، اگر وہ انکار کرتا تو پھر اس کے ساتھ جہاد کرتے۔
ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ تلخیص میں ہے کہ ملک شام میں تدمر نام کا ایک شہر تھا اسے دیووں نے سلیمان علیہ السلام کے لیے

---

[۱] ایسے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارِ کلی کی تقریر ہے اور دلیل ایک ہی بطریق نظیر کے پیش کی جائے اگرچہ وہابی نجدی دیوبندی مودودی نہیں مانیں گے لانهم قوم لا یعقلون۔ تفصیل رسالہ "مختارِ کل" میں ہے۔
[۲] اس سے وہابیہ دیوبندیہ کا وہ اعتراض اٹھ گیا کہ نبی علیہ السلام کے معجزات ان کے اختیار میں نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اختیار بحیثیت تخلیق اللہ تعالیٰ کا خاصہ اور بحیثیت ان کے اجراء و اظہار نبی علیہ السلام کے ہر وقت اختیار میں ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہ

تیار کیا تھا صبح کو وہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام نکلتے اور تمام عالم کے گرد پھرتے پھر نماز مغرب کے وقت آپ کو ہوا اسی شہر میں واپس لے آتی۔

مختار القصص میں ہے کہ صبح کو تدمر سے حضرت سلیمان علیہ السلام نکلتے اور اصطخر فارس میں استراحت فرماتے رات کو بابل میں جاتے۔ دوسرے دن بابل سے چاشت کے وقت اصطخر میں ہوتے اور شام کے وقت تدمر واپس آجاتے۔

بہر حال سلیمان علیہ السلام جہاں چاہتے ہوا آپ کے تخت کو وہاں لے جاکر پھر علاقہ شام میں واپس لاتی۔

ف : مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام صبح کے وقت عراق سے چلے اور نمرود کا مقابلہ کیا۔ اس کے بعد عصر کی نماز بلخ میں جاکر پڑھی۔ وہاں سے بلاد ترک اور چین تک پہنچے وہاں سے لوٹ کر بحر کے ساحل مطلع الشمس تک پہنچے یہاں تک کہ قندھار تشریف لاتے وہاں سے مکران و کرمان سے ہوتے ہوئے فارس پہنچے وہاں چند روز ٹھہر کر کسکر کی طرف روانہ ہو کر شام کے وقت شام کی ولایت واپس تشریف لائے اور آپ کا دار الخلافہ شہر تدمر میں تھا۔ (کذا فی بحر العلوم)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

نہ بر باد رفتی سحر گاہ و شام

سریر سلیمان علیہ السلام

بآخر نہ دیدی کہ بر باد رفت

خنک آنکس کہ با دانش و داد رفت

ترجمہ : ۔ کیا سلیمان علیہ السلام کا تخت صبح و شام ہوا پر سفر نہیں کرتا تھا۔ بالآخر وہ بھی فنا ہوگئے۔ خوش قسمت وہ ہے جو دانائی اور انصاف سے دنیا سے رخصت ہوا۔

وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ اور ہم ہر شے کو جانتے ہیں اسی لیے ہم اپنی حکمت اور علم کے مطابق ہر شے کا اجراء کرتے ہیں **وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ** اور ہم نے دیووں میں سے سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیے **مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ** وہ جو دریا میں غوطہ لگا کر سلیمان علیہ السلام کے لیے نفیس اشیاء نکالتے۔

ف : امام راغب نے لکھا الغوص بمعنے دریا میں غوطہ لگا کر کوئی شے نکالنا۔ پھر ہر گہرے امر میں پڑ کر کوئی شے حاصل کرنے پر استعمال ہونے لگا وہ علمی گہرائی ہو یا کوئی اور۔ الغواص اسی محاورہ کا صیغۂ مبالغہ ہے۔

وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ اور دریا میں غوطہ لگا کر نفیس اشیاء نکالنے کے علاوہ اور کام بھی کرتے جیسے بڑے شہر اور مکانات بنانا اور عجیب و غریب مصنوعات تیار کرنا اور یہ وہی پہلا گروہ تھا یا یہ اور تھے کلمہ مَنْ کے عموم کا یہی تقاضا ہے گویا فرمایا : و من یعملون الخ۔

ف : مروی ہے کہ یہ کام جنات کے کافروں سے کرایا جاتا جیسا کہ و من الشیاطین کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے اور

اہلِ ایمان جنات ایسے سخت کاموں سے مستثنیٰ تھے۔

وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ اور تھے ہم ان دیووں کے لیے نگہبان کہ سرکشی اور بغاوت کرکے سلیمان علیہ السلام کے حکم سے باہر ہوجائیں یا زمین پر فساد ڈالیں جیسا کہ دیووں کی فطرت ہے۔

وہابیوں دیوبندیوں کو دعوتِ غور و فکر جنات، دیو اگرچہ اجسامِ لطیفہ ہیں لیکن اشکال مختلفہ میں متشکل ہوکر اعمالِ شاقہ پر قدرت رکھتے ہیں جیسے ہوا جسم لطیف ہونے کے باوجود بہت بڑی طاقت رکھتی ہے۔ (لیکن وہابی دیوبندی ان کو تو مانتے ہیں اگر ہم انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کے لیے مانیں تو شرک۔ اب وہابی دیوبندی بتائیں کہ ان کا عقیدہ کیسا)

ف: سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جنات، دیو کھلم کھلا چلتے پھرتے، جنہیں لوگ آنکھوں سے دیکھتے اور سلیمان علیہ السلام کے زیرِ فرمان مختلف امور کے سرانجام دینے پر مامور تھے۔

سوال: الاسئلة المقحمہ میں ہے کہ جنات، دیو سلیمان علیہ السلام کے زیرِ فرمان کیسے تھے جبکہ انھیں امورِ شاقہ کی انجام دہی میں ہر وقت ذلیل و خوار کیا جاتا تھا۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سلیمان علیہ السلام کا رُعب ڈال دیا تھا کہ سرِمُو ان کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی تھا۔ (اس سے وہابیہ کے رد میں دوسری نظیر قایم کی جاسکتی ہے کہ معجزاتِ انبیاء علیہم السلام کے تحتِ قدرت ہوتے ہیں)

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب انسان اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حسبِ مرتبہ نبوت و ولایت علویات و سفلیات کی اشیاء اس کے زیرِ فرمان کر دیتا ہے۔ ملک و ملکوت اس کے زیرِ نگین ہوتے ہیں۔ مثلاً سلیمان علیہ السلام کے لیے سفلیات سے ہوا، جنّات، دیو، پرندے، حیوانات، خزانے اور نباتات مسخر فرمائے اور علویات میں سورج کو آپ کے حکم پر نماز کے لیے لوٹایا گیا۔ ایسے ہی داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑ، پرند، لوہا اور پتھر جس کے ذریعے جالوت کو قتل کیا اور اس کے لشکر کو شکست ہوئی مسخر فرمائے۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی شانِ ارفع و اعلیٰ ہر نبی علیہ السلام کے لیے علویات و سفلیات کی بعض چیزیں مسخر فرمائی گئیں لیکن ہمارے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علویات و سفلیات کی تمام اجناس زیرِ فرمان بنا دی گئیں۔ سفلیات کے متعلق خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

۱۔ زویت لی الارض فرأیت مشارقها و مغاربها وسیبلغ ملك امتی ما زوی لی منها۔ میرے لیے زمین لپیٹی گئی میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا جہاں تک میرے لیے زمین لپیٹی گئی وہاں تک میری اُمت ہوگی۔

۲- جعلت لی الارض مسجدا و ترابہا طہورا۔ زمین میرے لیے مسجد اور اس کی مٹی پاک کرنے والی بنائی گئی۔

اور فرمایا:

۳- اتیت بمفاتیح خزائن الارض۔ مجھے زمین کے خزانے عطا کیے گئے ہیں۔

۴- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلی مبارک سے پانی کے چشمے بہہ نکلے۔

اور فرمایا:

۵- نصرت بالصباء۔ میری مدد صبا سے ہوئی۔

۶- اشجار آپ کو صلوٰۃ وسلام عرض کرتے اور سجدہ ریز ہوتے۔

۷- آپ کے اشارہ سے درخت جڑوں سمیت حاضر حضور ہوتے اور پھر واپس اپنی جگہ چلے جاتے۔

۸- حیوانات آپ سے کلام کرتے اور آپ کی نبوت کی شہادت دیتے۔

اور فرمایا:

۹- اسلم شیطانی علیٰ یدی۔ میرا شیطان میرے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔

ان کے علاوہ سفلیات کی بے شمار مثالیں ہیں۔

اور عالم علویات میں سے بھی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً چاند کے دو ٹکڑے ہوجانا سے

پس قمر کہ امر بشنید و شتافت

پس دو نیمہ گشت بر چرخ و شگافت

ترجمہ: چاند حکم سن کر دوڑا اور دو ٹکڑے ہوا اور نیچے اُتر کر پھر آسمان کی طرف چلا گیا۔

براق، جبرائیل اور رفرف آپ کے تابع فرمان تھے۔ آپ شبِ معراج میں ساتوں آسمان، بہشت اور دوزخ اور عرش و کرسی کو عبور فرماتے ہوئے قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام تک پہنچے بلکہ

فما بقی شئ من الموجودات الا وقد سخر له[1] (روح البیان ج ۵ ص ۵۱۲) موجودات کی ہر شے حضور علیہ السلام کے لیے مسخر کی گئی۔

---

[1] یہ حوالہ پڑھ کر وہابیوں دیوبندیوں مودودیوں کے آقا و مولا اسماعیل دہلوی کی عبارت "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" (تقویۃ الایمان) پر دم کر دیں۔

اویسی غفرلہٗ

ے

نہ کسے در گرد تو ہرگز رسید

نہ کسے را نیز چندیں عز رسید

ترجمہ: آپ کی گرد تک کوئی نہ پہنچ سکا اور نہ ہی آپ جیسی عزت کسی کو ملی۔

ف: ومن الشیٰطین الخ میں اشارہ ہے کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں انہیں بہت بڑے امور کو سرانجام دینے کی طاقت بخشی لیکن اب ان میں ایسے امور کو سرانجام دینے کی طاقت نہیں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَیُّوْبَ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ایوب علیہ السلام کا واقعہ یاد کیجئے۔

ف: ان کے نسب میں اختلاف ہے۔ اگرچہ انتہا میں روم بن ابراہیم علیہ السلام تک سب کا اتفاق ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بستی حران کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ بستی دمشق کے نشیبی علاقوں میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرتِ اموال و اولاد سے نوازا۔ منقول ہے کہ آپ کے سات صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں اور جانوروں کا تو شمار نہ تھا۔ آپ پر ابلیس ملعون نے حسد کر کے کہا کہ اے الٰہ العلمین! یہ تیرا بندہ عیش اور خیر و عافیت میں ہے اور بہت مال رکھتا ہے اور اس کی نیک اولاد بھی بکثرت ہے۔ اگر مال و اولاد چھین کر اسے بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے تو وہ بہت جلد تیری راہ سے پھر جائے گا اور ناشکری کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُو غلط کہتا ہے کیونکہ وہ میرا پسندیدہ بندہ ہے۔ اگر میں اسے ہزاروں بلاؤں میں بھی مبتلا کر دوں تب بھی وہ امتحان میں کامیاب ہوگا ے

چناں در عشق بگرویم کہ گر تیغ زنی برسر

بروز امتحاں باشم چو شمع استادہ پا برجا

ترجمہ: میں تیرے عشق کا ایسا گرویدہ ہوں کہ اگر میرے سر پر تلوار مارو تب بھی امتحان میں سر نہ ہلاؤں گا بلکہ تلوار کے سامنے سر جھکائے کھڑا رہوں گا۔

شیطان کے اعتراض کو دُور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں ڈال دیا کہ تمام اونٹ بجلی سے اڑا دیے اور تمام بکریاں سیلاب میں بہا دیں۔ کھیتی ہوا کی نذر ہو گئی۔ اولاد دیوار کے نیچے دب کر مر گئی۔ جسم مبارک پر زخم ہو گئے یہاں تک کہ کیڑے[1] پڑ گئے۔ سوائے ایک بیوی کے باقی تمام لوگوں نے آپ سے علٰحدگی اختیار کر لی۔

ف: ان کا امتحان بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہوا یعنی دونوں کی آزمائش مال، اولاد اور بدن سے ہوئی۔

---

[1] یہ قول مرجوح ہے کہ اس سے عام کیڑے مراد ہوں۔

ف : مروی ہے کہ ایسی آزمائش ایوب علیہ السلام سے پہلے ستر انبیا علیہم السلام نے اختیار کی لیکن اللہ تعالیٰ نے صرف ایوب علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔ اور ایوب علیہ السلام اس آزمائش میں اٹھارہ سال یا سات سال سات ماہ سات دن سات گھڑیاں مبتلا رہے۔

اعجوبہ ایک بی بی رحمۃ بنت افرائیم بن یوسف علیہ السلام نے عرض کی آپ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے صحت و عافیت کی دعا مانگیے۔ آپ نے فرمایا کہ عیش و عشرت اور آرام میں کتنی زندگی گزری؟ بی بی صاحبہ نے کہا: اسی سال۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا آتی ہے کہ آرام کی زندگی کے مقابلہ میں دُکھ کی زندگی تھوڑی ہے۔ اگر عرض کروں تو ناموزوں بات ہے۔

ف : ہر سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے آواز آتی کہ اے ایوب (علیہ السلام) کیا حال ہے؟ تو ایوب علیہ السلام شوق و ذوق سے ٹھنڈی سانس کھینچ کر عرض کرتے کہ اے مولیٰ کریم! آپ کے دیئے ہوئے تحفے سے خوش ہوں۔

گر بر سر بیمار خود آئی بعیادت
صد سالہ بامید تو بیمار تواں بود

ترجمہ : اگر بیمار پرسی کے لیے آپ تشریف لائیں تو آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں سو سال بیماری میں بسر کرنا بھلا لگتا ہے۔

ایک ضعیف قول ایوب علیہ السلام کے جسم پر اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار کیڑے مسلط فرمائے۔ اس لیے کامل لشکر بارہ ہزار کی تعداد سے ہوتا ہے۔ کما قال علیہ السلام:

اثنا عشر لن یغلب عن قلۃ ابداً۔ بارہ ہزار کا لشکر قلت کے باوجود کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

ف : اللہ تعالیٰ کا لشکر:

۱۔ کیڑے
۲۔ مچھر۔ نمرود کی پٹائی اسی لشکر سے ہوئی۔
۳۔ ابابیل نے صاحب الفیل کو فنا کیا۔
۴۔ ہدہد عوج کو مٹانے کے لیے اور کبوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے حاضر ہوئے۔

صبرِ ایوب علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے تمام جسد اطہر کو کیڑے کھا گئے صرف ہڈیاں، دل، زبان، کان، آنکھیں باقی رہ گئیں۔ جب ایک کیڑا ایوب علیہ السلام کے قلب مبارک اور زبانِ اطہر پر پہنچا، چونکہ قلب منبعِ معرفت اور معدنِ نبوت و ولایت اور زبان مصدر ذکر و مورد توحید ہے اسی لئے

غیرت کھائی اور خطرہ محسوس کیا کہ اگر یہ اعضاء بھی باقی نہ رہے تو طاعتِ الٰہی اور تسبیحِ حق سے رہ جاؤں گا۔ اور ادھر آزمائش کی گھڑیاں بھی ختم ہو چکی تھیں اور حالت بھی کمزور ہو چکی تھی یہاں تک کہ کھڑے ہو کر نماز بھی ادا نہ کر سکتے تھے۔ مقامِ ابتلا میں فنائے کلی نصیب ہو چکی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایک دعا القا فرمائی تاکہ مقامِ بقا کو حاصل کر لیں اور انھیں جلال کے بعد تجلی جمال اور دُکھ درد کے بعد دولتِ لقا سے نواز ے۔

چنانچہ ایوب علیہ السلام کے اس مقام کی یوں خبر دی اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ جب کہ ایوب علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اَنِّیْ بے شک مجھے مَسَّنِیَ الضُّرُّ دُکھ اور تکلیف پہنچی ہے۔

ف : الضر بالفتح ہر قسم کی تکلیف پر استعمال ہوتا ہے، بالضم خاص قسم کی تکلیف جو انسان کے وجود میں مرض یا کمزوری وغیرہ کو پہنچے۔

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اور تو ارحم الراحمین ہے کہ ہم ہر دکھ اور درد کے وقت تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

نکتہ : ارحمنی کہنا تھا لیکن ایوب علیہ السلام نے ایسے طریق سے سوال کیا کہ جس میں لطفِ الٰہی کو خود بخود بندے پر توجہ ہو اور اسی میں ادب بھی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی اکثر دعائیں اسی طرح اشاروں کنایوں سے ہوتی ہیں ؎

وفی النفس حاجات وفیك فطانة
سکوتی بیان عندها وخطاب

ترجمہ : دل میں تمناؤں کا انبار ہے اور تم انھیں خوب جانتے ہو۔ میرا سکوت اور خاموشی انہی کا بیان اور اظہار ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست
در حضرت کریم تمنا چہ حاجت ست

ترجمہ : ہم بڑے حاجت مند ہیں لیکن سوال کی ضرورت نہیں اس لیے کہ کریم کے سامنے اظہارِ تمنا کیسا۔

سوال : تم نے کہا کہ انبیاءؑ علیہم السلام اشاروں کنایوں سے معروضات پیش کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے اس لیے کہ زکریا علیہ السلام کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے۔ کما قال : هب لی من لدنك ولیاً۔

جواب : ہم نے اکثر کی قید لگائی اور پھر اشارے کنایے ایسی دعاؤں میں ہوتے ہیں جو دکھ درد ٹالنے کے لیے ہوں تاکہ تصریح سے شکایت کا اشتباہ نہ ہو باقی ضروریات کی تصریح ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں۔

حکایت ایک بڑھیا نے سلیمان بن عبد الملک کے ہاں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے گھر میں چوہے قلابازیاں کھاتے ہیں۔ اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے گھر میں کھانے پینے کی کوئی شے نہیں۔ بڑھیا کو سلیمان بن عبد الملک نے کہا تو نے سوال میں لطافت دکھائی ہے اس لیے میں تیرے لیے انتظام کروں گا۔ بڑھیا نے سن کر خوشی سے تیندوا[1] کی طرح قلابازی

---

[1] درندہ کی ایک نوع جو کتے سے بڑا اور چیتے سے چھوٹا ہوتا ہے اس کے بدن پر چھوٹے چھوٹے سیاہ داغ ہوتے ہیں۔ اسے عربی میں فهد کہتے ہیں

کمائی۔ سلیمان بن عبد الملک اس کی مزید عجوبہ سازی سے بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اس کے گھر کو غلّہ سے بھر دیا۔

ف : ایوب علیہ السّلام کی دعا عجز و انکسار اور اپنی تنگی اور محتاجی کے اظہار پر مبنی تھی۔ اس میں جزع و فزع اور شکایت نہیں تھی جیسے عموماً اضطرار میں ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں استجابت کا مژدہ سنایا اور انّا وجدناہ صابراً سے ان کی مدح فرمائی۔ بالفرض اگر مانا جائے کہ وہ شکایت تھی تو کیا حرج ہے۔ جب انھوں نے غیر سے تو شکایت نہیں کی بلکہ اپنے مالک و مولیٰ سے عرض کیا ہے اور یہ صبر جمیل کے منافی نہیں۔ لیکن جیسے یعقوب علیہ السلام نے کہا: انما اشکوا بثی حزنی الی اللہ فصبر جمیل۔

فائدہ صوفیانہ عارف کامل جو معرفت الٰہی میں کامل اور محقق ہو تو اس کا شکوہ انبساط کی حقیقت اور اس کی ندا مناجات کی تحقیق اور محبوب کی آزمایش سے غمگینی مباہات کی حقیقت اور عشق کی زبان تضرع و حکایت کے ساتھ ہوتی ہے اسے شکایت اور جزع فزع نہیں کہا جاتا جیسا کہ عاشق رومی نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

بشنو از نے چوں حکایت مے کند
از جدا ئیہا شکایت مے کند

ترجمہ: نَے سے سنو کیا کہتا ہے، وہ جدائیوں کی شکایت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو بھی ایوب علیہ السلام کی طرح مصائب میں مبتلا ہو کر شکر و شکایت (عاجزانہ) کرے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بشریت مصائب سے المناک ہوتی ہے جس کی بشریت خبر دیتی ہے لیکن چونکہ روحانیت تائیدالٰہی سے مؤید ہوتی ہے اسی لیے وہ مصائب کے وقت بھی نورِ الٰہی کو دیکھتی اور سمجھتی ہے کہ آزمائش کرنے والے کی طرف سے کمال عنایت ہے بلکہ زحمت کے پردے میں رحمت فرما رہا ہے اس سے نفس کی تربیت مطلوب ہوتی ہے۔ اس سے انسان مقام صبر اور رتبۂ نعمت عبدیت کو پہنچتا ہے جس کے متعلق وہ مسنی الضر سے خبر دیتا ہے لیکن بشریت کی حیثیت سے، اور وہ عرض کرتا ہے کہ اے الٰہ العالمین! یہ جو کچھ مجھے مصائب میں مبتلا ہونا پڑا یہ بھی تیرے فضل کا نور ہے اور تو ارحم الراحمین ہے اس لیے کہ تُو نے ہی مجھے دُکھ درد عنایت فرما کر اور قوت صبر عطا کر کے رحم فرمایا ہے کہ میں اپنے نفس کے صفات سے پاک اور صاف ہو کر فنا سے تیرے صفات کی بقا پائی اور ان صفات سے ایک یہی صبر ہے اور یاد رہے کہ صبر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، بندے کی صفت ہے تو مجازاً۔ کما قال: واصبر وماصبرك الا باللہ۔ اور الصبور صرف (حقیقۃً) اللہ تعالیٰ ہے اور بس۔

تفسیر عالمانہ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ پس ہم نے ایوب علیہ السلام کی دعا مستجاب فرمائی فَكَشَفْنَا پس ہم نے ان سے رنج اور دُکھ ٹال کر انہیں شفا بخشی۔

ایوب علیہ السلام کی شفایابی کا قصّہ مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السّلام کو جمعہ کے دن سحر کے وقت یا زوال کے وقت حکم ہوا کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ کی دُعا مستجاب

ہو چکی ہے ۔ اب یُوں کہیئے کہ اپنا پاؤں مبارک زمین پر ماریئے ۔ جب ایوب علیہ السلام نے اپنا پاؤں مبارک زمین پر مارا تو اس سے پانی کا ایک چشمہ بہہ نکلا ۔ اس سے آپ نے غسل فرمایا جس کی برکت سے آپ کے جسم پر نہ کوئی کیڑا رہا نہ زخم ۔ پھر دوبارہ زمین پر پاؤں مبارک مارا تو دُوسرا چشمہ نکلا اس سے آپ نے پانی پیا تو پیٹ کی تمام بیماریاں دفع ہو گئیں اور آپ نہ صرف مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے بلکہ آپ کی جوانی لوٹ آئی اور حُسن و جمال نکھرا ۔ آپ نے ایک نئی پوشاک پہنی ۔

فائدہ صُوفیانہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام کی اس لیے آزمائش کی گئی کہ ریاضات شاقہ اور قسم قسم کے مجاہدات بدنیہ سے آپ کے مقامات علیا کی تکمیل ہو اس لیے آپ کو حکم ہُوا کہ بشریت کی زمین کو زد و کوب کریں تاکہ انھیں حقیقت کا پانی مثالی صورت میں نصیب ہو اور آپ اس سے غسل فرمائیں تاکہ آپ کے جسم سے امراضِ جسمانیہ اور قلب سے امراضِ روحانیہ دُور ہوں ۔ خلاصہ یہ کہ ایوب علیہ السلام جب مجاہدہ سے فارغ ہوئے اور آپ کی استعداد صاف و شفاف ہو گئی اور اس قابل ہُوئے کہ آپ کو فیضِ الٰہی سے نوازا جا سکے تو حضرت روحانیہ سے آپ کو آبِ حیات نصیب ہوا جس میں آپ نے غسل فرمایا تو آپ کے ظاہری و باطنی اور بُعد کے حجابات اُٹھ گئے اور مشاہدات ربانیہ سے سرفراز ہُوئے ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ریشم کے کیڑے میں نبوّت کے فیوض و برکات بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ رذیل ترین مخلوق کیڑے کی شان بلند ہوئی تو اسے ایوب علیہ السلام کے جسمِ اطہر سے چمٹنے کا موقعہ بخشا تاکہ ارذل سے اشرف اور انقص سے اکمل ہو جائیں جیسے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جگہ دے کر شرافت اور بزرگی سے ہمکنار فرمایا ایسے ہی کیڑے نے ایوب علیہ السلام کی صحبت سے رذالت سے شرافت پائی کہ جب وُہ ایوب علیہ السلام کے جسمِ اطہر سے گرے تو درخت پر چڑھے تو ان کے لعاب سے ابریشم نکلا ۔ اور اس کی قدر و قیمت سب کو معلوم ہے اور اس کی یہ قدر و قیمت کیڑے کی ذاتی نہیں بلکہ نبوت کے فیوض و برکات کا کرشمہ ہے ۔ شیخ سعدی قدس سرّہٗ نے فرمایا : ؎

۱	گِلی خوشبوے در حمام روزے	رسید از دست محبوبے بدستم
۲	بدو گفتم کہ مشکے یا عبیرے	کہ از بُوئے دلآویز تو مستم
۳	بگفتا من گل ناچیز بودم	ولیکن مدتے با گل نشستم
۴	کمال ہم نشیں بر من اثر کرد	وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

ترجمہ : ۱ ۔ حمام کی خوشبو دار مٹی مجھے محبوب کے ہاتھ سے ملی ۔
۲ ۔ میں نے اسے کہا کہ تُو مشک ہے یا عنبر کہ تیری دل لوٹنے والی خوشبو سے مست ہو گیا ہوں ۔
۳ ۔ کہا میں ایک مٹی ناچیز ہوں لیکن گلاب کے ساتھ ایک عرصہ گزارنے کا مجھے موقع نصیب ہوا ہے ۔
۴ ۔ ہمنشیں کے کمال نے مجھ میں اثر فرمایا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جیسا کہ سب کو معلوم ہے ۔

بزرگوں کی صحبت مشائخ نے فرمایا کہ شریف وعزیز کی صحبت سے انسان شریف وعزیز بنتا ہے اور کمینے اور رذیل کی صحبت سے انسان کو کمینگی اور رذالت نصیب ہوتی ہے۔ دیکھیے بادِ صبا جب باغات سے گزرتی ہے تو اس میں خوشبو ہوتی ہے اور جب وُہ غلاظت سے گزرتی ہے تو اس میں بدبو ہوتی ہے۔ اسی طرح جو نفس کی سنگت اختیار کرتا ہے اسے ذلّت ورُسوائی ملتی ہے اور جو اخلاق ارواح سے سرفراز ہوتا ہے تو اسے شرافت اور بزرگی نصیب ہوتی ہے۔

مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ

وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ اور ہم نے انھیں عطا کیے ان کے اہل اور ان جیسے ان کے ساتھ۔ اور یہ کہ پہلی اولاد سے دُگنی اولاد پیدا ہوئی۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی زوجہ محترمہ کو بھی جوانی لوٹا دی اور آپ کے ہاں چھبیس بچے پیدا ہُوئے اور آپ کو بے پایاں مال عطا ہوا۔ آپ غربا و مساکین پر بےحد رحم فرماتے اور یتامیٰ و بیوگان کی کفالت اور مہمان نوازی میں بے نظیر تھے۔ اور مسافروں پر لطف وکرم فرماتے۔

سونے کی ٹڈی حدیث شریف میں ہے کہ ایوب علیہ السّلام غسل فرمارہے تھے تو آسمان سے آپ پر ٹڈی کے پاؤں کی مانند سونے کے ٹکڑے گرے، جنہیں ایوب علیہ السلام سمیٹ کر کپڑے میں ڈالنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایّوب! کیا تجھے میں نے غنی نہیں کیا، پھر اس معمولی سونے کی کیا ضرورت ہے۔ عرض کی: یا اللہ! تیری برکت کے حصول کے لیے سمیٹ رہا ہُوں ورنہ مجھے مال و دولت کی تو کوئی کمی نہیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ حلال اور طیّب مال کی کثرت و وفرت مباح ہے۔

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا اور ایّوب علیہ السلام کو مال و دولت سے نوازنے اور رحمت خاصہ عنایت فرمانے کے لیے کیا وَذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ اور دُوسرے عبادت گزار لوگوں کی نصیحت وعبرت کے لیے انھیں مال و دولت سے نوازا تاکہ دُوسرے عبادت گزاروں کو معلوم ہو کہ ہم بہت بڑی قدرت کے مالک ہیں۔ اگر وہ صبر کریں جیسے ایوب علیہ السلام نے صبر کیا تو ثواب پائیں گے جیسے انھیں اجر و ثواب سے نوازا گیا اور مال و دولت اور آل و اولاد سے بھی ؎

۱ ہر کہ او در راہِ حق صابر بود
بر مراد خویشتن قادر بود

۲ صبر باید تا شود یکسر حرج
زانکہ گفت الصبر مفتاح الفرج

ترجمہ : ۱۔ جو کوئی راہِ حق میں صبر کرتا ہے اپنی مراد پہ قدرت پاتا ہے۔
۲۔ صبر چاہیے تاکہ حرج دور ہو، اس لیے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

ف : ایوب علیہ السلام کی آزمائش تھی کہ انہیں ایسے مصائب میں مبتلا کیا گیا تاکہ مخلوق کو ان کے درجاتِ علیا کا علم ہو کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے کتنے بڑے مراتب کے مالک ہیں۔ یوسف علیہ السلام کو اذکرنی عند ربک کے کہنے سے دنیوی عاقبت سے دوچار کیا گیا اور یحییٰ علیہ السلام کو کفار نے ذبح کر ڈالا۔ ان کی یہ مصیبت ان کی کرامت اور مراتب کو بلند کرنے کے لیے تھی اس لیے کہ آپ سے زندگی بھر اور غلطیاں تو درکنار آپ سے خلافِ اولیٰ بھی صادر نہ ہوا بلکہ اس کے ارادہ تک کا ارتکاب نہ کیا۔

وَاِسْمٰعِيْلَ اور یاد کرو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اسمٰعیل علیہ السلام کے قصہ کو۔ اسمٰعیل بمعنے مطیع اللہ۔ **وَاِدْرِيْسَ** آپ کا اسم گرامی اخنوخ بن برد بن مہلائیل۔ بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کو ادریس اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ کثرت سے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ اس کی تحقیق ہم نے پہلے بیان کر دی ہے۔ **وَذَاالْكِفْلِ**۔ کفل بمعنے کفالت وضمانت۔ وہ اس لیے کہ بنی اسرائیل کے کسی ایک نبی کے ہاں وحی آئی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی روح قبض کروں اور آپ اپنا ملک بنی اسرائیل کے کسی ایسے بندے کے سپرد کر دیں جو اس بات کی ضمانت دے کہ پابندی سے تمام رات نماز پڑھتا رہے گا، ذرہ بھر بھی آرام نہ کرے گا، سستی نہ کرے گا۔ دن کو روزہ رکھے گا، روزہ میں ناغہ نہ کرے گا۔ لوگوں میں حق کا فیصلہ کرے گا اور کسی پر ناراض نہ ہوگا۔ جو ان امور کی پابندی کے لیے تیار ہو جائے تو اپنی بادشاہی اس کے سپرد کر دو۔ جب پیغمبر علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر یہ بات ظاہر کی تو ایک جوان نے حامی بھری اور کہا کہ:

انا اتکفل بہا۔ میں اس کی کفالت کروں گا۔

پیغمبر علیہ السلام نے ملک اس جوان کے سپرد کر دیا۔ اس نے ایفائے عہد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے انعام کے طور خلعتِ نبوت سے نوازا۔ اس لیے وہ ذوالکفل کے نام سے مشہور ہوتے۔

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ وہ سب یعنی اسمٰعیل و ادریس و ذوالکفل علیہم السلام صبر کرنے والوں سے تھے یعنی طاعات و عبادات کی مشقات اور بلیات کی برداشت سے مکمل طور پر صبر کرنے والے تھے۔ مثلاً ذبح کے وقت اسماعیل علیہ السلام نے صبر کیا اور عرض کی:

یا ابت افعل ما تؤمر (الآیۃ)

اور ایسے ویران اور جنگل کے مقام میں رہنے پر صبر کیا جہاں نہ کھیتی تھی اور نہ آبادی۔ اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی نسل سے پیدا فرمایا اور ادریس علیہ السلام نے درس و تدریس میں صبر فرمایا اور ذوالکفل علیہ السلام نے صیام النہار اور قیام اللیل اور حکومت میں لوگوں کی اذیتوں پر صبر فرمایا کبھی بھی ان پر خفا نہ ہوئے۔

فائدہ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اور معصیت سے بچنے کی تکالیف اور جانی و مالی مصائب پر صبر کرتا ہے تو اسے صبر کے مطابق مراتب عبدیت کے مراتب سے نوازتا اور اسے

مخصوص رحمت میں داخل ہونے کا اہل بناتا ہے۔

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اور ہم نے انہیں رحمتِ خاصہ میں داخل کیا، جیسے نبوت وغیرہ۔ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ بیشک وہ صلاح اور نیکی میں کامل ترین لوگوں میں سے تھے۔ اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام مراد ہیں ان کا صالح ہونا بایں معنے کہ وہ ہر فساد اور گناہ سے معصوم تھے۔

مسئلہ: علماء فرماتے ہیں کہ عام مومنین سے گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے اگر وہ بہ مطابق قانونِ شرع توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ اور اولیاء کرام گناہ نہیں کرتے اگرچہ ان سے گناہوں کے صدور کا امکان ہے اس لیے کہ وہ لوگ جائز الخطا ہیں۔ لیکن منجانب اللہ محفوظ ہوتے ہیں۔

ملفوظ بایزید قدس سرہٗ سیدنا بایزید قدس سرہٗ سے پوچھا گیا: کیا عارف باللہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کون ٹال سکتا ہے اگر عارف باللہ سے کوئی غلطی سرزد ہو تو اسے مقامِ عرفان کی طرف لوٹنے کی توفیق بخشی جاتی ہے بشرطیکہ وہ حقیقی عارف باللہ ہو (زبانی جمع خرچ کرنے والا اور شیطان کا کھلونا اور رسمی عارف نہ ہو) حقیقی عارف کو توبہ خالص پہلے مقام تک پہنچا دیتی ہے اور اس کی درمیانی غفلت سے غلطی کا ازالہ یوں ہو جاتا ہے کہ گویا اس سے غلطی ہوئی ہی نہیں۔ یعنی اپنے مرتبۂ اوّل سے بالکل نہیں گرا بلکہ بدستور مرتبۂ اوّل پہ ہے جیسے سیدنا ماعز صحابی رضی اللہ عنہ سے زنا کا ارتکاب ہوا اور انہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم بھی فرمائی باوجود اینہمہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو قسمت اھل السمٰوٰت والارض لوسعتھم۔ اگر جملہ اہل السماء والارض کی توبہ کا موازنہ کیا جائے تو حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی توبہ کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوگا۔

مسئلہ: حضرات انبیاء علیہم السلام سے نہ کبھی گناہ ہوا اور نہ اُن سے گناہوں کے صدور کا امکان ہے اس لیے کہ وہ فطرۃً معصوم ہوتے ہیں۔

ف: صلاح (صالح ہونے) کا ابتدائی درجہ یہ ہے کہ بندہ احکام و شرائع پر حتی الامکان پابندی اور جمیع محذورات و منہیات شرع سے بچنے کی کوشش کرے اور انتہائی مرتبہ ہے کہ ہر وقت توجہ صرف رب الارباب کی طرف ہو اور جملہ عالم کے تصورات اور خیالات سے فارغ ہو۔ یہی مقامِ صدیقیت ہے۔

ف: بعض بندوں کی اصلاح تخلیقی ہوتی ہے اور بعض میں کسبی، وہ اس طرح کہ اس کے اندر فساد وغیرہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دُور فرما دے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے خوش قسمت بندے بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ازل سے ہی اپنی ذات کے لیے چُن لیا۔ ایسے حضرات فطرۃً ایسے پاکدامن ہوتے ہیں کہ انھیں لمحہ بھر بھی اللہ تعالیٰ غیر کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ اور بعض دُوسرے وُہ کہ جن کو غیر اللہ کی توجہات نے گھیرا تو سہی لیکن وہ اس کے ازالہ میں

لگے رہے۔ یہاں تک کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فنا کے بعد بقا نصیب ہوئی۔

ف: صبر بھی اسی صلاح کے مراتب سے ہے۔ حضرت یزید الرقاشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب انسان قبر میں مدفون ہوتا ہے تو نماز اس کے دائیں جانب اور زکوٰۃ بائیں جانب ہوتی ہے اور نیکی سر پر چھتری کی طرح ہوتی ہے۔ اور صبر بندے سے ازالۂ عذاب کی جدوجہد کرتا ہے یہاں تک کہ دوسرے اعمال صالحہ سے فرمائے گا کہ اگر تم اس بندے کو عذابِ الٰہی سے بچا سکتے ہو تو الحمد للہ، ورنہ میں اکیلا ہی اس کی نجات دلانے کے لیے کافی ہوں۔

ف: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صبر تمام اعمال صالحہ سے افضل اور بزرگ ترین صفات طلب رضائے الٰہی ہے وہ اس لیے کہ صبر صرف بلا و مشقت کے وقت ہوتا ہے اور انسان کو بھی ترقی صرف صبر کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے صرف بلا و مشقت ترقی کا سبب نہیں اس لیے کہ اگر صرف بلا و مشقت ہی ترقیِ درجات کا موجب ہوتی تو تمام مشرکین وکفار کو بھی بلاؤں اور مصیبتوں کی وجہ سے ایسی سعادت سے نوازا جاتا حالانکہ جملہ اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ وہ ایسے مصائب و تکالیف سے دُنیوی عذاب میں مبتلا کیے گئے تھے البتہ اہلِ ایمان کو مصائب و تکالیف پر صبر کرنے کی وجہ سے ترقیِ درجات نصیب ہوئی اور جرائم و معاصی کی معافی کا موجب بنے بلکہ ان کے وجود کے لیے یہ مصائب و تکالیف اکسیر بن کر آئے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱	صد ہزاراں کیمیا حق آفرید	کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید
۲	چوں بمانی بستہ در بند حرج	صبر کن الصبر، مفتاح الفرج
۳	شکر گویم دوست را در خیر و شر	زانکہ ہست اندر قضا از بد بتر
۴	چونکہ قسام اوست کفر آمد گلہ	صبر باید صبر مفتاح الصلہ
۵	غیر حق جملہ عدو اند اوست دوست	با عدو از دوست شکوت کی نکوست
۶	تا دہد دوغم نخواہم انگبیں	زانکہ ہر نعمت غمی دارد قریں

ترجمہ: ۱۔ لاکھوں کیمیا حق نے پیدا فرمائے ہیں لیکن آدم علیہ السلام میں صبر جیسا اور کوئی کیمیا نہیں۔

۲۔ جب کوئی حرج اور تنگی میں مبتلا ہو تو صبر کر کیونکہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

۳۔ میں شکر کرتا ہوں ہر خیر و شر میں کیونکہ تقدیر ہر برائی بھلائی لکھی ہوئی ہے۔

۴۔ جب ہر امر کا قاسم وہی ہے تو پھر شکوہ کفر ہے، صبر کیجئے! اس لیے کہ صبر صلہ و انعام کی کنجی ہے۔

۵۔ جملہ عالم ہمارا دشمن ہے صرف اللہ تعالیٰ دوست ہے۔ دوست کا شکوہ دشمن سے کرنا اچھا نہیں۔

۶۔ میں شہد نہیں مانگتا کیونکہ اس میں دو غم لاحق ہوں گے کیونکہ ہر نعمت پر غم ملتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَذَا النُّوْنِ اور مچھلی والے کو یاد کیجئے۔ نون بمعنے حوت یعنی مچھلی۔ اور ذو النون سے حضرت یونس بن متّٰی علیہ السلام مراد ہیں۔

ف : متّٰی بفتح المیم وتشدید التاء المثناۃ۔ بعض نے فرمایا کہ متّٰی یونس علیہ السلام کی والدہ کا نام ہے۔ (کذا فی جامع الاصول) اور حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ میں نے حضرت کعب سے متّٰی کے بارے میں سوال کیا کہ متّٰی یونس علیہ السلام کے والد کا نام ہے یا والدہ کا ؟ انھوں نے فرمایا کہ متّٰی ان کے والد کا نام تھا اور ان کی والدہ کا نام بدورۃ تھا۔ اور یہ بی بی صاحبہ ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں اور یونس علیہ السلام کو ذو النون اور سورۃ ن والقلم میں صاحب الحوت سے یاد کرنے میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی مدح وثنا فرمائی ہے وہاں ذو النون سے یاد فرمایا ہے اور جہاں ان کا صرف واقعہ بیان فرمایا ہے تو وہاں صاحب الحوت کا لقب دیا ہے۔

قاعدہ : لفظ ذو کی اضافت لفظ صاحب کی اضافت سے اشرف واعلیٰ ہوتی ہے اس لیے کہ ذو تابع کی طرف مضاف ہوتا ہے اور لفظ صاحب متبوع کی طرف۔ مثلاً ہم کہتے ہیں : ابو ہریرہ صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ نہیں کہ ہم کہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اور ذو کی شرافت اضافت مشہور ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ذو الجلال اور ذو العرش۔

قاعدہ : ایک اسم کی دوسرے اسم کی طرف اضافت پہلے کا تابع اور دوسرے کا متبوع ہونا ظاہر کرتا ہے (یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں۔

نکتہ : چونکہ لفظ نون حروف تہجی میں سے ایک ہے۔ اور حرف نون اوائل السور میں بھی آیا ہے۔ مثلاً ن والقلم الخ اس اعتبار سے لفظ ذو النون لفظ صاحب الحوت سے اشرف واعلیٰ ہے۔ (کذا قال الامام السہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ)

اِذْ ذَّهَبَ یاد فرمایئے ان کے چلے جانے کے وقت کو **مُغَاضِبًا** اپنی قوم سے ناراض ہو کر کہ انھوں نے ان کی دعوتِ اسلام کیوں قبول نہیں کی اور ان کی قوم سے اہلِ نینوٰی مراد ہیں اور وہ ایک بستی کا نام ہے ان کا قصہ اور ان کے مفصل حالات اور یونس علیہ السلام کی کیفیت ہم نے پہلے لکھ دی ہے۔

ف : مغاضباً باب مفاعلہ مبالغہ کے معنے پیدا کرنے کے لیے ہے یعنی اس سے ظاہر کرتا ہے کہ یونس علیہ السلام کو اپنی قوم پر سخت ناراضگی ہوئی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ انھوں نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا جب وعدے کا وقت قریب آیا تو ان لوگوں نے بارگاہِ حق میں عجز ونیاز اور آہ وزاری کی اللہ تعالیٰ کو ان کے حال پر رحم آیا اس لیے ان سے عذاب ٹال دیا۔ چونکہ یونس علیہ السلام انھیں عذابِ الٰہی کا وقت بتا کر ناراضگی سے چلے گئے تھے لیکن جب تاریخ معین کے بعد تشریف لائے تو وہ لوگ عذاب سے محفوظ تھے یونس علیہ السلام نے خیال کیا کہ اگر میں ان کے ہاں گیا تو اب وہ میری تکذیب کریں گے۔ اس لیے غضب ناک ہو کر باہر تشریف لے گئے۔ اس کی تفصیل ہم لکھ آئے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل حقی

رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی قول مناسب تر ہے اس لیے کہ شیخ نجم الدین کی تاویلات کے موافق ہے اور وہ اہلِ یقین کے نزدیک محققین سے ہے۔

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ تو یونس علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ ہم ان پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے۔ یہ قدر علیٰ عیالہ قدراً سے ہے بمعنے اضیق ۔ اور قدرت علیہ الشئی بمعنے ضیقت علیہ ہے ۔ گویا اس معنے پر اسے ایک اندازہ پر محدود کر دیا گیا ہے۔ یہ بغیر حساب کی صفت کی نقیض ہے اگرچہ نبی یونس علیہ السلام معصوم تھے۔ ان سے ایسا فعل صادر ہونا ممتنع ہے لیکن انھیں اس شخص جیسا قرار دیا گیا جو ایسے وقت ایسا گمان کرے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جب انسان پر غضب غالب ہوتا ہے تو اس کی عقل بحال نہیں رہتی بلکہ اس سے نورِ ایمان بھی محجوب ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بدگمانیاں کرتا ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں اگرچہ کوئی نبوت کا حامل بھی کیوں نہ ہو (مگر نبی علیہ السلام کی اس حالت پر کسی قسم کی گرفت نہیں) سوائے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کے اندر وہ قوتِ کاملہ تھی کہ غضب اور غیر غضب میں سوائے حق کے آپ کے دہن مبارک سے اور کوئی شے صادر نہ ہوتی۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق محبوب ہے کہ اگرچہ کتنے گنہگار بلکہ عذاب کے مستحق بھی ہوں تب بھی اپنے نبی علیہ السلام کے مطالبہ کے باوجود انھیں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ ان سے چاہتا ہے کہ وہ اس سے استغفار کریں اور عذاب کے ٹل جانے کے لیے معافی چاہیں۔ چنانچہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

فاعف عنھم واستغفر لھم۔

اور جب حضور علیہ السلام کافروں کو بددعا اور لعنت کرنے لگے تو کافروں کی خاطر فرمایا:

لیس لک من الامر شئ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جب اپنی قوم سے ناراض ہو کر بحرِ روم کی طرف چلے تو کشتی پار جانے کے لیے تیار تھی آپ بھی لوگوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئے۔ جونہی کشتی دریا کے درمیانی حصے میں پہنچی تو رک گئی، نہ آگے ہوتی تھی نہ پیچھے ہٹتی تھی۔ ملاحوں نے کہا کہ یہاں کوئی نافرمان اور گنہگار اور اپنے آقا سے بھاگا ہوا انسان بیٹھا ہے جب تک وہ یہاں ہے کشتی نہیں چلے گی اور ہماری عادت ہے کہ ہم پردہ فاش نہیں کرتے بلکہ قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام قرعہ نکلے اسے دریا میں پھینک دیتے ہیں۔ تین بار قرعہ ڈالا گیا ہر بار یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ آپ نے فرمایا وہ عاصی و آبق بندہ میں ہی ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگا دی۔ آپ کو مچھلی نے لقمہ بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ میرے اس پیارے بندے کو بال برابر بھی ضرر نہ پہنچانا اس لیے کہ میں نے تیرے پیٹ کو اس کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔ یہ تیرا لقمہ نہیں ہے۔

تفسیر عالمانہ **فَنَادٰی** یہ فاءِ فصیحیہ ہے۔ قرعہ اندازی کے بعد دریا میں مچھلی کے پیٹ کے اندر پہنچتے ہی یونس علیہ السلام نے پکارا **فِی الظُّلُمٰتِ** تاریکیوں میں۔ یعنی ایک دریا، دوسرے مچھلی کا پیٹ، تیسرے رات کی تاریکی۔

ف : شیخ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ میرے نزدیک وہ تاریکی شش جہات سے تھی جیسا کہ حضور علیہ السلام کی حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

میں نے اپنے امتی کو دیکھا کہ اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اور اس کے اوپر نیچے تاریکی ہی تاریکی ہے اور وہ ان تاریکیوں میں حیران و سرگردان ہے۔

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ یہ ان تفسیریہ ہے۔

فائدہ صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ رُوح شریف کو دنیائے عالم کے دریا میں پھینکا گیا تو اسے نفس امّارہ کی مچھلی نے لقمہ بنا لیا، اور یہ نادر امر ہے کہ نفس کی آفات سے روح صحیح سالم رہتی ہے۔ یعنی نفس روح کے صفات کے اندر تغیر و تبدل نہیں کر سکتا وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نفس کی طرف پیغام بھیجتا ہے کہ تُو نے رُوح کو کچھ نہیں کہنا اس لیے کہ روح چند روز تیری قید میں رکھی گئی ہے اسے تیرا لقمہ بنا کر نہیں بھیجا گیا یہ وہی نادر امر ہے کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کے اندر صحیح و سالم رہے۔ یہ بھی روح کی سلامتی کی علامت ہے کہ وہ باوجود ظلمات یعنی ظلمت نفس اور ظلمت قالب اور ظلمت دنیا میں ہوتا ہے تو بھی پکارتا ہے **لَآ اِلٰهَ** یعنی کوئی ایسا معبود نہیں جو ان ظلمات سے میری حفاظت کر کے مجھے ان کی آفات سے بچا لے اور مجھے الہام کے ذریعے بتائے کہ اس سخت مقام پر میں اسے یاد کروں **اِلَّآ اَنْتَ** سوائے تیرے **سُبْحٰنَكَ** میں تیری شان کے لائق تیری تنزیہہ بیان کرتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ تجھے کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی اور مجھے یقین ہے کہ میری آزمائش کسی سبب کے بغیر نہیں ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہرچہ بر تو آید از ظلمات غم
آں ز بے باکی و گستاخیست ہم

ترجمہ : جو کچھ تم پر غم کے ظلمات اترے وہ تیری بیباکی اور گستاخی سے ہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ظلم کی تنزیہہ کی حالانکہ ظلم کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ کما قال: وما خلقکم وما تعملون باوجود اینہمہ یونس علیہ السلام نے ظلم کی اپنی طرف نسبت فرمائی اپنے اظہارِ عجز اور اپنے لیے استحقاق اور رعایت ادب کی وجہ سے۔ چنانچہ کہا: **اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ** بے شک میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہوں کہ اُسے ہلاکت میں مَیں نے خود ڈالا کہ ہجرت کی طرف عجلت کی۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

چوں بگوے جاہلم تعلیم دہ
ایں چنیں انصاف از ناموس بہ

۲ از پدر آموز اے روشن جبیں
ربّنا گفت و ظلمنا پیش ازیں

۳ نے بہانہ کرد و نے تزویر ساخت
نے لوائے مکر و حیلت برفراخت

ترجمہ :۱۔جب تم کہو کہ میں جاہل ہوں کہ اسے تعلیم دے ایسا انصاف ناموس سے بہتر ہے۔
۲۔اے روشن جبین باپ آدم سے سبق سیکھ کہ انھوں نے پہلے فرمایا تھا: ربنا ظلمنا۔
۳۔نہ بہانہ کیا اور نہ ہی مکر کیا، نہ مکر و حیلہ کا جھنڈا اکھڑا کیا۔

معراجِ یونس علیہ السلام عرائس البقلی میں ہے کہ یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے معراج کی استدعا کی اور کہا کہ مجھے مچھلی کے پیٹ میں تیرا مشاہدہ نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے معراج کرانے کیلیے امرونہی کو سبب بنایا تاکہ انھیں قربتِ حق اور مشاہدۂ الٰہی نصیب ہو۔ اس لیے مچھلی کے پیٹ کے اندر زمین کے نچلے حصے میں انھیں وہی نصیب ہوا جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق العرش نصیب ہوا۔ اسی تحیّر میں یونس علیہ السلام نے عرض کی:
لا الٰہ الّا انت سبحٰنك انی کنت من الظّٰلمین۔
یعنی میں اپنے ظنون واوہام سے جس طرح تجھے سمجھتا تھا اس سے میں تیری تنزیہہ بیان کرتا ہوں اور میں بہت کمی میں تھا کہ جس طرح تیری شان جلالی بیان کرتا تھا اس میں میری بہت بڑی کوتاہی تھی اس لیے کہ تیری شان و عزّت اور عظمت بہت بلند اور بالا ہے۔ یونس علیہ السلام کا یہ قول حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قول "لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك" کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا:
"مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔"
ف :جب یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں مشاہداتِ ربّانی نصیب ہوئے تو آپ کو وہی مقام اچھا لگا اور جی چاہا کہ یہیں پر رہ جاؤں کیونکہ دنیا میں ایسے جلوے کہاں۔ لیکن پھر جلوے ان سے پوشیدہ ہوئے تو حضرت یونس علیہ السلام کو گھبراہٹ ہوئی تو نجات کے لیے دعا مانگی۔ اس پر انھیں اللہ تعالیٰ نے بطن حوت کی وحشت سے نجات عطا فرمائی۔
کما قال:
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ پس ہم نے یونس علیہ السلام کے اعتراف پر نہایت الطف طریق سے ان کی دعا کو قبول فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے یونس علیہ السلام کو عالم اجسام کی ظلمات بخشی ایسے ہی روح کو ظلمات نفس وقالب اور دنیا سے نجات بخشی تاکہ وہ عالم کی ظلمات میں اللہ تعالےٰ کی وحدانیت کو یاد کر سکے جیسے وہ عالم ارواح کے انوار میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کی خلافت میں عالم غیب و

شہادت میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے تصرف کر سکے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سختی اور مصیبت میں پھنس جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس کلمہ لا الٰہ الا انت الخ سے پکارے تو اس کی دُعا مستجاب، ہوگی۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو صرف اور صرف اپنے لیے اعتراف کمی نے نجات دلائی۔

اسمِ اعظم صحیح المستدرک میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسمِ اعظم یہ ہے کہ اس کے وسیلہ سے جو بھی دُعا مانگی جائے مستجاب ہوتی ہے اور اس کے وسیلہ سے جو بھی دُعا مانگی جائے مستجاب ہوتی ہے اور اس کے وسیلہ سے جو سوال کیا جائے وُہ دیا جاتا ہے اور اسمِ اعظم لا الٰہ الا انت الخ ہے۔

تفسیرِ عالمانہ اور ہم نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے لقمے اور دریا سے نجات بخشی کہ آپ کو مچھلی نے چار ساعات یا تین یا سات یا چالیس روز کے بعد کنارے پر پھینکا اور آپ کو اس سے بھی نجات دلائی کہ مچھلی آپ کو اس سے بھی نجات دلائی کہ مچھلی آپ کو دریاؤں کے انتہائی مقام اور زمین کی تہ میں لے گئی تھی۔

ف: بعض نے فرمایا کہ جس وقت یونس علیہ السلام نے دریا میں چھلانگ لگائی تو اس وقت مچھلی نے پانی سے سر باہر نکال کر منہ کھولا ہوا تھا۔

حکایت حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے فرمایا کہ یونس علیہ السلام کو لقمہ بنا لے لیکن اسے نہ زخم آئے نہ ان کی ہڈی ٹوٹے۔ یہاں تک کہ تم ان کے جسم کو چھونا تک بھی نہ۔ مچھلی یونس علیہ السلام کو پیٹ میں لے کر اپنے مسکن میں لے گئی۔ جب مچھلی آپ کو دریا کی تہ میں لے گئی تو آپ کو کچھ آوازیں محسوس ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ آوازیں کیسی ہیں؟ جواب ملا کہ یہ دریائی جانوروں کی تسبیح ہے۔ اس پر یونس علیہ السلام نے تسبیح پڑھی جسے ملائکہ کرام نے سُنا اور عرض کی: یا الٰہ العالمین! اجنبی زمین سے یہ کمزور آواز کیسی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ معروف آواز غیر معروف جگہ سے کیسی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آواز میرے بندے یونس علیہ السلام کی ہے جنہوں نے میرے حکم کے ہجرت کی تو انھیں مچھلی نے لقمہ بنایا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی وہ تو تیرے نیک بندے ہیں جن کے نیک اعمال صبح و شام زمین سے آسمان تک پہنچتے تھے۔ ایسے نیک بندے کو معاف فرما دیجئے۔ چنانچہ فرشتوں کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم فرمایا کہ انھیں ساحلِ دریا پر پھینک دے۔

وَكَذٰلِكَ اور ایسی نجات کی طرح نُـۨجِی الْمُؤْمِنِيْنَ ہم اہلِ ایمان کو غم سے نجات بخشتے ہیں جب وہ غم کے وقت خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔

رُوحانی کیمیا حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسے بندے سے متعجب ہوں جو چار بلاؤں میں

مبتلا ہوتا ہے تو وہ ان چار کلمات سے غفلت کرتا ہے ؛

۱۔ غم میں مبتلا ہو تو کثرت سے پڑھے ؛

لا اله الّا انت سبحٰنك انّی کنت من الظالمین۔

اس لیے کہ غمزدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ؛

فاستجبنا له ونجیناه من الغم وکذٰلك ننجی المومنین۔

۲۔ کسی برائی سے خوفزدہ ہو تو پڑھے ؛

حسبی الله ونعم الوکیل۔

اس لیے ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛

فانقلبوا بنعمة من الله وفضل لم یمسسهم سوٓء۔

۳۔ جسے لوگوں کے دھوکہ اور فریب سے خطرہ ہو تو پڑھے ؛

افوّض امری الی الله ان الله بصیرٌ بالعباد۔

اس لیے کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛

فوقاه الله سیّاٰت ما مکروا۔

۴۔ جسے بہشت میں داخل ہونے کی رغبت ہو وہ پڑھے ؛

ماشاء الله لا قوة الّا بالله۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ؛

فعسٰی ربّی ان یؤتین خیرا من جنتك۔

حکایت حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ہمیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس کے ایک شخص کی حکایت سنائی گئی ہے جس نے دعا مانگی ؛

"اے اللہ تعالیٰ ! جو سزا مجھے آخرت میں ملنی ہے وہ مجھے دنیا میں دے دی جائے۔"

چنانچہ وہ شخص کسی مرض میں بیمار ہوگیا اور سخت لاغر ہو چکا یہاں تک کہ چڑیا کے برابر اس کا جسم باقی رہ گیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی آپ اس کے ہاں تشریف لائے تو اس نے آپ کو سر اٹھا کر دیکھا اسے حرکت کرنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ عرض کی گئی ؛ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! وہ اس طرح کی دعا مانگتا تھا (اس دعا کا ترجمہ اوپر مذکور ہوا) حضور علیہ السلام نے فرمایا: "اے آدم زادے ! تم اللہ تعالیٰ کی سزا کے حامل نہیں ہو، تمہیں چاہیے کہ اس کی بارگاہ میں یوں عرض کریں ؛

اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

اس نے یہی دعا مانگی تو فوراً شفایاب ہوگیا۔

ڈراؤنے خواب کا علاج حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نیند میں بہت ڈرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مندرجہ ذیل کلمات پڑھ لیا کرو:

اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من غضبہ و	میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ساتھ اس کے غضب و
عقابہ و شر عبادہ و من ھمزات الشیٰطین	عقاب اور اس کے بندوں کے شر اور شیطانوں کے
ان یحضرون۔	وسوسوں کہ میرے ہاں آئیں سے پناہ مانگتا ہوں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ تا فرود آید بلا بے دافعی
چوں نباشد از تضرع شافعی

۲ جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار

۳ زور را بگذار و زاری را بگیر
رحم سوئے زاری آید اے فقیر

۴ زاریٔ مضطر کہ تشنہ معنویست
زاریٔ سردی دروغ آں غویست

۵ گریۂ اخوانِ یوسفؑ حیلتست
کہ درونشان پر زرشک و علتست

ترجمہ: ۱۔ بلا بے دافع دفع کرنا چاہتے ہو تو تضرع وزاری سے بڑھ کر اور کوئی شے دافع نہیں ہوسکتی۔

۲۔ خضوع و بندگی و اضطرار کے سوا اس بارگاہ میں کوئی شے کام نہیں آتی۔

۳۔ زور چھوڑیے زاری پر عمل کیجئے۔ رحمتِ الٰہی زاری کی طرف آتی ہے۔

۴۔ زاری ایک معنوی تشنہ اور مضطر ہے۔ زاری اس کی غلط ہے تو الٹا نقصان۔

۵۔ جیسے اخوانِ یوسف کا گریہ کہ اندرونِ خانہ کچھ اور خیال سے تھا۔

وَزَكَرِيَّآ اور یاد کرو بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر حضرت زکریا بن اذن بن مانان کا واقعہ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ جب انہوں نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ رَبِّ اے میرے اللہ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا ایسی عبارت عبد اپنے مالک کو بطور تضرع اور دعا کے عرض کرتا ہے، گویا زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اے میرے اللہ کریم! مجھے بچہ عطا فرما مجھے اکیلا (لاوارث) نہ چھوڑ۔

ف: جب زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس سال اور آپ کی زوجہ محترمہ کی ننانوے سال کو پہنچی تو اتنا طویل عرصہ اولاد نہ ہونے کے باعث انھیں اولاد کی خواہش ہوئی تاکہ اس سے جی بہلائیں اور دنیوی و دینی امور میں تقویت حاصل ہو اور ان کے وصال کے بعد ان کی اولاد ان کی مسند نشین ہو۔ اسی لیے سوال ایسے لہجے میں کیا، سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے، کا ثبوت تھا۔

وَاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ اور تو بہتر ہے ان سے جو کسی کے مرنے کے بعد باقی رہے اور میں اس پر بھی خوش ہوں کہ اگر مجھے اولاد سے نوازا جائے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا مطلوب ہے کہ وہی تمام مخلوق کی فنا کے بعد باقی رہے گا اور تمام زمین و آسمان اسی کی ملک ہیں۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ پس ہم نے اس کی دعا اس کے بچے کے حق میں دعا مستجاب فرمائی کما قال وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰى اور ہم نے انھیں عطا فرمایا یحییٰ (علیہ السلام)۔ وراثت کے حق میں زکریا علیہ السلام کی دعا قبول نہ ہوئی اس لیے کہ یحییٰ علیہ السلام اپنے والد گرامی سے پہلے شہید کر دیے گئے۔

سوال: اس طرح سے زکریا علیہ السلام کی مستجاب نہ ہوئی اور تم (سُنّی) کہتے ہو کہ ہر نبی علیہ السلام کی ہر دعا مستجاب ہوتی ہے۔

جواب: اس دعا کا قبول نہ ہونا ایسے ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کی آزر کے حق میں دعا کا حال تھا۔ اس کے جوابات ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

(صاحب روح البیان اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ)

فان الانبیاء علیہم السلام وان کانوا مستجابی الدعوة لکن اثر بعض الدعوات لا یظهر فی هذا الموطن للحکمة الالهیة۔	اگرچہ انبیاء مستجاب الدعوات ہوتے ہیں لیکن ان کی بعض دعاؤں کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے۔

وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اور ہم نے زکریا علیہ السلام کی زوجہ ایشاع بنت عمران یا بنت فاقود کو بچہ جننے کے لائق بنایا حالانکہ وہ بانجھ تھی اور وہ ننانوے سال کو پہنچ چکی تھیں اور اس سن میں ان سے بچہ جننے کی صلاحیت تک نہیں رہی تھی اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ جن پیغمبران عظام علیہم السلام کا ذکر خیر ہوا ہے یہ سب نیکی کرنے میں جلدی کرتے تھے۔

ف : انھم کی ضمیر زکریا اور ان کی زوجہ اور یحییٰ علیہم السلام کی طرف یا جملہ مذکورہ انبیا علیہم السلام کی طرف راجع ہے۔اس معنے پر ان حضرات پر مجموعہ احسانات کی تفصیل کی علت کا اظہار مطلوب ہے۔ مثلاً موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو توراۃ عنایت فرمائی جو انہیں حق و باطل کا فرق بتاتی۔ اور ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار کردی گئی۔ اور لُوط علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات بخشی۔ اور نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کو طوفان سے بچایا اور قوم کی ایذا رسانی وغیرہ سے محفوظ فرمایا۔ اسی طرح دوسرے انبیاؑ علیہم السلام پر الطافِ کریمانہ ہُوئے تو یہ حضرات ان نعمتوں کی ادائیگی کے شکر میں خیرات یعنی ہر طرح کی نیکیوں میں سبقت کرتے اور جو اصلی نیکیاں ان سے مطلوب تھیں۔ ان پر وہ ثابت قدم تھے اس لیے یہاں پر یسٰرعون کا صلہ لفظ الیٰ کے بجائے لفظ فی لایا گیا ہے جو دلالت کرتا ہے کہ وہ اصل مقصود پر ثابت قدمی کے ساتھ ہر قسم کی نیکیوں سے بہرہ ور تھے ورنہ مسارعۃ کے فعل کا صلہ لفظ الیٰ آتا ہے۔ کما قال تعالیٰ : وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ۔ (الآیۃ)

ف : امام راغب نے فرمایا : الخیر ہر وہ شے جس کے حصول میں ہر طرح سے رغبت ہو۔ یہاں پر خیر مطلق مراد ہے۔ اس کی نقیض الشر آتی ہے۔

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا یہ حال ہے بمعنے راغبین فی اللطف والجمال۔ **وَّرَهَبًا** بمعنے راھبین بمعنے خائفین من القهر والجلال۔ یا ان دونوں کا معنیٰ راغبین فینا وخائفین مما سوانا۔ یعنی ہماری ذات کی رغبت اور ہمارے ماسوا سے خوف کرنے والے۔ اور الرغبۃ بمعنے السعۃ فی الارادۃ۔ مثلاً کہا جاتا ہے : رغب الشیٔ بمعنے اتسع۔

قاعدہ : رغب فیہ و الیہ یعنی جب رغبت کا صلہ فی یا الیٰ واقع ہو تو وہاں اس شے کی حرص مطلوب ہوگی اگر اس کا صلہ عَن آئے تو اس شے سے نفرت اور رُوگردانی مراد ہوگی۔ اور الرغبۃ بمعنے العطاء الکثیر۔ اس لیے کہ وہ مرغوب و مطلوب ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اس کا اشتقاق اصل معنےٰ یعنی رغبۃ بمعنے سعۃ سے ہوگا۔ اسی معنے سے لے کر چند مخصوص راتوں کو لیلۃ الرغائب کہا جاتا ہے بمعنے لیلۃ العطایا الجزیلہ۔ اسی طرح کہا جاتا ہے : فلان یعطی الرغائب من یشاء ویمنع۔ یعنی فلاں جسے چاہتا ہے تو بے شمار عطایا عنایت فرماتا ہے وغیرہ۔ الرھبۃ بمعنے تحرک و اضطراب کے ساتھ کسی سے خوفزدہ ہونا۔

وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ اور تھے وہ تواضع اور عجز و نیاز سے ہماری عبادت کرنے والے اگرچہ خشوع کا اطلاق صرف ظاہری جسم سے عجز و نیاز پر ہوتا ہے لیکن یہاں ظاہری باطنی خشوع و خضوع مراد ہے اس لیے کہ انبیاؑ علیہم السلام وہ ذواتِ قدسیہ ہوتی ہیں جو قلب و قالب دونوں طرح سے اللہ تعالیٰ کے لیے خاشع و خاضع ہوتے ہیں۔

ف : ظاہری طور پر موٹی روٹی کھانا اور موٹے کپڑے پہننا اور سرنگوں رہنا لیکن دل میں خلوص نہ ہو اور قلب خوفِ الٰہی سے یکسر خالی ہو تو ایسا انسان ریاکار اور خدا تعالیٰ سے کوسوں دُور ہوتا ہے ؎

۱ ور آوازہ خواہی در اقلیم فاش
برون حلہ کن گر درون حشو باش

۲ بنزدیک من شب رو راہ زن
بہ از فاسق پارسا پیرہن

۳ چہ قدر آورد بندۂ حوردیش
کہ زیر قبا دارد اندام پیش

ترجمہ: ۱۔اگرجہان میں اپنا نام چاہتا ہے ظاہرکو اچھا رکھ اگرچہ اندرون کچھ ہو۔
۲۔میرے نزدیک وُہ ڈاکو اس فاسق سے بہتر ہے جو اندرونی طور مجرم ہے باہر سے پارسا۔
۳۔وہ کیا مرتبہ پائے گا جو اچھے کپڑوں سے اپنے آپ کو اچھا بناتا ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام ان مراتب علیا کو انہی خصائل حمیدہ وفضائل کاملہ کی وجہ سے پہنچے جو شخص بھی بلند مراتب وکمالات کو پہنچنا چاہتا ہے تو اسے بھی انہی حضرات کے اخلاق وعادات پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

وَالَّتِيٓ أَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا اس سے بی بی مریم بنت عمران مراد ہیں۔الحصن ہر وہ مقام جو نہایت محکم اور مضبوط ہو کہ جس کے اندر آسانی سے کوئی نہ پہنچ سکے۔اور کہا جاتا ہے:

احصنہ بمعنے جعلہ فی حصن وحرز۔ فلاں نے فلاں کو محفوظ اور مضبوط بنایا ہے۔

یہ اس کا حقیقی معنیٰ ہے۔مجازاً ہر تحرز پر اسے بولا جاتا ہے۔مثلاً کہتے ہیں: امرأۃ حصان بروزن سحاب بمعنے عفیفہ یا شادی شدہ عورت۔

حلِ لغات: الفرج والفرجۃ بمعنے دو چیزوں کے درمیان کا فرجہ (کشادگی)۔ جیسے فرجۃ الحائط یعنی دیوار کا سوراخ۔ایسے ہی دو پاؤں کے درمیان والی جگہ کو بھی فرج (شرمگاہ) کہتے ہیں اور اب بکثرت اسی کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔یہاں تک کہ مطلقاً یہی لفظ استعمال کرتے وقت سوائے اس کے اور کوئی معنیٰ مراد نہیں ہوتا۔اور الفرج بمعنے انکشاف الغم بھی آتا ہے۔اور مرغی کے چوزوں کو فراریج اسی لیے کہا جاتا ہے کہ انڈے ان کے نکلنے سے پھٹ جاتے ہیں۔

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مریم کا واقعہ یاد کیجئے کہ اس نے اپنی شرمگاہ حلال وحرام سے محفوظ فرمائی اور اپنے آپ کو پاک رکھا۔یعنی ان کے دامنِ عصمت تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچا تھا۔

ف: امام سہیلی نے فرمایا کہ یہاں سے قمیص کا فرج مراد ہے یعنی ان کے کپڑوں پر کسی قسم کی نجاست نہیں پڑی تھی اور ان کے کپڑے ہر طرح کی نجاستوں سے پاک تھے۔یاد رہے کہ قمیص میں چار جگہوں میں کشادگی ضروری ہے۔

(۱، ۲) دونوں آستینیں (۳) اوپر (۴) نیچے کا حصہ۔ اس سے بی بی صاحبہ پہ کوئی بدگمانی نہ کی جائے۔ اس سے ان کی پاکدامنی کی طرف لطیف اشارہ فرمایا ہے۔

فَنَفَخْنَا فِيهَا تو ہم نے عیسٰی علیہ السلام کی روح کو ان کے پیٹ کے اندر پھونک مار کر انہیں پیدا فرمایا۔ فیہا ' نفخنا کے مفعول محذوف سے حال ہے مِن رُّوحِنَا اس رُوح سے جو ہمارے حکم سے تھا۔ حالت مذکورہ کو اس پھونکنے والے سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی شے کو پھونک کر کسی شے میں داخل کرتا ہے۔ اس تقریر پر فنفخنا استعارہ تبعیہ ہے۔

ف: سہیلی نے فرمایا کہ بہ نفخ قدوس کے حکم سے قدس نے پھونکا۔ اس میں قدوس کے فعل کو قدس کی طرف منسوب کیا ہے۔ بر جھوٹے گمان اور غلط خیالی سے بی بی مریم کی تنزیہ کی گئی ہے۔ روح پھونکنے کا قصہ سورہ مریم میں ہم نے بیان کیا ہے وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا اور ہم نے بی بی مریم اور ان کے صاحبزادے کے حال کو بنایا آيَةً بہت بڑی نشانی لِّلْعَالَمِينَ جہان والوں کے لیے۔ ان کا معاملہ موجود لوگوں اور آنے والی نسلوں کے لیے اپنی قدرت کاملہ کے لیے بہت بڑی دلیل بنائی اور اس محقق کو دلائل قائم کرنے میں آسانی ہو گی کہ بی بی پاکدامن سے شوہر کے بغیر بچے کا پیدا ہو جانا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے سوا ناممکن ہے۔

سوال: آيَتَيْنِ کہنا چاہیے کیونکہ بی بی صاحبہ اور ان کے صاحبزادہ کا حال علٰحدہ علٰحدہ قدرتِ کاملہ کی دلیل ہیں۔

جواب: اگرچہ بظاہر دو حالتیں ہیں لیکن درحقیقت ایک واقعہ ہے اس لیے اسے آیۃ سے تعبیر فرمایا ہے اس لیے کہ عیسٰی علیہ السلام کی ولادت کے بغیر قدرت کاملہ کو دلیل بنایا گیا ہے یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ وہ دونوں علٰحدہ علٰحدہ بہت بڑے دلائل متکاثرہ کو متضمن ہے اور انہیں کتب تفسیر اور قصص میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

۱	صومعۂ عیسیت خوان اہل دل	ہاں ہاں اے مبتلا ایں در مہل
۲	جمع گشتندی ز ہر اطراف خلق	از ضریر و شل و لنگ و اہل دلق
۳	بر در آں صومعہ عیسٰی صباح	تا بدم او شان رہاند از جناح
۴	او چو گشتی فارغ از اوراد خویش	چاشتگاہ بیروں شدی آں خوب کیش
۵	جوق جوقی مبتلا دیدی نزار	شستہ بر در بر امید و انتظار
۶	گفتی اے اصحاب آفت از خدا	حاجت و مقصود جملہ شد روا
۷	بے توقف جملہ شادان در اماں	از دعائے او شدندی یا دواں
۸	از در دل و اہل دل آب حیات	چند نوشیدی و وا شد چشمہات
۹	آزمودی تو بسی آفات خویش	یافتی صحت ازیں شاہان کیش
۱۰	باز ایں در را رہا کردی ز حرص	گرد ہر دکان ہمی گردی ز حرص
۱۱	بر در آں منعماں چرب دیگ	میدوی بہر ثرید مردہ ریگ

۱۲ چرلش اینجا دانکہ جاں فربہ شود کار ناامید اینجا بہ شود

ترجمہ: ۱۔ اہلِ دل کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت گاہ ایک دسترخوان ہے اسے مت چھوڑیئے۔

۲۔ ہر طرف سے اندھے، لنگڑے، لُولے، لُنجے اور گدڑی پوش اس دسترخوان پر جمع ہوتے۔

۳۔ عیسیٰ علیہ السلام اس عبادت خانے سے باہر تشریف لا کر ان پر پھونک مارتے۔

۴۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنے اوراد و وظائف سے چاشت کے وقت فارغ ہو کر باہر تشریف لاتے۔

۵۔ جوق در جوق آئے ہوئے بیماروں کو دیکھتے جو امیدِ شفا کے لیے آپ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہوتے۔

۶۔ فرماتے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی آفت میں مبتلا ہونے والو! تمہاری حاجات اور مقاصد پورے ہو گئے۔

۷۔ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے شفایاب ہو کر شاداں و فرحاں گھر کو لوٹتے۔

۸۔ دل کے درد کے لیے اہلِ آبحیات سے تُو نے پانی پیا اور شفا ملی۔

۹۔ تُو نے اپنی بڑی آفات آزمائیں ان شاہوں سے تُو نے صحت پائی۔

۱۰۔ پھر حرص سے دل کی دوائیں لیں اور ہر دُکان پر پھرا۔

۱۱۔ چرب دیگوں دیگوں سے کچھ لینے کے لیے دوڑتا رہا۔

۱۲۔ یہ چرب لقمے ہیں کہ جس سے تیرا جسم موٹا ہو گیا اور یہاں پر ناامیدی سے امید ملی۔

معجزۂ عیسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ایک معجزہ یہ تھا کہ آپ کو والدہ ماجدہ ایک رنگریز کے پاس لے گئیں اور فرمایا کہ اے رنگریز! اسے رنگریزی کا کام سکھا دے۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ بی بی صاحبہ چلی گئیں۔ اس نے پُوچھا: آپ کا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم۔ اس نے کہا: اے عیسیٰ (علیہ السلام)! اس مشک کو اٹھا کر فلاں نہر سے پانی لاؤ اور ان تمام گھڑوں کو بھر دو۔ پھر رنگریز نے آپ کو چند کپڑے دیے اور کہا کہ ہر کپڑے کے رنگ کو ایک گھڑے میں ڈال دو۔ یہ کہہ کر وُہ چلا گیا تو عیسیٰ علیہ السلام نے تمام کپڑے اور رنگ ایک ہی گھڑے میں ڈال دیے اور والدہ کی خدمت میں چلے گئے۔ پھر کل اس رنگریز کے ہاں لوٹے رنگریز نے دیکھا کہ تمام کپڑے اور رنگ ایک ہی گھڑے میں ڈال دیے گئے ہیں تو سخت ناراض ہُوا اور کہا کہ آپ نے مجھے سخت نقصان پہنچایا اور لوگوں کے کپڑے بھی ضائع کر دیے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پُوچھا: تُو کس دین پر ہے؟ کہا: میں یہودی ہُوں۔ آپ نے اسے فرمایا: کہہ لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ۔ اس کے بعد گھڑے میں ہاتھ ڈال کر جس رنگ کا کپڑا چاہے اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رنگریز کو ہدایت بخشی تو جیسے چاہا ویسا رنگا ہوا کپڑا پایا۔

اِنَّ هٰذِهٖ هٰذہ کا اشارہ ملۃ توحید و اسلام کی طرف ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ ملت صحت و سداد میں روشن ہے اُمَّتُكُمْ اے لوگو! تمہاری ملت اس لائق ہے کہ اس کے حدود کی محافظت اور اس کے جملہ حقوق کی رعایت کی جائے۔ اس کے

کسی ایک حق میں بھی کمی نہ کی جائے اُمَّةً وَّاحِدَةً یہ اُمتکم سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی تم سب کی ملت ایک ہے کسی ایک نبی علیہ السلام کی ملت دوسرے انبیا علیہم السلام کی ملتوں سے مختلف نہیں اس لیے کہ وہ اصولِ توحید میں سب کے سب ایک تھے معمولی طور پر بھی ان کا ملت کے اصول میں اختلاف نہیں تھا البتہ مختلف اعصار اور لوگوں کے مختلف طبائع کی وجہ سے فروع و احکام ظاہرہ میں اختلاف تھا۔

حلِ لغات: قاموس میں ہے کہ اُمت ہر اس جماعت کو کہتے ہیں جس کی طرف رسول علیہم السلام مبعوث ہُوئے۔ دراصل اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو ایک دین پر مجتمع ہوئے پھر وسعت دے کر اس کا ملت پر اطلاق کیا جانے لگا۔ جس پر لوگ مجتمع ہو گئے ہوں۔ یہ ام سے مشتق ہے بمعنے قصد۔ اور وُہ جماعت چونکہ ملت پر اجتماع کا ارادہ رکھتی ہے اسی لیے اسے امّت سے تعبیر کیا گیا اور ملت پر اس لیے کہ وہ لوگوں کی مقصودہ ہے۔

وَاَنَا رَبُّكُمْ اور میں ہی تمہارا رب ہوں میرے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں فَاعْبُدُوْنِ پس صرف میری عبادت کرو میرے سوا اور کوئی عبادت کا وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ اس میں خطاب سے غائب کی طرف التفات ہے۔

حلِ لغات: القطع بمعنے کسی شے کو جدا کرنا مدرک بالبصر ہو جیسے اجسام یا مدرک بالبصیرۃ ہو، جیسے اشیأ معقولہ۔ اور تفعل کا باب یہاں متعدی ہو کر استعمال ہوا ہے۔ اور یہ باب متعدی ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

علمت الفقہ فتعلم الفقہ۔

(میں نے اسے فقہ کی تعلیم دی تو اس نے فقہ کو سیکھ لیا)

اب معنٰی یہ ہوا کہ لوگوں نے دین کے معاملات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس میں ایسا اختلاف برپا کیا کہ وہ آپس میں کئی فرقے بن گئے۔ گویا کہا گیا ہے کہ دیکھیے ان بیوقوفوں نے کتنا بڑا جُرم کیا کہ جس ملت پر تمام انبیأ متفق تھے انھوں نے اختلاف برپا کر کے آپس میں کئی گروہ ہو گئے۔ گویا ہر ایک جماعت نے دین کا ایک ٹکڑا علٰحدہ کر لیا۔ اس طرح سے ہر گروہ دین کا ایک علٰحدہ ٹکڑا لے بیٹھا اور پھر ایک دوسرے کو لعنت اور ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔

کاشفی نے لکھا کہ امم سابقہ کے لوگوں نے اپنی علٰحدہ علٰحدہ جماعت بنا ڈالی۔ یعنی فرقہ فرقہ ہو گئے، جیسے یہود و نصارٰی۔ اور ایک دوسرے کو کافر جانتے تھے۔

ف: ابراہیم علیہ السلام کے وصالِ مبارک کے بعد ان کی اُمت ستّر فرقوں میں، موسٰی علیہ السلام کی امت اکہتّر فرقوں میں، عیسٰی علیہ السلام کی اُمت بہتّر فرقوں میں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت تہتّر فرقوں میں بٹ گئی۔ سوائے ایک جماعت کے باقی سب جہنّم میں جائیں گے۔ وُہ جماعت وہ ہے جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معین کردہ عقائد و مسائل سے اتباعِ نفس میں سرِ مُو نہ ہٹے[1] (باقی برصفحہ ۱۷۶)

---

[1] دورِ حاضرہ میں یہ دولت اہلسنت و جماعت یعنی بریلوی احباب کو نصیب ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ○ وَحَرٰمٌ عَلٰى
قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ
يَّنْسِلُوْنَ ○ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا
فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ
لَهَا وٰرِدُوْنَ ○ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ
وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ○ لا
لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِىْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ○ ج لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ
وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَىِّ
السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ وَلَقَدْ
كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ○ اِنَّ فِىْ هٰذَا
لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ○ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ
اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ
اَدْرِىْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ○ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ○
وَاِنْ اَدْرِىْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ
الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○ ع

ترجمہ: سو جو کوئی نیک کام کرے اور وہ ایماندار ہو تو اس کی محنت کی ناقدری نہ ہوگی اور ہم اسے
لکھ رہے ہیں۔ اور جن دیہاتوں کو ہم نے تباہ کیا ان پر حرام کہ وہ واپس لوٹیں یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج
کھولے جائیں گے اور وہ ہر اونچان سے ڈھلکتے ہوں گے۔ اور سچا وعدہ قریب آگیا تو یکدم کافروں کی
آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی (کہتے ہوں گے) ہائے ہماری کم بختی بیشک ہم اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم
ظالم تھے بیشک تم اور اللہ کے سوا جن کو تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو تم نے اس میں داخل ہونا ہے
اگر یہ معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے اور تم سب اس میں ہمیشہ رہو گے ان کا آپس میں رینگنا ہوگا اور
وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے اور وہ لوگ جن کے لیے ہمارا نیک وعدہ ہو چکا تو وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔
اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور اس میں وہ اپنی من مانی خواہشات میں ہمیشہ رہیں گے سب سے بڑی گھبراہٹ
انھیں غم میں نہ ڈالے گی اور ملائکہ ان کا استقبال کریں گے (کہیں گے) یہ وہ تمہارا دن ہے جس کا تم وعدہ

دنے جاتے تھے۔ اس دن ہم آسمان کو ایسے لپیٹیں گے جیسے سجل (فرشتہ) اعمالنامے لپیٹتا ہے جیسے ہم نے پہلی تخلیق میں اس کی ابتدا کی تھی ویسے ہی دوبارہ کریں گے۔ یہ وعدہ ہے ہمارے ذمہ ہم اسے ضرور کریں گے اور بیشک ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھا کہ بیشک زمین کے مالک میرے نیک بندے ہیں بیشک اس میں عبادت گزار لوگوں کے لیے کفایت ہے اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت۔ فرمائیے مجھے یہ وحی کی جاتی ہے کہ بیشک تمہارا معبود صرف ایک اللہ ہے۔ تو کیا تم مانتے ہو۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو فرمائیے میں نے تمہیں نہایت واضح اعلان کر دیا اور جس کا تمہیں دیا جاتا ہے اسے میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے یا بعید۔ تمہاری پکاری ہوئی اور چھپی ہوئی بات کو اللہ جانتا ہے مجھے کیا معلوم شاید وہ تمہاری آزمائش ہو اور ایک وقت تک نفع پہنچانا۔ کہا (نبی علیہ السلام نے) اے میرے پروردگار! حق فیصلہ فرمائیے۔ اور ہمارے رب رحمٰن کی مدد چاہیے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو۔

(بقیہ تفسیر صفحہ ۱۷۴) كُلٌّ إِلَيْنَا تمام گروہ ہمارے ہاں رَاجِعُونَ لوٹیں گے۔ یعنی قیامت میں انہیں قبور سے نکال کر حساب کے لیے ہمارے ہاں حاضر کیا جائے گا پھر ہم انھیں ان کے اعمال کی جزا و سزا دیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مخلوق اپنے معاملات میں متفرق ہوئی۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے دنیا چاہی اور بعض نے آخرت طلب کی اور بعض طالب مولیٰ ہوئے کل الینا راجعون تمام ہمارے ہاں حاضر ہوں گے تو پھر طالب دنیا تو ہمارے قہر کا نشانہ بنے گا اور اسے جہنم میں دھکیلا جائے گا اور آخرت کے طالب کو لطف و کرم کا مورد بنایا جائے گا یعنی اسے بہشت نصیب ہوگی اور طالب مولیٰ کو ہماری وحدانیت نصیب ہوگی۔

(تفسیر آیات صفحہ ۱۷۵)

تفسیر عالمانہ

ربط: آیت میں مذکورہ بالا اعمال کی جزا و سزا کی تفصیل بتائی جائے گی۔ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ پس وہ جو بعض اعمال صالحہ بجالاتا ہے وَهُوَ مُؤْمِنٌ درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ تو اسے اعمال صالحہ کی جزا میں محروم نہیں رکھا جائے گا۔ کفران کو عمل صالح کی جزا کی منع سے استعارہ کیا گیا ہے جیسے اس کی جزا کو شکر سے تعبیر کیا جاتا ہے گویا رد العمل اور منع ثواب کو کفران سے تشبیہ دی گئی ہے جو نعمت کے چھپانے اور انکار کے معنے میں آتا ہے۔ اسی طرح قبول عمل اور اعطائے ثواب کو شکر سے تشبیہ دی جاتی ہے کما قال: ربنا لغفور شکور۔ اور السعی تیز چلنے کو کہا جاتا ہے جو عدو یعنے دوڑنے سے کم ہوتا ہے۔ کسی کام میں جدوجہد کو سعی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وہ کام اچھا ہو یا بُرا لیکن اسے اکثر افعالِ محمودہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ اور ہم اس کی سعی کو اس کے عمل نامہ میں لکھ دیں گے اس کی سعی کا کوئی حصہ بھی نہیں رہنے دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ دونوں جہانوں میں محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۔ حرام، لا یرجعون کی خبر ہے۔ یہ سابق جملہ کل الینا راجعون کے مضمون کی تقریر کے لیے ہے۔

حلِ لغات: حرمان کا لفظ ممتنع الوجود کے لیے ہے یعنی دونوں ان کے لیے ممتنع الوجود ہیں اور انھیں ان سے کسی قسم کی امید نہ رکھنی چاہیے۔ اور القریۃ بڑے شہر کو کہا جاتا ہے (کذا فی القاموس) اور ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگوں کا اجتماع ہو۔ (کذا فی المفردات)

یعنی قریہ کا اطلاق بڑے شہر اور بستی دونوں پر ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ لفظ حرام سے نفی کا معنیٰ مستفاد ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو شہر اور بستیاں عذابِ الٰہی سے تباہ و برباد ہوئیں وہ ہمارے ہاں جزا کے لیے حاضر نہیں ہوں گی بلکہ ان کے لیے جہنم لازم ہو چکی ہے۔ اس سے یہ معنیٰ ثابت نہیں ہوگا کہ قیامت میں وہ سرے سے اٹھیں گے بھی نہیں۔

سوال: عدمِ رجوع میں صرف ان کی تخصیص کیوں، حالانکہ یہی معاملہ تو ہر ایک کافر سے ہوگا۔

جواب: چونکہ صرف وہی قیامت کی حاضری کے منکر تھے اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے ہوا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ ہوا و اہلِ بدعت (اعتقادی) کے قلوب گندے اعتقادات کی وجہ سے تباہ و برباد ہیں اور مخالفاتِ شرع کی وجہ سے ویران ہیں اور وہ ان غلط اعتقادیوں سے توبہ کر کے رجوع الی اللہ بھی نہیں کرتے۔ اس مضمون کی تائید افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ و اضلہ اللہ علی علم سے بھی ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ ۔ حتّٰی جارہ ہے نہ عاطفہ بلکہ ابتدائیہ ہے اور یہ وہ ہے کہ اس سے اس کلام کا آغاز کیا جاتا ہے جو ماقبل کے مضمون کی غایت پر دلالت کرے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنی ہلاکت پر مداومت کریں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہوگی پھر کہیں گے یاویلنا الخ۔ یاجوج و ماجوج انسانوں کے دو قبیلوں کا نام ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ انسان کے دس اجزاء میں سے مکمل نو حصے یاجوج و ماجوج ہیں صرف ایک حصہ باقی عام انسان ہیں۔ فتحت سے سدِ سکندری کا کھولنا مراد ہے گویا یہاں مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت سدِ یاجوج و ماجوج تھی۔ مضاف الیہ اسی محذوف مضاف کے قائم مقام ہے یاجوج ماجوج اور سدِ سکندری اور ان کا قربِ قیامت میں ظاہر ہونے کی تفصیل ہم نے سورہ کہف کے آخر میں عرض کر دی ہے۔ وَهُمْ اور درانحالیکہ وہ یاجوج ماجوج مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۔ حدب اونچی زمین اور ٹیلے کو کہا جاتا ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ حدب دراصل پیٹھ کے باہر نکلنے اور سینے اور پیٹ کے اندر گھس جانے یعنی کُبڑے ہونے کو کہتے ہیں۔ اس معنیٰ سے زمین کی اونچائی کو تشبیہ دی گئی ہے اور محدب الفلک

کو بھی اسی معنے سے لیا گیا ہے۔ اور ینسلون بمعنے ینزلون سارعین یعنی جلدی سے اُتریں گے۔ در اصل نسل بمعنی الخطو مع الاسراع۔ اور بحر العلوم میں ہے کہ نسل الذئب۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بھیڑیا چلنے میں جلدی کرے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یاجوج ماجوج لوگوں کی طرف ہر اونچی جگہ سے اتر کر زمین پر چلتے ہوں گے۔ چنانچہ جب وُہ نکلیں گے تو تمام عالم کو لے لیں گے اور تمام دریاؤں کا پانی پی جائیں گے اور دنیا کی تمام خشک اور تر چیزیں کھا جائیں گے۔ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ اس کا عطف فتحت پر ہے اور اس سے نفخۂ ثانیہ کا وقت مراد ہے اس لیے کہ اسی نفخۂ ثانیہ کے بعد ہی قبروں سے اٹھنا اور حساب دینا اور جزا و سزا پانا ہوگا۔ فَاِذَا ھِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یہ جواب ہے شرط کا، اور اذا مفاجاتیہ ہے اور ضمیر قصہ کی ہے اور شاخصة ' ابصار الذین الخ کی خبر مقدم ہے اور جملہ ضمیر قصہ کی خبر اور اس کی تفسیر ہے۔

حلِ لغات: شخص بصرہٗ فھو شاخص اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی دونوں آنکھیں کھول دے اور پھر انھیں جھپکنے نہ دے بلکہ انھیں کھلا رکھے۔ اور شخص شخوصاً بمعنے ارتفع۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ قیامت میں کفار کی حالت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں حیران اور کُھلی رہیں گی۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد فوراً قیامت قائم ہوجائے گی۔

حدیث شریف مروی ہے کہ یاجوج ماجوج کے خروج کے بعد گھوڑے پر زین رکھنے کے بعد اس پر سوار ہونے کا وقت بھی نہیں ملے گا کہ قیامت قایم ہوجائے گی۔

سوال: اقترب الوعد الحق اور سدِ سکندری کا کُھلنا دنیا کے آخری ایام میں اور جزا اور شخوص ابصار الکفار قیامت کے میدان میں ہوگا اور یہ دونوں شرط وجزا، اور شرط وجزا کا ایک وقت ہونا ضروری ہے اور یہاں وقت کا اتحاد نہیں۔

جواب: درمیانی وقت کا تفاوت کالعدم قرار دیا گیا ہے۔

یٰوَیْلَنَا یہاں یقولون فعل محذوف ہے اور الذین کفروا سے حال ہے۔ گویا عبارت یُوں ہے: یقولون یٰویلنا تعال فھذا اوان حضورک۔ یعنی کافروں کا حیرانی کے عالم میں یہ حال ہوگا کہ وہ کہیں گے کہ اے ویل! آجا۔ یہی تیری حاضری کا وقت ہے۔ قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ بیشک ہم دنیا میں بہت بڑی غفلت میں تھے۔ قلت تحفظ و تیقظ سے سھو کے طاری ہونے کو غفلت کہا جاتا ہے مِّنْ ھٰذَا اس حاضری اور جزا سے، اور ہمیں اس کی حقانیت کا یقین نہیں آتا تھا بَلْ کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ماقبل کی صفت سے اعراض ہے یعنی آیات اور عذابِ الٰہی سے ڈرنے والوں کی باتوں کی طرف التفات نہ کرکے نہ صرف غفلت کا شکار ہوئے بلکہ ان آیات کو ٹھکرا کر اپنے نفسوں پر بہت ظلم کیا کہ اپنے آپ کو عذابِ الٰہی کے سپرد کر دیا اور تکذیب کی وجہ سے ہمیں دائمی عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

سبق: اس سے عاقل کو فکر کرنا لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کیسی بہترین نصیحت فرما کر اپنے عذاب سے بچانے کے اسباب بتائے ہیں۔

حدیث قدسی قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جن وانس! میں نے دنیا میں تمہیں بہت نصیحت کی لیکن تم نے جو کچھ کیا یہ تمہارے اعمال نامے ہیں جو نیکی پائے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے کہ اس نے اسے نیکی کی توفیق بخشی۔ اگر برائی پائے تو وہ اپنے نفس پر ملامت کرے۔

حکایت کسی حکیم نے لوگوں سے سُنا کہ کچھ لوگ میّت کا جنازہ اٹھائے گورستان کی طرف لیے جا رہے تھے اور اس کے لیے رحمت و شفقت کی باتیں کرتے جاتے تھے۔ حکیم نے فرمایا: اے بندگانِ خدا! اپنے نفسوں پر رحم کرو وہی تمہارے لیے بہتر ہے وہ تو مرگیا اور تین تکالیف سے جان چھڑا گیا:

۱۔ ملک الموت کا دیکھنا

۲۔ موت کا کڑوا پن

۳۔ خاتمہ کا خوف

اب تم اپنی فکر کرو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ خبرداری ای استخوانی قفس
کہ جان تو مرغیست نامش نفس

۲ چو مرغ از قفس رفت بگسست قید
دگر رہ نگردد بسعی تو صید

۳ سر از جیب غفلت بر آور کنون
کہ فردا نماند بخجلت نگون

۴ اگر مرد مسکین زبان داشتی
بفریاد و زاری فغان داشتی

۵ کہ ای زندہ چون ہست امکان گفت
لب از ذکر چون مردہ برہم مخفت

۶ چو ما را بغفلت بشد روزگار
تو باری دمی چند فرصت شمار

ترجمہ: ۱۔ اے ہڈیوں کے پنجرے میں پھنسنے والے! تجھے معلوم بھی ہے کہ تُو ایک پرندہ ہے اس کا نام نفس ہے۔
۲۔ جب یہ مُرغ تیرے پنجرے کی قید سے آزاد ہو گیا تو پھر وہ تیری کوشش کے باوجود دوبارہ تیری قید میں نہ آئے گا۔
۳۔ ابھی وقت ہے غفلت سے سر باہر کر، ورنہ قیامت میں خجلت سے جُھک جائے گا۔

۴۔ اگر مردہ مسکین زبان رکھتا تو فریاد و زاری اور فغان سے کہتا۔

۵۔ اے زندہ! اب تیرے لیے بولنے کا امکان ہے فلہٰذا مُردے کی طرح زبان بند کر کے نہ سو۔

۶۔ ہمارا غفلت سے وقت گزر گیا تُو اپنے وقت کی فرصت کو غنیمت سمجھ۔

اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اے اہلِ مکہ! تم اور تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کرتے ہو۔

ف: عیسیٰ و عزیر و ملائکہ علیہم السلام اس میں شامل نہیں اس لیے کہ لفظ ما غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔

حَصَبُ جَهَنَّمَ بفتح المهملتين اس شے کو کہا جاتا ہے جو آگ میں ڈالی جائے تو آگ میں جوش پیدا ہو جائے حصبہ سنے سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شے کو کنکر ماری جائے۔ یہ صرف اس وقت بولا جاتا ہے جب آگ کے اندر ہو ورنہ آگ سے باہر اس کا نام لکڑی، درخت، پتھر وغیرہ ہوگا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم آگ کا ایندھن بنائے جاؤ گے اور تم آگ میں پڑ کر راکھ ہو جاؤ گے۔ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ تم اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو گے۔ خطاب اہلِ مکہ اور ان کے معبودوں کو بھی ہے اگرچہ وہ غیر عاقل ہیں لیکن تغلیباً انھیں عقلاً میں داخل کر کے انھیں مخاطب کیا گیا ہے۔

نکتہ: تبیان میں ہے کہ بُتوں کو آگ میں ڈالنے سے بُت پرستوں کے عذاب دینے میں اضافہ مطلوب ہے اس لیے کہ بتوں کے ڈالے جانے سے آگ بھڑک اُٹھے گی اور اس کی گرمی میں اضافہ ہوگا جیسے آگ میں مزید ایندھن ڈالنے سے آگ کی گرمی میں اضافہ ہوتا ہے۔ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اگر یہ تمہارے بُت ہوتے اٰلِهَةً معبود، جیسے تم گمان کرتے تھے مَّا وَرَدُوْهَا تو وہ دوزخ میں داخل نہ ہوتے ان کا دوزخ میں داخل ہونا بالبداہتہ دلالت کرتا ہے کہ وہ عبادت کے مستحق نہیں وَكُلٌّ وہ تمام بُت اور بُت پرست فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اسی جہنّم میں ہمیشہ رہیں گے اس سے انہیں کبھی بھی نجات نصیب نہ ہوگی لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ ان کے لیے جہنّم میں چلانا ہوگا۔ زفیر بمعنے اتنا سانس کھینچنا کہ پسلیاں پھول جائیں وُہ جہنّم میں روئیں گے اور چلائیں گے اور دھاڑیں ماریں گے اگرچہ چیخنا چلاّنا صرف بُت پرستوں سے ہوگا بُتوں کی طرف تغلیباً منسوب ہے۔ وَهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ اور وُہ جہنّم میں ایک دُوسرے کا چیخنا چلاّنا نہیں سُن سکیں گے شدّتِ ہول یا عذاب کی سخت گھبراہٹ کی وجہ سے۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انھیں جہنّم کے صندوقوں میں بند کر کے وہ صندوق ایک دوسرے کے اُوپر رکھے جائیں گے۔ اس وجہ سے نہ وہ ایک دوسرے کے عذاب کو دیکھ سکیں گے نہ ایک دوسرے کی چیخ و پکار سُن سکیں گے۔ (العیاذ باللہ)

ربط: آنے والی آیات میں کفار کے اضداد یعنی اہلِ ایمان اور ان کی جزا کا بیان ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى الحسنیٰ ہر وہ نیک خصلت جو تمام خصلتوں سے احسن ہو۔ یعنی سعادۃ اس سے تمام اہلِ ایمان مراد ہیں جنہوں نے عمل صالح میں زندگی بسر کی۔ یا اس سے وہ خوشخبری مراد ہے جو انھیں عمل صالح کے ثواب کے لیے سنائی جائے گی یعنی بیشک وُہ لوگ جن کے لیے سبقت کر چکی ہے ہماری طرف سے نیکی کہ سعادت اور توفیق طاعت

کا مژدہ بہار ہے أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ وہی لوگ جن کی ابھی تعریف اور مدح کی گئی ہے دوزخ سے دُور کیے ہوئے ہیں کیونکہ یہ بہشت میں ہوں گے۔ اور بہشت و دوزخ کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔ بہشت اعلیٰ علیین میں اور دوزخ اسفل السافلین میں ہے۔

ف : صاحبِ بحر نے لکھا ہے کہ سبقت سے مراد وہ عنایت ازلیہ ہے جو ابتدا میں موجب ظہور ولایت ہوئی اور انتہا میں باعث درستی ہوگی ؎

ہر تخم کہ در ازل بکشتند نہاں
در مزرعہ ابد بروید عیاں

ترجمہ : جو دانہ ازل میں پوشیدہ بویا گیا وہ ابد کی کھیتی میں کھلم کھلا ظاہر ہوگا۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ اہلِ صفا کو جو حسن ظاہری عنایت ازلیہ سے نصیب ہوا اس کی چار قسمیں ہیں :

۱۔ کونین سے منفرد ہونا۔
۲۔ دارین سے فراغت پاکر لقائے الٰہی پر راضی ہونا۔
۳۔ حرمت و ادب میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر زندگی بسر کرنا۔
۴۔ فراسات صادقہ اور کرامات ظاہرہ کے ساتھ ان سے قدرتِ الٰہی کے انوار کا ظاہر ہونا۔

اللہ تعالیٰ سے جو باطنی حسن انہیں نصیب ہوا وہ بھی چار قسم کا ہے :

۱۔ مواجید ساطعہ
۲۔ انفتاح علوم غیبیہ[1]
۳۔ مکاشفات قائمہ
۴۔ معارف کاملہ

اور یہ ہر چاروں اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ جہاں نمودار ہوتے ہیں اپنے مظہر (ولی کامل) کو آفاق میں صدیقین کی نشانیوں والے نام سے مشہور کرتا ہے بلکہ انھیں اہل آفاق مقربین کی علامات اور خلافت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل سے پکارتے ہیں۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ الحسنیٰ سے عنایت و اختیار و ہدایت و عطا و توفیق مراد ہے۔ عنایت سے کفایت اور اختیار سے رعایت اور ہدایت سے ولایت اور عطا سے حکمت اور توفیق سے استقامت نصیب ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

---

[1] یہ مراتب وہابیہ کو کہاں نصیب، انھیں تو ان کا علم بھی نہیں، اس لیے ایسے اہلِ مراتب کو برا سمجھتے ہیں اور ان کے معتقدین کو مشرک۔ میں انہیں کہا کرتا ہوں کہ تم نے تو یہ درس گاہیں دیکھی ہی نہیں ۱۲ اویسی غفرلہ

۱ نخست او ارادت بدل بر نہاد
پس بندہ بر آستان سر نہاد

۲ چہ اندیشی از خود کہ فعلم نکوست
ازاں درنگہ کن کہ توفیق اوست

۳ برد بوستاں بان بایوان شاہ
بتحفہ ثمر ہم ز بستان شاہ

ترجمہ : ۱۔ پہلے اس کریم نے بندے کے دل میں خیال ڈالا، پھر بندے نے سر اس کے آستان پر رکھا۔
۲۔ تو نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ تُو نے یہ نیک کام کیا اس بارگاہ کو دیکھ جس نے تجھے توفیق بخشی۔
۳۔ باغ سے بادشاہ کا باغبان پھول لے گیا، تحفہ بھی اسی کا، باغ بھی اسی کا۔

لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا۔ الحسیس ہر وُہ آواز جو محسوس ہو سکے اگرچہ معمولی طور پر۔ یعنی اہلِ بہشت دوزخ والوں کی معمولی آواز بھی نہیں سُنیں گے کیونکہ وہ اعلیٰ علیین میں ہوں گے اور دوزخ والے اسفل السافلین میں۔ پھر عادۃً دور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اہلِ بہشت بہرے ہو جائیں گے کہ کوئی آواز بھی نہیں سُن سکیں گے۔

نکتہ : حق یہ ہے کہ اہلِ بہشت کے لیے دوزخ کے آگے پردے لٹکائے جائیں گے تاکہ ان کے جھانک کر دیکھنے سے جہنم کی آتش ٹھنڈی نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: جہنم اہلِ ایمان سے عرض کرے گی کہ اے مومن! جلدی سے چل دیجیے کیونکہ آپ کے نور کے جلووں نے میرے شعلوں کو بجھا دیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ز آتش مؤمن ازیں رو اے صفی
میشود دوزخ ضعیف و منطفی

۲ گویدش بگزر سبک اے محتشم
ورنہ ز آتشہا ے تو مرد آتشم

ترجمہ : ۱۔ مومن کی صفائی اور روشنی سے آتشِ دوزخ کمزور پڑ جائے گی بلکہ بُجھ جائے گی۔
۲۔ عرض کرے گی اے حشمت والے! جلدی گزر جائیے ورنہ تیری آتش سے میری آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سبق عنایت ازلیہ کے آثار سے ایک نشان یہ ہے کہ اہلِ ایمان جہنم میں قہرِ الٰہی کی آواز تک بھی نہیں سُن سکتے۔ یعنی ان کے کانوں تک اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت کی باتیں نہیں پہنچتیں اور نہ وہ فلاسفہ کے دلائل عقلیہ (کہ جن میں وہم و خیال اور ظلمت طبعیہ کی ملاوٹ ہوتی ہے) سنتے ہیں۔

وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ اور وہ جس چیز کی آرزو کریں گے ان کے دل ہمیشہ رہیں گے یعنی نہایت درجہ کی نعمتوں اور خواہشات اور نفس کی طلب کی لذت میں ہوں گے بہشت میں جو چاہیں گے پائیں گے۔ ظرف کی تقدیم قصر واہتمام کے لیے ہے پہلے ان کے مہالک سے نجات پانے کو بیان کیا گیا پھر ان کے مطالب کی کامیابی کو بیان فرمایا ہے۔

ف: نفس وقلب و روح تینوں کی اپنی اپنی خواہش ہوتی ہے بہشت میں تینوں کی خواہشات کو پُورا کیا جائے گا۔ مثلاً ارواح کی خواہش قربِ الٰہی، قلوب کی خواہش مشاہدۂ ربّانی اور رویتِ حق، اور نفوس کی خواہش شہوت راحت و اکل و شرب وزینت سے لذت پانا۔ بفضلہٖ تعالیٰ ان تینوں کی خواہشات کو بہشت میں مکمل طور پر پُورا کیا جائے گا۔ (کذا قال ابن العطاء)

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ پہلے بیان کیا گیا تھا کہ اہلِ جنت دوزخ سے نجات پاکر بہشت میں جائیں گے اب خوشخبری دی جا رہی ہے کہ انھیں قیامت کی ہر طرح کی گھبراہٹوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا کہ انھیں قیامت کی سب سے بڑی گھبراہٹ بھی غمگین نہیں کرے گی جب وُہ بڑی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے تو چھوٹی چھوٹی گھبراہٹوں سے ان کا دُور ہونا اور زیادہ ضروری ہوگا۔

حلِ لغات: الفزع بمعنے منقبض ہونا۔ اور انسان پر کسی ڈراؤنی شے کی وجہ سے ایک کیفیت کے طاری ہونے کا نام ہے، جسے ہم گھبراہٹ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی لیے فزعت من اللّٰہ کہنا ناجائز ہے۔ ہاں اس سے ڈرنے کے لیے خفت منہ کہنا مناسب ہے۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الفزع الاکبر سے دخول نار کی گھبراہٹ مراد ہے۔

بعض دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وُہ وقت مراد ہے جب موت کو بھیڑ کی صورت میں اہلِ بہشت و اہلِ دوزخ کے سامنے ایک بلندی پر کھڑا کر کے ذبح کریں گے (اور ندا آئے گی اے دوزخیو! تمہیں دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اب کے بعد کوئی موت نہیں۔ اس سے دوزخی گھبرا کر چلائیں گے اور بہشتی خوش ہوں گے) بعض نے کہا اس گھبراہٹ سے وُہ وقت مراد ہے جب اہلِ دوزخ پر دوزخ کے طبقات ہمیشہ کے لیے ڈالے جائیں گے جبکہ سزا یافتہ لوگوں کو نکال کر بہشت میں بھیجا جائے گا۔ اس سے اہلِ دوزخ کو بہت گھبراہٹ ہوگی کہ اس کے بعد انھیں دوزخ سے نکلنے کی امید مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔ بلکہ اہلِ دوزخ کے لیے یہی سب سے بڑی گھبراہٹ ہوگی۔

تفسیر صُوفیانہ اہلِ حقیقت یعنی صوفیاء کرام نے فرمایا کہ اس گھبراہٹ سے اللّٰہ تعالیٰ کا وہ ارشادِ گرامی ہے۔ جو اس نے ازل میں فرمایا کہ:

ھٰؤلاء فی الجنۃ ولا ابالی۔ یعنی یہ گروہ بہشتی ہے اور مجھے کوئی پروا نہیں۔

اس لیے کہ اولیاء اللّٰہ بہشت میں جانے سے اس لیے مطمئن ہوں گے کہ وہاں بارگاہِ حق کا قُرب نصیب ہوگا۔ کما قال:

وادخلی جنتی ۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو عارفین کبھی بہشت کی آرزو نہ کرتے ۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

تفسیر عالمانہ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اور قبور سے نکلنے کے وقت اہلِ ایمان کے استقبال کے لیے رحمت کے فرشتے حاضر ہو کر مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہیں گے هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ یہ وہی دن ہے جس کے لیے كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ دنیا میں تمہیں وعدہ دیا گیا تھا ۔ ملائکہ کرام مبارکباد دے کر انہیں ایمان و طاعت کی جزائے خیر کی مختلف قسم کی خوشخبریاں سنائیں گے ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ عابدوں کو مژدہ ہوگا کہ یہی تمہاری عبادت کی جزا کا دن ہے اور عارفین کو خطاب الٰہی نصیب ہوگا کہ یہی تمہارے تماشا کا دن ہے ؎

۱ نیک مردا نرا نعیم اندر نعیم
عشق بازا نرا لقا اندر لقا

۲ حصۂ آنہا وصال حورعین
بہرۂ اینہا جمال کبریا

ترجمہ : ۱ ۔ نیک مردوں کو نعمتیں ہی نعمتیں ملیں گی اور عاشقوں کو دیدار سے سرشار کیا جائے گا ۔

۲ ۔ ان کا حصہ حور عین کا وصال اور ان کا حصہ جمالِ کبریا ہوگا ۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ طاعات میں جدوجہد کرے تاکہ اسے قربِ الٰہی نصیب ہو ۔ اس پر لازم ہے کہ نفس کو مخالفتِ حق سے دُور رکھے تاکہ اس کی سزا کا مستحق نہ بن جائے ۔

فائدہ صوفیانہ دارِ آخرت اور اس کا اجر و ثواب دنیا اور اس کے نقش و نگار کے ترک سے نصیب ہوتا ہے لیکن وصالِ حق اور دیدارِ الٰہی کونین کے ترک سے ، جو شخص جنت اور نعمتوں کی لذتوں کا خواہشمند ہے اسے دنیا کی لذتوں سے پرہیز لازمی ہے اور جو مشاہدۂ حق کا طالب ہے اسے غیر اللہ سے نظر و التفات ہٹانا واجب ہے ۔ اسی لیے شیخ اکبر قدس سرہ نے الفتوحات المکیہ میں لکھا کہ تمام اہلِ ملت کا اجماع ہے کہ دنیا میں زہد ضروری ہے اور دُنیا سے فارغ البال ہونا ہر عقلمند کے لیے لازم ہے تاکہ ان خرابیوں میں مُبتلا نہ ہو جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو ڈرایا ہے کما قال : انما اموالکم واولادکم فتنۃ ۔

حضرت شیخ عبدالوہاب شعراوی قدس سرہ نے فرمایا : رہبانیت (اگرچہ مذموم سہی) لیکن اس میں چند فوائد ہیں کہ راہب ذخیرہ اندوز نہیں ہوتا اور نہ ہی وُہ سونا چاندی جمع کر کے خزانہ بنانا ہے ۔

حکایتِ راہب کسی نے ایک راہب سے عرض کی کہ اس سکہ کو دیکھ کر بتایئے کہ کس بادشاہ کا مُہر شدہ ہے ۔

راہب نے جواب دیا کہ ہمیں دُنیا کی ہر شے کو دیکھنے کی بھی ممانعت ہے۔

حکایت دیگر ہم نے راہبوں کو دیکھا کہ وُہ کسی کو اپنے عبادت خانے سے گھسیٹ کر باہر نکال رہے تھے۔ ہم نے سبب پُوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس نامراد نے پگڑی میں چند دراہم باندھے ہوئے ہیں۔ اس نے ہماری طبیعتوں کو منغص کیا ہے۔ ہم نے پُوچھا: کیا پگڑی میں روپے پیسے رکھنا بُری عادت ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ یہ نہ صرف ہمارے مذہب میں مذموم ہے بلکہ تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی قبیح امر ہے۔

ف: حکماء نے فرمایا کہ بہشت ہر اس بندۂ خدا کو نصیب ہوگی جس نے دنیا میں راحت کی بُو تک نہ سونگھی۔ اور غناء بھی اسے نصیب ہوگا جس نے دنیا میں دولت کا منہ نہ دیکھا۔ اور امن اسے نصیب ہوگا جس نے دنیا میں فضول اور واہیات امور سے پرہیز کیا ہوگا اور بالکل معمولی رزق پر اکتفا کیا ہوگا۔ وہ بہشت میں نہایت سکون اور قرار سے ہوں گے جنہیں دنیا کی گھبراہٹ اور خوف نے گھیر رکھا ہوگا ۔

لا تخافوا ہست نزل خائفان
ہست در از برائے خائف آن

ترجمہ: خائفین کی مہمانی لا تخافوا ہے۔ اسی لیے وُہ اللہ تعالیٰ سے خائف رہتا ہے۔

ف: وفیہا ماتشتھی الانفس کا مزہ اسے نصیب ہوگا جس نے دنیا میں زہد و قناعت سے زندگی بسر کی ہوگی۔

حکایت کسی زاہد کو دیکھا گیا کہ وہ صرف ساگ کے پتّے سے نمک ملا کر اسے تناول فرما رہا تھا اس کے پاس روٹی بھی نہیں تھی اور نہ دوسری غذا۔ کسی نے کہا: برادر! صرف ساگ کے پتّے اور نمک، یہ کیوں؟ زاہد نے جواب دیا کہ میں نے دنیا کے عیش کے عوض دارِ آخرت کا عیش خریدا ہے اور تم قیمتی اور نہایت لذیذ چیزیں کھا کر ٹٹی خانے پُر کرتے ہو اور میں صرف اتنا کھاتا ہوں کہ جس سے طاعتِ الٰہی ادا کر سکوں تاکہ بہشت کا مستحق ہو سکوں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے فیض و جود اور طریق شہود کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ یہ اذکر کی وجہ سے منصوب ہے اور طیّ، نشر کی نقیض ہے۔ یعنی یاد کرو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! وُہ دن کہ ہم آسمانوں کو لپیٹ لیں گے **كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ** طی بمعنے صحیفہ یعنی طومار کی طرح لپیٹنا۔ للکتب پر۔ یہ محذوف کے متعلق اور سجل سے حال ہے۔ یہ عبارت در اصل کائناً للکتب تھی اور کتب سے صحائف (اور جو ان کے اندر مکتوب ہے) اور سجل سے ان کے بعض اجزا مراد ہیں در حقیقت طی اسی کے متعلق ہے۔

ف: امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمد بن حسن مقری سے مذکور ہے وُہ مفسرین کی ایک جماعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ السجل ایک فرشتے کا نام ہے جو تیسرے آسمان پر ہے اور تمام بندوں کے اعمال اسی کے ہاں جمع ہوتے ہیں یعنی تمام ملائکہ حفظہ (کراماً کاتبین) بندوں کے اعمال لکھ کر اسی فرشتے کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور کراماً کاتبین کی

حاضری اس فرشتے کے ہاں خمیس اور سوموار کے دن ہوتی ہے۔ اور ہاروت وماروت اسی سجل فرشتے کے اعوان سے ہیں۔

اعجوبہ ۱ سنن ابی داؤد میں ہے کہ سجل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔ لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ سوائے اس حدیث کی کتاب کے کسی اور حدیث کی کتاب میں یہ روایت نہیں ملتی۔

اعجوبہ ۲ انسان العیون میں ہے کہ قرآن مجید میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ تھے) کے سوا کسی صحابی کا نام صراحۃً نہیں ہے۔ جیسے عورتوں میں قرآن مجید میں سوائے بی بی مریم رضی اللہ عنہ کے اور کسی کا نام صراحۃً نہیں۔

ف: سنن ابی داؤد کی طرح ابن الجوزی نے بھی لکھا ہے کہ سجل کے متعلق بعض تفاسیر میں مروی ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب کا نام ہے اور کطی السجل للکتب الخ میں وہی کاتب نبوی مراد ہے۔

اور قاموس میں بھی لکھا ہے السجل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب اور ایک فرشتے کا نام ہے۔

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهٗ ما کافہ ہے جو کاف کو عمل سے روکتا ہے اور وہ بدأنا کا مفعول اول ہے۔ یعنی ہم انھیں مرنے کے بعد ابتداءً لوٹائیں گے جیسے انھیں عدم سے پہلی بار لوٹایا تھا کہ اس وقت نہ کوئی مادہ تھا نہ کسی کی مدد۔

سوال: مرنے کے بعد ایک ہڈی باقی رہتی ہے اس سے انسانی ڈھانچہ تیار ہوگا، اور یہ آیت اس قاعدہ کے خلاف ہے۔

جواب: خلاف نہیں اس لیے کہ آیت کا مفہوم یہی ہے کہ تخلیقی امور میں اللہ تعالیٰ کسی شے کو سبب کے بغیر پیدا کرنے پر قادر ہے اور اسی قدرت کا یہاں بیان ہے اور وہ ہڈی انسانی تخلیق ثانی کا سبب نہیں بلکہ اسے صرف انسان کی کمزوری اور ضعف کے اظہار کے لیے باقی رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تخلیق انسانی ثانی پر قدرت رکھتے ہیں جیسے اس کی تخلیق اول میں ہم کسی کے محتاج نہیں ہوئے تو اس کے مرنے کے بعد لوٹانے میں بھی کسی کی مدد نہیں چاہیں گے۔

وَعْدًا ہم نے ان کے آخرت میں لوٹانے کا وعدہ کیا ہوا ہے **عَلَيْنَا** اس کا پورا کرنا ہمارے ذمۂ کرم ہے فلہذا ہم اسے پورا کرکے دکھائیں گے۔ **اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ** یعنی ضرور بالضرور ہم اسے پورا کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہما وجود انسانی کو صفت جلال کی تجلی سے انتہاءً سے ابتداءً تک مراتب وجود میں فانی کرنے میں لپیٹنا ہے جیسے اس کی تخلیق اول کی ترتیب تھی کہ پہلے نطفہ تھا پھر علقہ ہوا، اس کے بعد مضغہ بنا، پھر ہڈیوں سے مرکب ہو کر انسانی صورت میں مکمل ہوا یا ایسے ہی اسے عالم بطون میں پہلے اسے صفات نباتیہ سے، پھر وصف مرکبیہ سے، پھر وصف مفردات عنصریہ سے، پھر وصف ملکوتیہ سے، پھر رحمانیہ سے، پھر روحانیہ سے، پھر جذبۂ ارجعی الی ربك کی وجہ سے وصف ربوبیت سے موصوف ہوا۔ وعدًا علینا یعنی وہ وعدہ

جو ہم نے ازل سے کیا تھا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ بیشک ہم اسے ابد تک پُورا کریں گے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ اور ہم نے زبور میں لکھا۔ زبور داوّد علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے کما قال تعالیٰ: وآتینا داؤد زبورا۔

مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ یعنی اس کے بعد جو ہم نے توراۃ میں لکھا اس لیے کہ ہر آسمانی کتاب ذکر ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں:

زبرت الکتاب بمعنے کتبتہ کتابۃ غلیظۃً۔

اور ہر مضبوط کتابت والی کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔

اب خصوصیت سے صرف حضرت داؤد علیہ السلام پر منجانب اللہ نازل کردہ کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔

ف: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آسمانی کتب سے جس کتاب کا سمجھنا مشکل ہوگیا ہو اسے زبور سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعض نے کہا زبور ہر وہ کتاب جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام پر نازل فرمائی لیکن اس میں احکامِ شرعیہ کی بجائے صرف حکمت عقلیہ پر مشتمل ہو۔ اور کتاب کا اطلاق ہر اس آسمانی کتاب پر ہوگا جس میں احکامِ شرعیہ اور علوم حکمت ہوں۔ اس تقریر کی تائید داوّد علیہ السلام کی زبور سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں احکامِ شرعیہ نہیں بلکہ صرف حکمت عقلیہ کے بیانات ہیں۔ القاموس میں لکھا ہے کہ زبور بمعنے مزبور۔ اس کی جمع زبر آتی ہے، اور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کردہ کتاب کا نام ہے۔

اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ زمین کے وارث اللہ تعالیٰ کے مومن بندے ہیں۔ وراثت کا معنے یہ ہے کہ کافروں کو جلاوطن کرنے کے بعد ان علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ کما قال تعالیٰ: وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات یستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔ اس میں دین کے غلبہ اور اہلِ اسلام کے اعزاز کا وعدہ کریمہ فرمایا گیا ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت میں الارض سے بہشت مراد ہے۔ چنانچہ آیت ہذا سے معلوم ہوتا ہے کما قال تعالیٰ: وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء۔

تفسیر صوفیانہ عرائس البقلی میں ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ بہشت کے مالک زاہد، عابد، ابرار، اخیار ہوں گے اس لیے کہ یہی لوگ اجر و ثواب اور درجات کے مستحق تھے اور مشاہدۂ جمال ربّانی کا حصہ اہلِ معرفت و محبّت اور اہلِ شوق اور عشاق کا ہے اس لیے کہ وُہ دنیا میں مشاہدۂ ربوبیت کے لیے زندگی بسر کرتے رہے اور عبادت گزار لوگ مشاہدۂ عبودیت کے لیے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف مضاف فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کو وہ بندے محبوب ہیں جو خالص مخلص ہوں ان پر

غیر کا بال برابر بھی اثر نہ ہو۔ یہ وہی حضرات ہیں جنھوں نے اپنا باطن صرف اللہ تعالیٰ کے لیے متوجہ رکھا اور جمیع ماعدا سے بالکل منقطع رہے۔ حضرت شیخ مغربیؒ نے لکھا : ؎

مجو در دل ما غیر دوست زانکہ نیابی
ازانکہ در دل محمود جز ایاز نباشد

ترجمہ : ہمارے دل میں سوائے محبوب کے اور کسی کو تلاش نہ کرو اور نہ ہی غیر ہمارے دل میں ملے گا جیسے محمود کے دل میں ایاز کے سوا کچھ نہ تھا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِیْ هٰذَا یعنی جو کچھ سورۃ ہذا میں مذکور ہوا۔ مثلاً حالات امم سابقہ اور مواعظ بلیغہ وعد و وعید اور براہین قاطعہ دربارہ توحید و نبوت لَبَلٰغًا کفایت ہے لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ان لوگوں کے لیے جن کی طبیعت میں عبادت کا شوق ہے وہ عبادت عادت کے طور نہیں بلکہ رضائے حق کی خاطر کرتے ہیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو احکام شرعیہ و دیگر امور ضروریہ دیکر نہیں بھیجا اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ مگر یہ کہ آپ کل کائنات کے لیے رحمت ہی رحمت ہیں اس لیے کہ آپ کی بعثت مبارکہ سعادت دارین کا سبب اور مصالح امور کے انتظام کا موجب ہے جو بھی آپ سے روگردانی کر کے تکبر کرے تو وہ رحمت کا مستحق نہیں بلکہ اس کی گردن زدنی ضروری اور مال و اسباب غنیمت میں شامل کرنا لازمی ہے۔

کفار کے لیے رحمۃ للعلمین مفسرین نے فرمایا کہ کفار کے لیے بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بایں معنی رحمت ہیں کہ ان سے دنیوی عذاب ٹل گیا اور جڑ کٹ عذاب سے محفوظ رہے اور خسف و مسخ سے تا قیامت بچ رہے۔

جبریل علیہ السلام کے لیے رحمت حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو ہماری رحمت سے کیا نصیب ہوا؟ انھوں نے عرض کی، سرکار! آپ کے لطف و کرم نے میری قسمت کو بیدار کیا ورنہ میں تو خاتمہ و انجام سے عرصہ سے حیرت زدہ تھا لیکن جونہی آپ کی غلامی کا شرف نصیب ہوا اور آیت کریمہ ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے میری مدح و ثنا فرمائی تو آپ کے صدقے میں مجھے مکمل اطمینان نصیب ہوا۔

تمام اُمت پر رحمت کاشفی نے لکھا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ آپ کی رحمت سے ایک یہ ہے کہ آپ نے اپنی امت کو کہیں بھی فراموش نہیں فرمایا مکہ معظمہ میں تھے تو بھی اُمت یاد تھی مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو بھی امت کو نہ بھلایا، مسجد مکرم میں پہنچے تو بھی، حجرہ طاہرہ میں تشریف فرما ہوئے تو بھی، عرش کی چوٹی سے گزر کر قاب قوسین او ادنیٰ کے بلند اور ارفع مقام پر بھی اُمت کو یاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے تحائف درود و سلام سننے کے بعد اُمت کے بارے میں

عرض کی ، السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین۔ پھر کل قیامت میں مقامِ محمود جیسے اعلیٰ و بالا مقام پہ بھی دامنِ شفاعت پھیلا کر امتی امتی کا نعرہ لگائیں گے ؎

۱ عاصیاں پر گنہ در دامن آخر زماں
دست در دامان تو دارند جان در آستین

۲ نا امید از حضرت با نصرتت نتوان شدن
چوں توئی در ہر دو عالم رحمۃ للعالمین

ترجمہ: اے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم! عاصی دگنہگار آپ کے دامن کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں ہاتھ تو آپ کے دامن میں ہیں لیکن جانیں آپ کی آستین میں۔

۲۔ آپ کی مدد سے نا امید نہیں ہونا ہے کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔

کل کائنات کے لیے رحمت

مشائخ کرام نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت مطلقہ تامہ کاملہ کل کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل بلکہ جمیع موجودات کے ہر قطرہ کو محیط وہ عوالم غیبیہ ہوں یا شہادت علیہ ہوں یا عینیہ وجودیہ ہوں یا شہودیہ سابقہ ہوں یا لاحقہ اسی طرح وہ عوالم ذوی العقول یا غیر ذوی العقول عوالم ارواح ہوں یا اجسام غرضیکہ خدا تعالیٰ کی خدائی کا کوئی ایسا فرد نہ ہوگا جس کے لیے ہمارے حضور پُر نور شافع النشور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت نہ ہوں۔

مسئلہ: وما ارسلنٰک الخ کا خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اسی طرح آپ کے وارثین کاملین کو بھی آپ کے صدقے یہ خطاب نصیب ہوا اس لیے کہ اولیاء کاملین وعلماء راسخین حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب و وارث ہونے کی حیثیت سے عالمِ کائنات کے حسب مرتبہ رحمت و برکت ہیں۔

نکتہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا آپ کے خلقِ عظیم کی صفتِ مبارکہ کی وجہ سے ہے اس لیے کہ آپ نے ہر عالم کے مناسب حال پر خلقِ عظیم کا رنگ دکھایا عالم ملک ہو یا ملکوت عالم طبعیۃ ہو یا عالم نفس اور عالم روح اور سر وغیرہ۔ (کذا قال بعض المشائخ)

رحمتِ عیسیٰ و رحمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق

تاویلات نجمیہ میں سورۂ مریم تحت آیت ورحمۃ منا میں ہے کہ یہ آیت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے اور وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ ان دونوں رحمتوں کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی رحمۃ کو من کے ساتھ مقید کیا گیا ہے اور وہ تبعیضیہ ہے اسی لیے ان کی رحمت صرف ان کے تبعین اور ان کے بعد والوں کے لیے جب تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہیں ہوئے

پھران کی رحمت ان کی امت کے لیے منقطع ہوگئی اس لیے کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے ان کی شریعت منسوخ ہوگئی۔ اور حضور علیہ السلام کی رحمت جملہ عالم کے ذرہ ذرہ کے لیے ہے اور اس کے انقطاع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جبکہ آپ کی شریعت کو کوئی منسوخ کرنے والا نہیں، اسی لیے آپ کا مطلقاً رحمۃ للعالمین ہونا ثابت ہوا۔ دنیا میں رحمۃ ہونے کا مطلب ظاہر ہے کہ آپ کا دین غیر منسوخ ہے اور آخرت میں بایں معنیٰ کہ آپ کی شفاعت کا ہر بندہ محتاج ہوگا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آپ کی رحمت کے طالب ہوں گے[1] (اسے خوب سمجھ لیں و لاتکن من الوہابیین النجدیین)

اوّلَ ماخلق اللہُ نوری

ایہا الفہیم ان اللہ اخبرنا ان نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلقہ جمیع الخلائق من العرش الی الثریٰ من بعض نورہ فارسالہ الی الوجود والشہود رحمۃ لکل موجود اذا لجمیع صدر منہ فکونہ کون الخلق وکونہ سبب وجود الخلق وسبب رحمۃ اللہ علی جمیع الخلائق فہو رحمۃ کافۃ وافہم ان جمیع الخلائق صورۃ مخلوقۃ مطروحۃ فی فضاء القدرۃ بلا روح حقیقۃ منتظرۃ لقدوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا قدم الی العالم صار العالم حیا بوجودہ لانہ روح جمیع الخلائق ویاعاقل ان من العرش الی الثریٰ لم یخرج من العدم الا ناقصا من حیث الوقوف علی اسرار قدمہ بنعمت کمال المعرفۃ والعلم

اے فہیم! ہمیں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ نور محمدی تمام مخلوق سے پہلے ہے اس کے بعد جملہ مخلوق عرش سے تحت الثریٰ تک آپ کے نور سے پیدا ہوئی اس معنیٰ پر آپ عالم وجود وشہود کے رسول اور کل موجودات کے لیے رحمت ہیں پس تمام کے تمام آپ سے ہی صادر ہوئے اور جملہ مخلوق کے وجود اور جمیع مخلوق پر رحمت کے سبب ہیں یوں کہیے کہ آپ جملہ عالم کے ذرہ ذرہ کے لیے رحمت ہیں اور معلوم ہوا کہ جمیع مخلوق فضاء قدرت میں بلا رُوح پڑی تھی اور حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی منتظر تھی جب آپ تشریف لائے تو جملہ عالم کو زندگی ملی کیونکہ آپ جملہ عالم کی رُوح ہیں۔ اے سمجھدار عزیز! عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک ہر شے ناقص تھی جسے اسرارِ معرفت وعلم کا پتہ نہ تھا اور سب کے سب بحارِ الوہیت کے کنارے اور

---

[1] اعلیحضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا:

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی صلی اللہ علیہ وسلم

فصار وا عاجزین عن البلوغ الی شط بحار الالوہیۃ وسواحل قاموس الکبریائیۃ فجأ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکسیر اجساد العالم وروح اشباحہ بحقائق علوم الازلیۃ واوضح سبیل الحق للخلق بحیث جعل سفر الآزال والآباد لجمیع خطوۃ واحدۃ فاذا تقدم من الحضرۃ الی سفر القربۃ بلغھم جمیعا بخطوۃ من خطوات صحاری (سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ) حتی وصل الی مقام اَوْ ادنیٰ فغفر الحق بجمیع الخلائق بمقدمہ المبارک۔

قاموس کبریائی کے سواحل پر تھے حضور علیہ السلام تشریف لائے اکسیر بن کر جملہ اجساد عالم نے آپ سے فیض پایا اور حقائق علوم ازلیہ کی روح آپ ہی ہیں آپ نے مخلوق کو حق کی راہ واضح فرمائی اور ایسے سفر کے قریب کر دیا کہ از آزال تا آباد صرف ایک قدم ہے جب آپ سفر قربت سے تشریف لائے تو سب کو سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ کے جنگل سے ایک قدم کی مسافت سے اَوْ ادنیٰ کے مقام تک پہنچایا اس لیے اللہ تعالےٰ نے سب کو آپ کی وجہ سے بخش دیا۔

(روح البیان ج ۵ ص ۵۲۸)

سراپا رحمت بعض علماء کرام نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام خلقِ خدا کے لیے عقوبت و عذابِ الٰہی کا مقدمہ بن کر مبعوث ہوا کما قال تعالیٰ: وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ اور ہمارے رسول مقدمۂ رحمت بن کر تشریف لائے۔ کما قال تعالیٰ: وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کو خاتمۂ رحمت بنائے۔ کما قال: سبقت رحمتی علیٰ غلبتی۔ اسی وجہ سے ہمیں آخرالامم بنایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وجود کی ابتدا اور آخر اور خاتمہ رحمت ہی رحمت ہے۔

میم کا پردہ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ مخلوق کو ظاہر فرمائے تو سب سے پہلے حضرۃ الٰہیہ کے مخفی خزانہ سے حقیقت احمدیہ کو ظاہر فرمایا اور آپ کو امکان کے میم سے ممتاز رکھا اسی لیے آپ کو 'رحمۃ للعالمین' کے مرتبہ سے نوازا اور آپ کی ذات پاک کی وجہ سے نوعِ انسانی کو شرف نصیب ہوا آپ کے نور سے ہی جملہ ارواح کے چشمے پھوٹے، اس کے بعد جملہ عالم کی جملہ نمود اسی نورِ محمدیؐ سے ہوئی۔ کما قال علیہ السلام:

انا من اللہ والمؤمنون من فیض نوری۔ — میں اللہ سے ہوں اور جملہ مومن میرے نور کے فیض سے ہیں۔

(روح البیان ج ۵ ص ۵۲۹ مطبوعہ جدید)

خلاصہ یہ کہ مبادئ کائنات اصلی غرض و غایت حبیبِ کبریا شہِ ہر دوسرا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

لولاک لما خلقت الافلاک۔ — آپ نہ ہوتے تو میں افلاک پیدا نہ کرتا۔

(روح البیان ص ۵۲۹)

ے

علۃ غایہ ہر عالم اوست

سرور اولاد بنی آدم اوست

واسطۂ فیض وجودی ہمہ

رابطۂ بود و نبودی ہمہ

ترجمہ: جملہ عالم کی علت غائی آپ ہیں آپ جملہ بنی آدم کے سردار ہیں آپ فیض وجود کے واسطہ اور بود و نابود کے رابطہ ہیں۔

حضرت عرفی شیرازی نے قصیدہ نعتیہ میں لکھا: ے

ازبس شرف گوھر منشی تقدیر

آں روز کہ بگذاشتی اقلیم عدم را

تا حکم نزول تو درین دار نوشتہ است

صدرہ بعبث باز تراشیدہ قلم را

شرح البیت مع ترجمہ: العبث مقلوب ہے بعث کا، یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا یہ شرف و کمال کچھ کم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پیدا فرمائی اور ان میں انبیاء علیہم السلام بھیجے تاکہ وہ آپ کی تشریف آوری کے لیے مقدمۃ الجیش ہوں آپ کے بعد عالم شہود سے عالم نمود میں تشریف لائیں ان سب کی ارواح مقدمہ آپ کی روح پاک اور ان کے اجسام مبارکہ آپ کے جسم شریف کے تابع ہیں۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ بھی رحمت ہے ایسے ہی آپ کا دنیا سے پردہ بدلنا بھی رحمت۔ کما قال علیہ السلام:

حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم۔ میری حیات و ممات دونوں تمہارے لیے رحمت ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ہم نے مانا کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ ہمارے لیے رحمت ہے۔ لیکن ممات رحمت کیسے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعرض علی اعمالکم کل عشیۃ الاثنین والخمیس فما کان من خیر حمدت اللہ وما کان من شر استغفر اللہ لکم۔

ہر پیر اور خمیس کی شام کو تمہارے اعمال میری خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تمہاری نیکیوں سے میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں تمہاری برائیوں سے تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱	زمہجوری برآمد جانِ عالم	ترحم یا نبی اللہ ترحم
۲	نہ آخر رحمۃ للعالمینی	ز محرومان چرا فارغ نشینی
۳	ز خاک اے لالۂ سیراب برخیز	چو نرگس چند خواب از خواب برخیز
۴	اگرچہ غرق دریائے گناہم	فتادہ خشک لب بر خاک راہم
۵	تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے	کنی در حال لب خشکاں نگاہے

ترجمہ: ۱۔ آپ کے فراق سے کائنات کا ذرہ ذرہ جاں بلب اور دم توڑ رہا ہے۔ رسولِ خدا! رحم فرمائیے نگاہِ کرم فرمائیے۔

۲۔ آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں ہم محروموں سے کیسے تغافل فرما سکتے ہیں۔

۳۔ اے لالہ خوش رنگ! اپنی شادابی سے عالم کو سیراب فرما، نرگس کی طرح خواب سے آنکھ کھولیے۔

۴۔ اگرچہ میں گناہوں کے دریا میں غرق ہوں۔ خشک لب سر راہ پڑا ہوں۔

۵۔ آپ ابرِ رحمت ہیں فلہذا گاہے ہم خشک لبوں پر ایک نگاہِ کرم ہو۔

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ فرمائیے کہ میرے ہاں صرف یہی نازل ہوا ہے کہ تمہارا صرف ایک معبود ہے۔ خلاصہ یہ کہ میرے ہاں سوائے توحید کے اور کچھ نازل نہیں ہوا اور میری بعثت کا اصلی مقصد بھی یہی ہے کہ توحید کا اعلان کروں اگرچہ دوسرے احکام بھی بتاتا ہوں تو وہ اسی توحید کے طفیل ہیں۔ آیت میں پہلا اِنَّمَا قصر الحکم علی الشئی سے ہے جیسا کہ انما یقوم زید یعنی زید کے سوا اور کوئی قائم نہیں اور دوسرا اِنَّمَا قصر الشئ علی الحکم کے لیے ہے جیسے انما زید قائم یعنی زید کی صرف قیام کی صفت ہے۔

سوال: اس قصر سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ میں وحدانیت کے سوا اور کوئی صفت نہ ہو حالانکہ اس کی اور بھی صفتیں ہیں مثلاً جلال و جمال وغیرہما۔

جواب: یہ قصر حقیقی نہیں اس لیے کہ اس سے صرف مشرکین کے غلط تصور کو ختم کرنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے خلاف اپنے اور معبودوں کی عبادت کا تصور بھی رکھتے تھے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کیا تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلص ہو کہ سوائے اسی کے اور کسی کو عبادت کا مستحق نہ سمجھو بلکہ اسی کی وحی کے حکم کے مطابق سر جھکاؤ۔ اس فٰ سے معلوم ہوا کہ اس کا ماقبل مابعد کا موجب ہے۔ یعنی سمجھدار جب غور کرے تو اُسے ماقبل کے مضمون پڑھنے سے یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے ہی نہیں فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر وہ اسلام اور اس کے موجبات سے روگردانی کریں اور وحی الٰہی کا انکار کریں فَقُلْ تو اب انھیں فرمائیے اٰذَنْتُکُمْ

میں نے اپنے رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق تمہیں توحید و تنزیہ سے آگاہ کر دیا ہے عَلٰی سَوَآءٍ میں نے تم سب کو برابر احکام الٰہی بتائے ہیں یہ نہیں کہ کسی کو سنائے ہوں اور کسی کو محروم رکھا ہو اور ہیں نے نصیحت اور تبلیغ رسالت میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا۔ یہ اٰذنتکم کے مفعول سے حال ہے وَاِنْ اَدْرِیْ اور مجھے معلوم نہیں اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ کہ قریب ہیں یا بعید وہ امور کہ جن کا تمہیں وعدہ سنایا گیا ہے کہ مسلمان غلبہ پائیں گے اور دین ہمہ گیر ہو گا یا اس سے قیامت کے دن جمع ہونے کا وعدہ مراد ہے یعنی لامحالہ قیامت قائم ہو گی اور تم نے عذاب اور ذلت میں مبتلا ہونا ہے۔ اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ پچھلا معنیٰ یہاں کیسے چسپاں کیا جا سکتا ہے جبکہ اس کے متعلق بار بار فرمایا گیا ہے وہ قریب ہے۔ کما قال:

اقترب الوعد الحق۔

اور فرمایا:

اقترب للناس حسابھم۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وہ جو تم کھلم کھلا اسلام پر طعن و تشنیع اور آیات کی تکذیب کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ اور جانتا ہے تمہارے وہ جرائم جو تم اپنے دل میں چھپاتے ہو مثلاً حسد اور عداوۃ للرسول وللمؤمنین تمہیں ان تمام اعمال کی سزا دے گا۔

ف: یعلم کا تکرار وعید کی تاکید پر دلالت کرتا ہے۔

ف: مشایخ کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مخلوق کے اعمال کس طرح پوشیدہ رہ سکتے ہیں جبکہ اس نے تمام کی صورتیں شکلیں اور ان کے اندر کے اوصاف خیر اور شر اور نفع و ضرر کو خود ودیعت رکھے ہیں بلکہ ظاہری امور کی نسبت پوشیدہ امور اس کے آگے زیادہ ظاہر ہیں، بلکہ یوں کہو کہ اس کے سامنے ظاہر و باطن کا ہر معاملہ اظہر و اوضح ہے۔

اس پر شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

ترجمہ: اس کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں، ظاہر و پوشیدہ اس کے ہاں برابر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ تمہارے دعاوی اسلام و ایمان اور زہد و صلاح و معارف اور تمہارے صدق و اخلاص یا ریا و سمعہ و نفاق کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ اور مجھے معلوم نہیں ممکن ہے کہ تمہیں مہلت ملنا تمہارے لئے آزمائش ہو اس لیے کہ عموماً ایسی مہلت آزمائش کا سبب ہوتی ہے، بلکہ مہلت دے کر پھر سخت عذاب میں مبتلا فرماتا ہے عذاب وغیرہ کو فتنہ سے تعبیر کرنا مجاز مرسل ہے۔ یا اس میں تمہارا امتحان ہے کہ تم کس طرح کے عمل کرتے ہو

یعنی یہ تمہارا معاملہ امتحان کے مشابہ ہے اور یہ استعارہ تمثیلیہ کے طریق پر ہے وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ اور ایک مقررہ وقت تک تمہیں نفع پہنچانا ہے تاکہ ایک معین وقت میں تمہیں جزا و سزا دی جا سکے اور اس میں اس کی حکمت ہے قٰلَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ یہ حضور علیہ السلام کی دعا کی حکایت ہے رَبِّ اے میرے پروردگار احْكُمْ بِالْحَقِّ ہمارے اور اہل مکہ کے درمیان حق کا فیصلہ فرمائیے یعنی عدل فرمائیے تاکہ انہیں جلد تر عذاب یا سخت تکالیف میں مبتلا فرمائیے وَرَبُّنَا یہ مبتدا اور اس کی خبر الرَّحْمٰنُ ہے۔ یعنی ہمارا رب تعالیٰ کثیر الرحمۃ ہے اپنے بندوں پر۔ اگر رحمت بمعنے انعام ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفات افعال سے ہے اگر بمعنے ارادۃ الخیر ہے تو بمعنے بہ صفات ذات سے ہے الْمُسْتَعَانُ یہ دوسری صفت سے ہے بمعنے وہ ذات جس سے امداد طلب کی جائے عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ اور اس کے کہ تم اس کی صفت بیان کرتے ہو وہ کہتے تھے کہ شوکت و طاقت ہمیں حاصل ہے اس لیے کہ اسلام کا جھنڈا انگوں ہو جائے گا گویا اس کلام سے کفارِ مکہ کو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنی طاقت پہ نازاں ہو ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ ہے ؎

مراد خویش ز درگاہ پادشاہی خواہ
کہ ہیچکس نشود نا امید ازاں درگاہ

ترجمہ: اپنی مراد بادشاہ کی بارگاہ سے طلب کر کیونکہ اس درگاہ سے کوئی بھی ناامید نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مستجاب فرمائی کہ کفارِ مکہ کا انجام برباد ہوا ان کے حالات تباہ ہوئے اور اپنے دوستوں کی مدد فرمائی کفارِ مکہ کو بدر میں شکست فاش ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جائے جس قسم کی بھی آرزو ہو۔ اس نے ہر ایک کے لیے استحقاق کے مطابق ازل میں اپنی رحمت لکھ لی تھی اور اس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں اگرچہ اس کے انواع صرف ایک سو بتائے گئے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک سو رحمت ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنی طویل عمر اور کثرتِ مال و اولاد سے دھوکہ نہ کھائے اس لیے کہ ان اشیاء سے دھوکہ کھانا کفار کا کام ہے۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس پر دنیا کی وسعت ہو اور وہ اس میں متوجہ الی اللہ نہ ہو تو اس کی عقل دھوکہ میں ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی سے فرمایا کہ تجھے بیداری میں ایک درہم ملے اور خواب میں دینار تو بتائیے کس سے خوش ہوگا؟ اس نے کہا کہ خواب میں دینار ملنے پر خوش ہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تیرا جھوٹ ہے کیونکہ تو دنیا کا طالب ہے اگرچہ تو خواب میں بھی ہے اس لیے کہ جو بندہ کسی شے سے بیداری میں محبت کرتا ہے وہی خواب میں ظاہر ہوتی ہے اور جو شخص آخرت نہیں چاہتا اسے خواب میں دنیا کی محبت ظاہر

۔۔۔ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت اور توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء کی
تفسیر سے ۵ رجب ۱۱۰۶ھ میں فراغت پائی۔ اور فقیر
اویسی غفرلہٗ نے ۱۹ ربیع النور شریف ۱۳۹۷ھ شب منگل
بعد نمازِ عشاء فراغت پائی بفضلہٖ تعالیٰ وکرمہٖ فصلی اللہ تعالیٰ علےٰ
حبیبہٖ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

سُورۂ حج

اٰیاتھا ۷۸	(۲۲) سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۳)	رکوعاتھا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ
مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى
وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ
مَّرِيْدٍ ۝ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ
اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ
مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ
نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ
لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ
وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ
يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت شے ہے جس روز تم اسے دیکھو گے

ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ اپنا گابھ ڈال دے گی اور لوگوں کو تو نشہ میں دیکھے گا حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارہ میں بے جانے بوجھے جھگڑتے ہیں اور سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ جس پر یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو بھی اس کی دوستی کرے گا تو یہ ضرور اسے گمراہ کرے گا اور اسے دوزخ کی راہ بتائے گا۔ اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد (قیامت میں) اُٹھنے کے متعلق شک میں ہو تو غور کرو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کی بوٹی سے کہ پوری ہوتی ہے اور ادھوری بھی تاکہ ہم تمہارے لیے اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور ہم ماؤں کے پیٹ میں جسے چاہتے ہیں ایک مدت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر باہر نکالتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو بعض تمہارے فوت ہو جاتے ہیں اور تمہارے بعض کو نکمی عمر تک پہنچایا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے اور تو زمین کو دیکھتا ہے مُرجھایا ہُوا پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا تو وہ ترو تازہ ہو جاتی ہے اور اُبھر آتی ہے اور ہر رونق دار جوڑا اگاتی ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور یہ کہ وُہ مُردے جلائے گا اور یہ کہ وہ ہر شے پر قادر ہے اور قیامت آنے والی ہے اس میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ انھیں اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔ اور بعض لوگ وُہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں نہ تو انھیں علم ہے اور نہ ہی ان کے ہاں کوئی دلیل ہے اور نہ ہی کوئی روشن کتاب۔ حق سے گردن موڑ کر تاکہ اللہ کے راستے سے بہکا دے اس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن جلتی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ یہ تیرے ہاتھوں کے کیے ہوئے کا بدلہ ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر عالمانہ سورۃ الحج مکیہ ہے صرف چھ آیتیں مدنیہ ہیں جو آیت هذان خصمان سے شروع ہو کر الحمید تک ختم ہوتی ہیں اور اس کی اٹھتر (۷۸) آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو یعنی اپنے امور کے مالک و مربی کے عذاب سے ڈرو اس کی اطاعت کر کے إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ زلزلہ بار بار شدید جھٹکے کو کہا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ کا تکرار بھی اسی معنے پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ زلّ کا مضاعف ہے اور الساعۃ سے قیامت مراد ہے۔ اس نام سے اسے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس دن حساب بہت جلد تر ہوگا۔ (کذا فی المفردات)

ف: اس زلزلہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ زلزلہ طلوع شمس من المغرب سے پہلے ہوگا۔ اس معنے پر

ذہول اور وضع ایتان اپنے حقیقی معنے پر ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ امور قیامت میں ہوں گے۔ اس تقریر پر مذکورہ افعال مجازی معنے میں ہوں گے جنہیں تمثیلاً بیان کیا گیا ہے۔ ان معانی میں سے موزوں تر معنیٰ وہ ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ زلزلۃ الساعۃ سے قیام قیامت مراد ہے اس لیے کہ قیام قیامت کے وقت اسی طرح کا زلزلہ واقع ہوگا۔ وہ ایک ایسی عظیم شے ہے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

سبق انسان پر تقویٰ لازم ہے تاکہ قیامت کے عذابِ شدید سے نجات پا سکے۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا اپنے ما بعد کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی تمہارے دیکھنے کے وقت تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ الزھول بمعنے دہشت کے ساتھ کسی معاملہ کو بھول جانا۔ المرضعۃ ہر وہ عورت جو بالفعل دودھ پلا رہی ہو۔ اگر تا کے بغیر ہو تو اس عورت کو کہا جاتا ہے جو دودھ پلانے کی اہل ہو لیکن بالفعل دودھ نہ پلا رہی ہو اسی طرح حائضہ اور حائض کا فرق سمجھیے۔

سوال: الطفل کہنا تھا لیکن اس کی بجائے عما ارضعت کیوں؟

جواب: محض ذہول کے معنے کو مؤکد کرنے کے لیے ایسے کیا گیا ہے۔ یعنی وہ وقت ایسا سخت ہوگا کہ عورت کو دودھ پلانے کا خیال تک نہ رہے گا۔ یعنی اسے ایسی دہشت و حیرت غالب ہوگی کہ اسے خوف و ہراس میں بچے کے منہ میں پستان دینے کے باوجود کوئی خبر نہ ہوگی یعنی باوجودیکہ عورت کو دودھ پیتے بالخصوص دودھ پلاتے وقت بہت پیار ہوتا ہے لیکن خوف و ہراس سے بہت غفلت میں ڈوب جائے گی۔

سوال: قیامت میں دودھ پینے والے کہاں، جبکہ یہ معاملاتِ دنیویہ ہیں۔

جواب: یہ بطور مثال بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کا دن اتنا سخت ہے کہ اگر بالفرض کوئی عورت دودھ پلانے والی ہو تب بھی وہ بچے کو بھول جائے۔ ایسے ہی وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا کو سمجھیے۔ یعنی قیامت کی سختی سے حاملہ عورت بھی اپنا حمل گرا دے۔ الحمل بالفتح ہر وہ شے جو پیٹ میں یا درخت پر ہو، اور بالکسر وہ شے جو پیٹھ پر ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں مواد کی طرف اشارہ ہے یعنی ہر شے کا مادہ ہونا ہے اور وہ ملکوت ہے اس لیے کہ وہ اپنے رضیع یعنی ملک کی پرورش کرتا ہے۔ اور ذھول سے مراد یہ ہے کہ وہ پرورش کی استعداد سے ہلاک و تباہ ہوگا اور ذات حمل سے ہیولیٰ مراد ہے یعنی وہ شے جو صورتوں کی حامل ہے یعنی صور کا حمل ہیولیٰ کے املاک گرا دے گا۔

تفسیر عالمانہ وَتَرَى النَّاسَ محشر میں لوگوں کو دیکھو گے سُكَارَىٰ سکران کی جمع ہے۔ نشہ والے، یعنی ایسے معلوم ہوں گے کہ گویا وہ نشہ میں ہیں۔

سوال: یوم ترونها میں صیغۂ جمع اور تری الناس میں صیغۂ واحد کیوں؟

جواب: وہاں زلزلہ کا بیان تھا اور وہ سب کو محسوس ہوگا بخلاف صورۃ نشہ کے کہ اسے ہر ایک اپنے غیر کو فرداً فرداً

دیکھے گا۔

ف : السکر ہر وہ حالت جو مرد اور اس کی عقل کے مابین حائل ہو۔ اور یہ عموماً شراب کی مستی پر مستعمل ہوتا ہے اور یہ کیفیت کبھی غضب و عشق کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے چنانچہ شاعر نے کہا : ع

سکران سکر ھوی وسکر مدامۃ

نشے دو ہیں، ایک عشق اور محبت کا، اور دوسرا شراب کا۔ سکرات الموت کا مادہ یہی لفظ ہے۔

ف : سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں لوگوں کو مشاہدۂ عزّ و جبروت اور کبریائی کے سرا پردہ مدہوش کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اسی مدہوشی سے نفسی نفسی پکاریں گے ؎

دراں روز کز فعل پرسند و قول

اولوا العزم را تن بلرزد ز ہول

بجائے کہ دہشت خورد انبیا

تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ : اس دن کہ قضا و قدر کے فرشتے فعل و قول کے متعلق سوال کریں گے ہول سے اولوا العزم کانپ اٹھیں گے، جب انبیا علیہم السلام کو بھی دہشت ہوگی تو تُو کس قطار میں ہے، تجھے چاہیے کہ ابھی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے۔

وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى اور وہ درحقیقت نشہ والے نہیں ہوں گے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا یہ نشہ زوال عقل از خوف و حیرت سکر سے نہ ہوگا اگرچہ بظاہر ایسے محسوس ہوگا۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ صور اخرویہ اگرچہ بظاہر صور دنیویہ کی مانند ہیں لیکن ان دونوں کی حقیقتیں مختلف ہیں۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : دنیا اور بہشت کی اشیا کو ایک دوسرے سے کسی قسم کی مناسبت نہیں سوائے اس کے کہ ان کے نام ایک ہیں۔

نشہ کی اقسام

نشہ ان چیزوں سے ہوتا ہے :

(۱) شرابِ غفلت و عصیان
(۲) حُبِ دنیا اور اس کی شہوات۔
(۳) دنیوی تنعمات
(۴) لذتِ علم
(۵) شوق
(۶) محبّت
(۷) وصال
(۸) معرفۃ
(۹) محبیۃ و محبوبیۃ

چنانچہ کسی نے فرمایا ؎

لی سکرتان و للندمان واحدة
شیٔ خصصت به من بینهم وحدی

ترجمہ : مجھے دو نشے ہیں اور نادم و شرمسار کو ایک۔ اسی لیے میں دوسرے لوگوں میں خصوصیت رکھتا ہوں۔

وَ لٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے اسی لیے انھیں عذاب الٰہی گھیر لے گا اور ان کے عقول اُڑ جائیں گے اور ان کی تمیز ختم ہو جائے گی۔ اور عذاب کی چار آگ ہیں :

۱۔ نارِ جہنم
۲۔ نارِ قطیعۃ و فراق
۳۔ نارِ اشتیاق
۴۔ فناء فی النار و بقاء بالنار

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اَنْ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حولها۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے کلمینی یا حمیرا فرمایا تھا تو وہ بھی اسی نارِ اشتیاق اور اس کے جوش سے۔

ف : حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے حکم فرمائے کہ مخلوق میں عذاب تقسیم کروں تو میں عاشقوں کو عذاب نہیں دوں گا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ہر چند غرق بحر گناہم ز صد جہت
گر آشنائے عشق شوم ز اہل رحمتم

ترجمہ : سیکڑوں جہات سے اگرچہ میں بحرِ گناہ میں غرق ہوں تاہم اگر مجھے عشق کی دولت نصیب ہو جائے تو اہلِ رحمت سے ہوں۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دو آیتیں رات کے وقت غزوۂ بنی المصطلق میں نازل ہوئیں تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھ کر سنائیں۔ پھر رات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سارا وقت گریہ و زاری میں گزار دیا اور دن کو خوشیوں کے تمام امور ترک کر دئے۔ یعنی سواریوں اور دیگر جانوروں سے سامان نہ اتارا نہ ہی آرام کے لیے خیمے نصب کیے اور نہ ہی کھانا تیار کیا بلکہ سارا دن غمگین و حزیں اور متفکر اور روتے رہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تمہیں معلوم ہے کہ یہ کونسا دن ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حسبِ دستور عرض کی : اللّٰہ و رسولہٗ اعلم (اللہ اور اس کا رسول جانے)۔ آپ نے فرمایا : یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا : یا اٰدمُ۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی : لبیك وسعدیك والخیر بین یدیك۔ (حاضر ہوں یا رب، تمام بھلائیاں

تیرے قبضۂ قدرت میں ہیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! دوزخ سے اپنی اولاد کے چند افراد نکال لے۔ عرض کی: یا اللہ!
کتنے فیصد نکالوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک ہزار میں سے صرف ایک۔ یہ گفتگو اس وقت ہوگی جب بچے بوڑھے ہو جائیں گے
اور ہر حاملہ حمل گرا دے گی اور لوگوں کو نشہ میں دیکھو گے۔ یعنی اس وقت تمام لوگ خوفزدہ ہوں گے اسی وجہ سے بظاہر نشہ والے
معلوم ہوں گے حالانکہ درحقیقت انہیں شراب کا نشہ نہ ہوگا۔ اس وقت عذابِ الٰہی سخت ہوگا۔ یہ تقریر صحابہ کرام کو گراں گزرا
جسے سن کر وہ خوب روئے اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم کس گروہ میں ہوں گے؟ حضور سرورِ رسل صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں مبارک ہو نوسو ننانوے جہنم میں جانے والے یاجوج ماجوج ہوں گے، اور ایک ہزار میں ایک بہشتی
ہونے کی جو خبر دی گئی ہے وہ تم میں سے کوئی ہوگا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس
کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بہشت میں پوری تہائی تم لوگ ہو گے۔ یہ سن کر صحابہ کرام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور حمد
بجا لائے۔ پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے
مجھے امید ہے کہ بہشت میں آدھے تم لوگ ہو گے۔ اسے سن کر صحابہ نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد پڑھی پھر
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے اُمید ہے کہ
بہشت میں تم دو تہائیاں ہو گے اور یاد رکھو بہشت میں کُل ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں اسّی صفیں صرف میری اُمت کی
ہوں گی اور اولادِ آدم میں مسلمان اس قدر قلیل مقدار میں ہیں جیسے سفید اونٹ پر ایک تل، یا جیسے گدھے کے پاؤں پر ایک سفید
داغ، یا جس طرح سفید بیل میں ایک سیاہ بال، یا سیاہ بیل میں ایک سفید بال۔ پھر فرمایا: میری اُمت کے ستر ہزار خوش نصیبوں
کو بغیر حساب کے بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب کے طور پوچھا کہ ستر ہزار کو بلا حساب بہشت
میں داخل ہونا ہوگا۔ آپ نے فرمایا: ہاں، نہ صرف ستر ہزار بلکہ ہر فرد کے ساتھ ستر ستر ہزار بلا حساب بہشت میں جائیں گے۔
یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اُٹھے اور عرض کی: میرے لیے دُعا فرمائیں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں سے بنائے۔
حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تُو انہی میں سے ہے۔ اس کے بعد ایک انصاری اٹھا اور عرض کی: میرے لیے
بھی دُعا فرمائیے تاکہ میں انہی میں سے ہو جاؤں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تجھ سے عکاشہ نے سبقت لے لی۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اُمتِ مصطفویہ کے متعلق بہشت میں اسّی صفوں پر مشتمل ہونے میں ایک نکتہ یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے امتِ مصطفویہ کے متعلق فرمایا ہے کہ: اولٰئك هم الوارثون (یہی لوگ بہشت کے وارث ہیں) اور جبکہ
اپنے مقام پر یہ ثابت ہے کہ بہشت ان کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی جائداد ہے۔ اور علم المیراث کا قانون ہے کہ باپ کی
میراث کی حقدار وہ اولاد ہے جو باپ کو اقرب ہو۔ اور قاعدہ ہے کہ اقرب کے ہوتے ابعد محروم ہوتے ہیں۔ اور
ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے علی الاطلاق زیادہ قریب اور افضل ترین حضور سرورِ عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کی اُمت ہے۔ اور میراث کا قانون ہے کہ اقرب اصل کو باپ کی وراثت کا دو تہائی مال ملتا ہے، یوں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو بہشت کا دو تہائی حصّہ ملا، باقی ایک حصّہ باقی اولادِ آدم کو۔ اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ اُمتِ مصطفویہ باقی امتوں کی بہ نسبت اقرب الی الکمال ہے۔ آدم علیہ السلام کو امتِ مصطفویہ بمنزلہ اولادِ نرینہ کے ہے اور باقی اولاد بمنزلہ مؤنث کے۔ اور للذکر مثل حظ الانثیین قرآنی مشہور قاعدہ ہے۔

نکتہ: مذکورہ بالا تقریر کے مطابق بہشت میں آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد ہوگی۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوالارواح ہیں جیسے آدم علیہ السلام ابوالاجساد۔ اور قاعدہ ہے کہ اب حقیقی اولادالاولاد کے لیے حاجب ہوتا ہے۔ اس معنے پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت آپ کی اقرب اولاد ہے اور باقی امتیں ابعد الاولاد۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ النَّاسِ یہ مبتدا ہے بمعنے بعض الناس۔ اس سے نضر بن الحارث مراد ہے۔ وُہ سخت جھگڑالو تھا اور کہتا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور یہ قرآن بناوٹی قصے کہانیاں ہیں۔ وُہ مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا بھی منکر تھا۔ مَنْ يُّجَادِلُ، المجادلہ بمعنے المفاوضہ علیٰ سبیل المنازعہ والمقاتلہ۔ جدلت الحبل سے ہے بمعنے احکمت فتلہ یعنی میں نے اس کی رسّی کو مضبوط کیا۔ دو جھگڑنے والے گویا ایک دوسرے کی رسّی کو توڑنے اور اپنے مخالف کی رائے کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو جھگڑتے ہیں فِي اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے متعلق۔ یعنی اس کی شان میں ایسی باتیں کرتے ہیں جو سراسر بے بنیاد اور باطل ہوتی ہیں۔ ان جھگڑالوؤں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے قول میں ملابس ہیں بِغَيْرِ عِلْمٍ بغیر علم کے۔ یعنی نہ ان کے پاس دانش ہے نہ معرفت نہ برہان نہ حجت۔

مسئلہ: یہ آیت عام ہے ہر کافر و مسلم کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں حجت و برہان کے بغیر جھگڑا کرتا ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ علم و معرفت ہو تو اللہ کی ذات و صفات میں گفتگو کرنا جائز ہے۔ اور جو شخص علم و معرفت کے بغیر ذات و صفاتِ باری تعالیٰ میں گفت گو کرتا ہے تو یقین جانئے کہ وُہ شیطان کا تابعدار ہے۔ کما قال تعالیٰ وَيَتَّبِعُ اور وہ ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق جھگڑا کرنے اور اپنے دیگر احوال میں تابعداری کرتا ہے كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ سرکش شیطان کی۔ شیطان کا مرید اس لیے کہا گیا کہ وہ ہمہ وقت فسادِ محض کے درپے رہتا ہے اور وہ خیر و بھلائی سے بالکل عاری ہے۔ اس سے کفار کے وہ لیڈر مراد ہیں جو لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت اور بتوں کی پرستش کی طرف بلاتے تھے۔ یا اس سے شیطان اور اس کا لشکر مراد ہے۔ یہ مرد الشیٔ سے مشتق ہے بمعنے اذا جاوز حد مثلہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی حد سے متجاوز ہو۔ اور اس کا اصل معنیٰ ہے العری۔ اسی لیے بے ریش لڑکے کو امرد کہا جاتا ہے۔ اور وہ ٹہنی جو پتوں سے خالی ہو اسے بھی امرد سے تعبیر کرتے ہیں۔

حدیث شریف: اھل الجنۃ مرد (بہشتی امرد ہوں گے)

شرح الحدیث: بعض محدثین نے اسے اپنے اصلی معنے پر محمول کیا ہے اور بعض نے اس کا مجازی معنیٰ مراد لیا ہے وہ یہ کہ بہشت میں بہشتی جملہ قبائح و شوائب (گناہوں کی ملاوٹ اور بُری نیات) سے پاک و

صاف ہوں گے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ لکھا گیا ہے ہر شیطان جن و انس پر۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

اور کاشفی نے لکھا ہے کہ شیطان پر لوحِ محفوظ میں لکھا گیا ہے۔

اَنَّهٗ تحقیق شان یہ ہے کہ مَنْ تَوَلَّاهُ جو شخص شیطان کو دوست بناتا اور اس کی تابعداری کرتا ہے فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ بالفتح اس لیے کہ وہ مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔ یعنی شیطان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے دوست کو طریقِ حق سے بہکا دے وَيَهْدِيْهِ اور اس کی رہبری کرے اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ جہنم کے عذاب کی طرف۔ یعنی شیطان اپنے دوست کو ایسے امور کے ارتکاب کا راستہ دکھائے جو جہنم کے عذاب کا موجب بنیں۔ عذاب السعیر کی اضافت شجر الاراک کی طرح اضافت بیانیہ ہے اور السعیر وُہ آگ جس کے تیز شعلے ہوں۔

ف : حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سعیر جہنم کا ایک نام ہے۔

ف : شیطان جن وساوس وتسویلات والقأ الشبہ سے گمراہ کرتا ہے اور شیطان انس مذاہب اہلِ ہوا و اہلِ بدعت و فلاسفہ و زنادقہ یعنی منکرینِ بعث ونشر کی ترغیب دیتا ہے۔ اور بدمذاہب ہمیشہ اپنے غلط مذاہب کو دلائلِ عقلیہ سے ثابت کرتے ہیں جن میں وہم وخیال اور ظلمۃ الطبیعۃ کی ملاوٹ ہوتی ہے اور شیطان انسانی بدمذاہب کے دلائل دے کر ایسا پھنساتا ہے کہ وہ چند روز کے بعد اُنھیں میں داخل ہو کر ان کے زمرہ کا ایک فرد شمار ہوتا ہے۔

کما قال تعالیٰ ومن یتولھم منکم فانہ منھم (اور جو ان سے دوستی کرتا ہے وہ انہی میں سے ہو جاتا ہے)

(چنانچہ ہمارے دور کے بدمذاہب کا یہی حال ہے کہ صبح کو مسلمان تھا تو شام کو مرزائی کی صحبت ملی تو مرزائی بن گیا۔ ایسے ہی پرویزی کی صحبت سے پرویزی، اور مودودی، تبلیغی، دیوبندی، وہابی، شیعہ وغیرہم)

ف : بدمذاہب اپنی بدمذہبی سے عذابِ سعیر کی طرف راہ دکھاتے ہیں اور وہی دائمی ہجران وقطعیت کا سبب بن جاتی ہے۔

علومِ کمالیہ کا شمار

آدمی کا کمال علومِ حقیقیہ میں ہے اور وہ چار ہیں :

(۱) معرفۃ النفس و ما یتعلق بہا۔

(۲) معرفۃ اللہ تعالیٰ و ما یتعلق بہ۔

(۳) معرفۃ الدنیا و ما یتعلق بہا۔

(۴) معرفۃ الآخرۃ و ما یتعلق بہا۔

ف : اہلِ تقلید اہلِ استدلال سے اور وہ اہلِ ایقان سے اور وہ اہلِ اعیان سے مرتبہ میں کم ہیں۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ وصول الیٰ مرتبۂ عیان کے لیے کوشش کرے۔ لیکن مرشد کامل کا دامن پکڑنا ضروری ہے اس لیے کہ مرشدِ کامل کے بغیر اس راہ پر چلنا مشکل ہے اور منزلِ مقصود پر نہیں پہنچا جا سکتا۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

خواہی بصوب کعبہ تحقیق رہ بری
پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ : اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں کعبۂ تحقیق کا راستہ نصیب ہو تو گم کردہ راہ کی تقلید میں نہ چلنا۔

ف : مرتبۂ عیان تک پہنچنے کے بعد ظاہری علوم کی کتب کا شغل متروک ہوجاتا ہے کیونکہ کتابیں وصول الی العیان کا سبب ہیں جب مقصود حاصل ہوجائے تو پھر سبب کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ چوں شدی بر بام ہائے آسمان
سرد باشد جست و جوئے نردبان

۲ آئنہ روشن کہ شد صاف و جلی
جہل باشد بر نہادن صیقلی

۳ پیش سلطان خوش نشستہ در قبول
زشت باشد جستن نامہ و رسول

ترجمہ : (۱) جب تم آسمان پر پہنچ جاؤ تو پھر سیڑھی کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۲) جب شیشہ صاف و شفاف ہو تو اس پر صیقل کی ضرورت محسوس کرنا جہالت ہے۔

(۳) جب بادشاہ کے ہاں قرب و قبول میسر ہوجائے تو پھر اس کے ہاں کسی قسم کا خط یا قاصد بھیجنا حماقت ہے۔

ف : اسی مقام پر پہنچ کر کامل انسان عوام کے ساتھ جدل و خصومت سے فارغ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ علم حقیقی کے بعد جنگ و جدال کیسا! اور پھر اس وقت شیطان کی اتباع کو گنجائش کہاں! اس لیے کہ جس خوش قسمت کو ذاتِ حق کے ہاں پہنچنا نصیب ہوجائے تو وہ ہر قسم کے شیطان کی شرارت سے محفوظ ہوجاتا ہے اس لیے کہ وہاں شیطان کیسے پہنچ سکتا ہے! اور وہ امن کا مقام ہے وہاں وسواس خناس کا شر نہیں آسکتا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ شب و روز تزکیۂ نفس اور صحتِ افکار کے لیے جدّ و جہد کرے۔ دراصل یہی جہادِ اکبر ہے، کیونکہ نفس انسان کے باطنی دشمنوں سے ہے اور ایسے دشمن سے بچنا نہایت مشکل ہے ؎

نفس از درون و دیو ز بیرون زند رہم
از مکر این دو رہزن پرحیلہ چوں کنم

ترجمہ : نفس اندر سے اور شیطان باہر سے میرا راہ مارتے ہیں میں ان دو پُرحیلہ دشمنوں سے کس طرح بچ سکتا ہوں۔

ہم اللہ سبحانہٗ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اعدائے شر سے محفوظ فرمائے اور ہمیں حقِ صریح کا تابعدار بنائے کہ اس کے سوا ہمارا کوئی چارہ نہیں، وہی ہماری عظیم ترین امیدگاہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے اہلِ مکہ یعنی اے منکرینِ بعث و نشر! اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ البعث بمعنے زمین سے نکال کر موقف کی طرف لے جانا۔ اگرچہ شک کرنے والے کثیر لوگ تھے۔ لیکن اسے حرفِ اِنْ سے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ مقام ایسا ہے کہ جہاں شک وارتیاب کی کوئی گنجائش نہیں اور اسے کم از کم شک کرنے والا بالفرض محال تو کہہ کر سمجھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم شک میں ہو کہ قیامت میں اٹھنا ہے اور تمہیں اب بھی شک ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے تو یاد کرو فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ یہ جملہ شرط کی جزا نہیں کیونکہ جزا شرط سے پہلے نہیں آتی اور ظاہر ہے کہ تخلیقِ انسانی ان کے شک ہونے سے پہلے ہے، ہاں اسے جزاء محذوف کی علت کہا جا سکتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے منکرو! اپنی تخلیق کے آغاز کو دیکھ لو تاکہ تمہارے شکوک وشبہات زائل ہوں، یعنی ہم نے تم سب کو اجمالی طور پہلے بنایا مِّنْ تُرَابٍ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ضمن میں تمہیں بھی مٹی سے (اجمالاً پیدا فرمایا)۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ نے زمین کو نرم نرم بنایا تاکہ تم اس کے کاندھوں پر چلو۔ اور آدم علیہ السلام کی اولاد کو مٹی سے پیدا کیا گیا تاکہ انھیں اسی مٹی کی وجہ سے تواضع کا درس نصیب ہو۔ لیکن بدبختوں نے اسے نہ سمجھا بالآخر نخوت وتکبر کا شکار رہوئے اور اللہ تعالیٰ نے قانون بنایا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ ہرگز بہشت میں داخل نہ ہو گا۔

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ پھر ہم نے تمہیں نطفہ سے بنایا۔ نطفہ صاف پانی کو کہا جاتا ہے قلیل ہو یا کثیر۔ اور انسان کی منی کو نطفہ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ فرج سے نکل کر بہتی ہے۔ نطف الماء سے مشتق ہے بمعنے سَالَ۔ یا النطف سے ہے بمعنے الصب۔ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ پھر علقہ سے۔ علقہ خون کا وہ منجمد ٹکڑا جو منی سے ہو ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ پھر مضغہ سے۔ مضغہ گوشت کے اس ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جو منجمد منی سے ہو، اور یہ دراصل گوشت کی اس مقدار کا نام ہے جسے چبایا جا سکے۔ مُّخَلَّقَةٍ مجرور ہے اور مضغہ کی صفت ہے یعنی ہر وہ شے جس کی تخلیق کا نقشہ کھل کر سامنے آجائے وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ اور وہ جس کی تخلیق اور نقشہ ظاہر نہ ہو اس سے مضغہ کے حال کی تفصیل ہے اور واضح کرنا ہے کہ انسان پہلے گوشت کا ایک لوتھڑا ہوتا ہے کہ اس وقت اس کا کوئی عضو بھی ظاہر نہیں ہوتا اس کے بعد اعضا کا ابتدائی نقشہ ظاہر ہوتا ہے جو اب بھی مکمل تخلیق کے مطابق نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کی تخلیق کی تکمیل کے بعد ہی اس کے اعضاء کو ملکہ یعنی مکمل نقشہ حاصل ہوتا ہے۔ (کذا فی الارشاد)

ف: ہماری اس تقریر کی تائید حضرت نجم الدین کی تاویلات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مخلقة بمعنے وہ ڈھانچۂ انسانی جس میں رُوح پھونکی گئی وغیر مخلقة یعنی وہ انسانی ڈھانچہ جس میں رُوح نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ بے شک تمہارے ایک کا تخلیقی مادہ جمع کیا جاتا ہے تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں۔

ف: حدیث شریف میں لفظ بطن کل بول کر جزء یعنی بچہ دانی مراد لی گئی ہے چالیس دن تک مادہ جمع کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نطفہ ماں کے پیٹ میں واقع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس سے کچھ پیدا فرمائے تو وہ نطفہ ماں کے رونگٹے رونگٹے یہاں تک کہ ماں کے ناخنوں اور بال بال میں پھیل جاتا ہے اسی طرح وُہ چالیس روز تک اسی حالت میں رہتا ہے اس کے بعد اسی کو خون کی صورت میں جمع کرکے بچہ دانی میں پہنچایا جاتا ہے۔ پہلی حدیث شریف میں جمع کرنے کا یہی معنیٰ ہے۔ اس کے بعد چالیس روز تک خُون رہتا ہے، چالیس دن کے بعد علقہ بنتا ہے۔ اسی طرح پھر چالیسویں دن کے بعد مضغہ، پھر چالیسویں دن اس میں رُوح پھونکنے کے لیے فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں رُوح پھونکتا ہے۔

ف: اس سے ثابت ہُوا کہ انسانی نقشہ دُوسرے چالیسویں کے بعد بنتا ہے اس لیے کہ نقشہ کشی اسی حالت میں ممکن ہے، اس سے قبل اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں لیکن عادۃً ممکن نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتے کو انسان کے لیے چار کلمات لکھنے کا حکم فرماتا ہے۔

ف: حدیث شریف میں لفظ کلمہ واقع ہے۔ اس سے قضاء وقدر کا ہر ایک علیحدہ علیحدہ باب مراد ہے۔ مثلاً وہ فرشتہ انسان کا رزق اور اجل یعنی اس کے عالمِ دنیا میں رہنے کے کل لمحات اور اس کے اعمال اور پھر یہ کہ وُہ بدبخت ہے یعنی ایسا کہ اس کے لیے دوزخ واجب اور نیک بخت یعنی اس کے لیے بہشت واجب ہوگی۔ یہ تمام باتیں اس کی ماں کے پیٹ کے اندر لکھی جاتی ہیں [1]

---

[1] یہ حدیث شریف ہمارے (اہلسنت والجماعت کے) ان دلائل میں سے ایک ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے طفیل دیگر محبوبوں کو ما فی الارحام کا علم عطا فرماتا ہے۔ اس پر فقیر اویسی کا رسالہ "ازالۃ الاوہام عن علوم ما فی الارحام" پڑھیے۔ سرِدست چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

○ ہمارے دلائل علم غیب کلی کے عموم میں یہ علم بھی ثابت ہے۔ علم کلی کے متعلق علماءِ کرام نے فرمایا:

اِنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمْ یَخْرُجْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَہُ اللّٰہُ بِجَمِیْعِ مُغَیَّبَاتِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ (تفسیر صاوی علی الجلالین تحت آیت یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا)

(ترجمہ: کہ حضور علیہ السّلام دنیا سے نہ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دُنیا اور آخرت کے سارے علم دے دیئے۔)

○ اور علومِ خمسہ کے متعلق بھی علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ:

وَلَکَ اَنْ تَقُوْلَ اِنَّ عِلْمَ ھٰذِہِ الْخَمْسَۃِ وَاِنْ کَانَ لَا یَعْلَمُھَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰہُ لٰکِنْ یَجُوْزُ اَنْ یُّعَلِّمَھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ مُحِبِّیْہِ وَاَوْلِیَآئِہٖ بِقَرِیْنَۃِ قَوْلِہٖ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ عَلٰی اَنْ یَّکُوْنَ الْخَبِیْرُ بِمَعْنَی الْمُخْبِرِ۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۵۰۸۔ تحت آیۃ آخری سورۃ لقمان)

(ترجمہ: اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں علوم کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، لیکن جائز ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے محبوبوں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ف : حدیث شریف میں لفظ شقی کی تقدیم اسی لیے ہے کہ اکثر لوگ بظاہر شقی ہوتے ہیں۔

(بقیہ ص ۲۰۷) اور ولیوں میں سے جس کو چاہے سکھائے اس قول کے قرینے سے کہ اللہ تعالیٰ جاننے والا بتانے والا ہے خبیر بمعنی مخبر۔)

○ اور اولیاء کرام کے لیے فرمایا :

وَكَيْفَ يَخْفٰى اَمْرُ الْخَمْسِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْوَاحِدُ مِنْ اَهْلِ التَّصَرُّفِ مِنْ اُمَّتِهِ الشَّرِيْفَةِ لَا يُمْكِنُهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا بِمَعْرِفَةِ هٰذِهِ الْخَمْسِ۔ (الابریز شریف ص ۲۸۳)

(ترجمہ : حضور علیہ السلام پر علوم خمسہ کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں جبکہ آپ کی امت کے کسی اہل تصرف کو تصرف ممکن نہیں جب تک کہ ان علوم خمسہ کی معرفت حاصل نہ ہو۔)

○ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

فَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْاٰيَاتِ الشَّرِيْفَةِ وَكَيْفَ يَخْفٰى عَلَيْهِ ذٰلِكَ وَالْاَقْطَابُ السَّبْعَةُ مِنْ اُمَّتِهِ الشَّرِيْفَةِ يَعْلَمُوْنَهَا وَهُمْ دُوْنَ الْغَوْثِ فَكَيْفَ بِالْغَوْثِ فَكَيْفَ بِسَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ الَّذِيْ هُوَ سَبَبُ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ۔ (الابریز شریف ص ۵۳۶)

(ترجمہ : حضور علیہ السلام پر ان پانچوں مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور مخفی کیوں کر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے سات قطب ان کو جانتے ہیں حالانکہ وہ غوث سے مرتبہ میں نیچے ہیں، پھر غوث کا کیا کہنا، پھر حضور علیہ السلام کا کیا پوچھنا جو تمام اولین و آخرین سارے جہاں کے سردار ہیں اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر چیز ان سے ہے۔)

○ سیدعلی الخواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے :

لَا يَكْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَنَا حَتّٰى يَعْلَمَ حَرَكَاتِ مُرِيْدِهٖ فِي اِنْتِقَالِهٖ فِي الْاَصْلَابِ وَهُوَ نُطْفَةٌ مِّنْ يَّوْمِ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اِلٰى اِسْتِقْرَارِهٖ فِي الْجَنَّةِ اَوْ فِي النَّارِ۔ (کبریت احمر ص ۱۶۵)

(ترجمہ : ہمارے نزدیک تو آدمی تب تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو اپنے مرید کی حرکتیں اس کے آباء کی پیٹھ میں معلوم نہ ہوں یعنی جب تک یہ معلوم نہ کرے کہ یوم الست سے کس کی پیٹھ میں ٹھہرا اور اس نے کس وقت حرکت کی یہاں تک کہ اس کے جنت اور دوزخ میں قرار پکڑنے تک کے حالات جانے۔)

○ تاج العارفین شیخ ابوالوفاؒ فرماتے ہیں :

لَا يَكُوْنُ الشَّيْخُ شَيْخًا حَتّٰى يَعْرِفَ مِنْ كَافٍ اِلٰى قَافٍ فَقِيْلَ لَهٗ مَا كَافٌ وَمَا قَافٌ فَقَالَ يُطْلِعُهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى جَمِيْعِ مَا فِي الْكَوْنَيْنِ مِنْ اِبْتِدَاءِ خَلْقِهٖ بِكُنْ اِلٰى مَقَامِ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ۔ (بہجۃ الاسرار، ص ۱۴۳)

(باقی برصفحہ ۲۰۹)

لِنُبَیِّنَ لَکُمْ یعنی ہم نے تمہیں عجیب طریقے سے پیدا فرمایا تاکہ ہم اس سے تمہیں بعث و نشر کا معاملہ واضح طور بتائیں کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۸) (ترجمہ: کوئی شخص اس وقت تک شیخ کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کاف سے قاف تک کی معرفت حاصل نہ کرلے۔ پوچھا گیا، کاف اور قاف کیا ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل اس (شیخ کامل) کو دونوں جہان کی تمام مخلوقات کی اطلاع دیتا ہے یعنی کلمۂ کُن سے پیدائش کی ابتدا سے لے کر دوزخ کے اس مقام تک کی اطلاع جہاں دوزخیوں کو کھڑا کر کے ان سے سوال کیا جائے گا۔)

یہ حضورؐ کے غلاموں کا علم ہے، جس آقا کے غلاموں کا اتنا علم ہو کہ وہ ابتدائے آفرینش خلق سے لے کر مخلوق کے جنت اور دوزخ میں جانے تک کے تمام حالات جانتے ہیں اس آقا کا اپنا علم کتنا ہوگا!

○ صاحب تفسیر عرائس البیان آیت وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ کے ماتحت فرماتے ہیں:

وسمعت ایضاً من بعض الاولیاء اللہ انہ اخبر ما فی الرحم من ذکر و انثیٰ ورایت بعینی ما اخبر۔ (التفسیر عرائس البیان)

(ترجمہ: میں نے بعض اولیاءاللہ سے یہ بھی سنا کہ انہوں نے ما فی الرحم کی خبر دی کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ اور میں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ انہوں نے جیسی خبر دی ویسا ہی وقوع میں آیا۔)

دلائل سے ثابت ہوگیا کہ ملائکہ، صحابہ اور اولیاءاللہ کو بھی ما فی الارحام کا علم عطا ہوتا ہے۔ تو پھر حضور امام الاولین والآخرین سے یہ علم کیونکر مخفی رہ سکتا ہے جبکہ وہ تمام مخلوقات سے افضل اور اعلم ہیں۔ اور یہ صرف قیاس آرائی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے علوم ما فی الارحام عطا فرمائے جس کے شواہد ان گنت ہیں۔

○ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خبر دی، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے آج شب ایک نہایت ناپسند خواب دیکھا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیا؟ عرض کیا: وہ بہت سخت ہے۔ فرمایا: ہے کیا؟ عرض کیا: میں نے دیکھا کہ گویا ایک ٹکڑا حضور والاؐ کے جسم اقدس کا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھا گیا۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَاَیْتِ خَیْرًا تَلِدُ فَاطِمَۃُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ غُلَامًا یَکُوْنُ فِیْ حَجْرِکِ فَوَلَدَتْ فَاطِمَۃُ الْحُسَیْنَ فَکَانَ حَجْرِیْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۲)

(ترجمہ: تُو نے اچھا خواب دیکھا ہے ان شاء اللہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ہاں لڑکا ہوگا اور وہ تیری گود میں ہوگا پس حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حسین کو جنا پس میری گود میں آیا جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

وہ ذات جو تمہیں مٹی سے پیدا کر سکتی ہے جبکہ اس وقت تمہارے اندر زندگی کی بو بھی نہیں تھی وہی تمہیں بعث ونشر میں اٹھانے پر بھی قادر ہے ؎

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۹)

○ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیدا ہونے کی خبر سنائی، جو بعد میں پیدا ہوں گے۔ جو صحیح حدیثوں میں مذکور اور عوام الناس میں مشہور ہے۔ یہ خبر آپ نے لڑکا پیدا ہونے کی اس وقت دی جبکہ نطفہ باپ کی پیٹھ میں نہیں بلکہ اس سے بھی بہت پہلے۔ امام مہدی رضی اللہ عنہ کے متعلق تفصیل وتحقیق فقیر کی کتاب "امام مہدی" اور "آئینہ شیعہ نما" کی شرح میں ہے۔

○ عن انس قال مات ابن لابی طلحۃ من ام سلیم فقالت لاھلھا لا تحدثوا ابا طلحۃ با بنہٖ حتّٰی اکون انا احدثہٗ قال فجاء فقربت الیہ عشاءً فاکل وشرب قال ثم تصنعت لہ احسن ما کان تصنع قبل ذٰلک فوقع بھا فلما ان اتٰہ قد شبع واصاب منھا قالت یا ابا طلحۃ ارأیت لو ان قومًا اعاروا عاریتھم اھل بیتٍ فطلبوا عاریتھم الھم ان یمنعوھم قال لا قالت فاحتسب ابنک قال فغضب فقال ترکتنی حتی ثم اخبرتنی بابنی فانطلق اتٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارک اللہ لکما غابر لیلتکما قال فحملت۔
(رواہ مسلم فی فضائل ام سلیم رضی اللہ عنہا)

(ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوطلحہ کا بیٹا جو ام سلیم کے پیٹ سے تھا فوت ہوگیا انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا ابوطلحہ کو خبر نہ کرنا ان کے بیٹے کی، جب تک کہ میں خود نہ کہوں۔ آخر ابوطلحہ آئے۔ ام سلیم شام کا کھانا سامنے لائیں۔ انہوں نے کھایا اور پیا۔ پھر ام سلیم نے اچھی طرح بناؤ سنگھار کیا ان کے لیے، یہاں تک کہ انہوں نے جماع کیا ان سے۔ جب ام سلیم نے دیکھا کہ وہ سیر ہو گئے اور ان کے ساتھ صحبت بھی کر چکے۔ اس وقت انہوں نے کہا اے ابوطلحہ! اگر کچھ لوگ اپنی چیز کسی گھر والے کو مانگنے پر دیویں پھر اپنی چیز مانگیں، تو کیا گھر والے اس کو روک سکتے ہیں؟ ابوطلحہ نے کہا، نہیں روک سکتے۔ ام سلیم نے کہا تو میں تم کو خبر دیتی ہوں تمہارے بیٹے کے فوت ہو جانے کی۔ یہ سن کر ابوطلحہ غصے ہوئے اور کہنے لگے تو نے مجھ کو خبر نہ کی، یہاں تک کہ میں آلودہ ہوا اب مجھ کو خبر کی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے تمہاری گزری ہوئی رات میں ام سلیم حاملہ ہو گئیں۔

ف: حدیث شریف سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کو ایک خفیہ بات کی خبر دے کر اس کی بیوی کے لیے حاملہ ہونے کی اطلاع دی۔ چنانچہ اسی روایت میں ہے کہ "فولدت غلامًا" تو بی بی کو بچہ پیدا ہوا۔

(باقی بر صفحہ ۲۱۱)

بعث انسان گر نشد زدت عیان
اوّل خلقش نگر بذا بیان
ہرکہ بر ایجاد او قادر بود
قدرتش بر بعث او ظاھر شود.
اوست خلاقے کہ از بعد خزاں
میکند پیدا بہارِ بوستان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۰)

اور یہ کمال نہ صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود تھا بلکہ آپ کے فیضانِ کرم سے آپ کے فیض یافتگان اور آپ کی اُمت کے اولیاءِ کرام کو بھی حاصل تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

○ عن عُروۃ قال لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجُلاً من اھل البادیہ وھو یتوجہ الی بدر لقیہ بالروحاء فسألہ القوم عن خبرالناس فلم یجدوا عندہٗ خبراً فقالوا لہ سلّم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فقال اوفیکم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قالوا نعم قال الاعرابیّ فان کنت رسول اللہ فاخبرنی ما فی بطن ناقتی ھٰذہٖ فقال لہٗ سلمۃ بن سلامۃ بن دوقش وکان غلاماً حدثا لا تسأل رسول اللہ انا اخبرك نزوت علیہ فھی بطنھا سخلۃٌ منك۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۳ ص ۴۱۷ وقال ھذا صحیح مرسل وحکاہ ھشام فی سیرتہٖ ونقلہ الدمیری فی حیٰوۃ الحیوان)

(ترجمہ: عُروہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی جنگ کو جا رہے تھے تو مقامِ روحاء پر ایک بدوی ملا اس سے صحابہؓ نے کچھ حالات پُوچھے لیکن اس نے کچھ نہ بتایا پھر اسے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیجئے۔ کہا کیا تم میں رسول ہے؟ صحابہ کرام نے کہا ہاں۔ اعرابی بدوی نے کہا بتاؤ میری اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پُوچھو میری طرف متوجہ ہو، میں تجھے خبر دیتا ہُوں کہ اس کے پیٹ میں تیری حرکتِ نالائق کا نتیجہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خاموش۔ اور وہ اعرابی حیران رہ گیا۔)

اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے نو عمر صحابی نے پیٹ کا حال بتادیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کا یہ سوال سن کر خاموشی فرمائی تاکہ اس کی نالائق حرکت کا پردہ فاش نہ ہو۔ لیکن اس نے اعرابی کو یہ بتا دیا کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں کس کا علقہ ہے۔

حضور سیدالمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رؤف رحیمی پر قربان جنہوں نے علم ہونے کے باوجود اس اعرابی کا پردہ

(باقی ص ۲۱۲ پر)

ترجمہ : قیامت کے دن انسان کا اُٹھنا اگر تمہیں معلوم نہیں تو اللہ تعالیٰ کی اوّل تخلیق پر غور کیجئے کہ وہ اس بارہ میں بہتر دلیل ہے۔ جو ذات ایجادِ عالم پر قادر ہے وہ قیامت میں اٹھانے پر بھی قدرت رکھتی ہے کیونکہ وہ ہر شے کی خالق ہے۔ دیکھئے خزاں کے بعد بہار آتی ہے اور باغ بن جاتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۱) فاش کرنا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت سلمہ صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ خبر دے دینا اسی بات کی دلیل ہے کہ آقائے دو عالم کے علم کی شان تو بہت بلند ہے لیکن ان کی بدولت غلاموں کو بھی ما فی الارحام کا علم ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اعرابی حیران ہو گیا۔

○ عن عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت ان ابا بکرؓ الصدیق کان نحلھا جاد عشرین وسقًا من مالہ بالغابۃ فلما حضرتہ الوفاۃ قال واللہ یا بنیّۃ ما من احدٍ احب الیّ غنیً بعدی منك ولا اعزّ علیّ فقراً بعدی منك وانی کنت نحلتك جاد عشرین وسقًا فلو کنت جددتیہ واخترزیتہ کان ذلك وانما ھو الیوم مال وارث وانما ھما اخواك واختاك فاقسموہ علی کتاب اللہ قالت عائشۃ یا ابت واللہ لو کان کذا وکذا لترکتہ انما ھی اسماء فمن الاخری قال ذو بطن ابنۃ خارجۃ اُراھا جاریۃ۔ (رواہ البیہقی ج ۶ ص ۱۷۰ ۔ والطحاوی ج ۲ ص ۲۴۵ ۔ تاریخ الخلفاء ص ۶۱ ۔ اصابہ ص ۲۸۶)

(ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک درخت کھجور کا دے دیا تھا جس سے بیس وسق کھجوریں حاصل ہوتی تھیں۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے بیٹی! خدا کی قسم مجھے تیرا غنی ہونا بہت پسند ہے اور غریب ہونا بہت ناگوار۔ اس درخت سے اب تک جو کچھ تم نے نفع اٹھایا ہے وُہ تمہارا تھا لیکن میرے بعد یہ مال وارثوں کا ہے اور وارث تمہارے صرف دو بھائی اور دونوں بہنیں ہیں اِس ترکہ کو موافق حکم شرع کے تقسیم کر لینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایسا ہو سکتا ہے لیکن میری تو صرف ایک بہن اسماء ہی ہیں آپ نے دوسری کون سی بتا دی؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا: ایک تو اسماء ہیں، دوسری بہن ماں کے پیٹ میں ہے، میں جانتا ہُوں کہ وُہ لڑکی ہے۔ پس اُمّ کلثوم پیدا ہوئیں۔)

ایسے بے شمار واقعات اولیائے کرام کے ہیں صرف ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

○ استاذ الکل حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بستان المحدثین (ص ۱۱۴) میں فرماتے ہیں:

نقل می کنند کہ والد شیخ ابن حجر را فرزند می زلیست کشیدہ خاطر بحضور شیخ رسید۔ شیخ فرمود از پشتِ تو فرزند می خواہد برآمد کہ بعلم دنیا را پُر کند۔

(یعنی شیخ ابن حجر عسقلانی کے والد ماجد کی اولاد زندہ نہیں رہا کرتی تھی ایک روز رنجیدہ ہو کر اپنے شیخ کے حضور میں پہنچے۔ شیخ نے فرمایا کہ تیری پشت سے ایسا فرزند ارجمند پیدا ہوگا کہ جس کے علم سے دنیا بھر جائے گی) چنانچہ ابن حجرؒ پیدا ہوئے۔

وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ یہ جملہ مستانفہ ہے ان کی تخلیق کی تکمیل کے بیان کے بعد اب ان کے بعض حالات کو بیان فرمایا یعنی جتنی مدت ہم تمہارے لیے چاہتے ہیں تمہیں ماؤں کے پیٹوں میں ٹھہراتے ہیں اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی میعاد مقرر تک۔ اس سے وضع حمل کی مدت مراد ہے۔

پیٹ میں بچّہ کے ٹھہرنے کی مدّت تمام ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیٹ میں بچہ کے ٹھہرنے کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو سال اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چار سال اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک پانچ سال ہے۔

ف : مروی ہے کہ ضحاک بن مزاحم تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ ماں کے پیٹ میں دو سال اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ تین سال ٹھہرے (کذا ذکرہ السیوطی)۔

ف : امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی ہمسایہ عورت نے بارہ سال میں تین بچے جنے، جن میں سے ہر ایک ماں کے پیٹ میں چار سال ٹھہرا تھا۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ جن بچوں کے لیے ماں کے پیٹ کے اندر اللہ تعالیٰ ٹھہرانا نہیں چاہتا تو وہ بچہ کچا گر جاتا ہے۔

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ ماں کے پیٹ کے اندر ٹھہرانے اور تمہاری مدت کی تکمیل کے بعد ہم تمہیں نکالتے ہیں طِفْلًا بچے بناکر، کہ تم اپنے معاملات کو طے نہیں کر سکتے کیونکہ اس وقت تم نہایت کمزور ہوتے ہو۔

سوال : اطفالاً کے بجائے طفلاً کیوں کہا گیا؟

جواب : یہاں جنس واقع ہوا ہے جس میں ایک بھی مراد ہو سکتا ہے اور متعدد بھی۔ یا کل واحد منھم کے معنے میں ہے۔

ف : ہر وہ بچہ جو پیدائش کے بعد جب تک کھانے پینے کی قدرت نہ رکھے اس وقت تک اسے طفل کہا جائے گا۔ (کذا فی المفردات)

ف : مولانا فناری رحمہ اللہ الباری نے تفسیر الفاتحہ میں لکھا کہ ہر وہ بچہ جو پیدائش کے بعد چیخ مارے اور یہاں تک کہ چھ سال کا ہو جائے اسے طفل کہا جائے گا۔

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ یہ لنخرجکم کی علت اور اس کا علت آخرہ پر عطف ہے اور اسی کی مناسبت سے اس کا اس پر عطف ڈالا گیا ہے۔ گویا عبارت یوں تھی : ثم نخرجکم لتکبروا شیئاً فشیئاً ثم لتبلغوا کمالکم الخ یعنی تمہیں ماں کے پیٹ سے نکالا تاکہ تم بتدریج بڑے ہو کر اپنے عقل و قوت و تمیز کے کمال کو پہنچو۔ اور یہ تیس و چالیس کی درمیانی عمر کو کہا جاتا ہے اور قاموس میں ہے کہ یہ اٹھارہ سال سے تیس سال کو کہتے ہیں اور اشد واحد کا صیغہ ہے لیکن جمع کے وزن پر آیا ہے، جیسے لفظ آنک واحد کا صیغہ جمع کے وزن پر واقع ہوا ہے۔ اس صیغہ کی کوئی اور نظیر نہیں۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى اور تم میں بعض وہ ہوتے ہیں جن کی روحیں سنِ بلوغ سے پہلے قبض کی جاتی ہیں، یا وہ بلوغ کے تھوڑی سی مدت بعد مر جاتے ہیں۔

المتوفی بمعنے الموت۔ چنانچہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

توفاہ اللہ بمعنے قبض روحہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی رُوح قبض کر لی۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ اور بعض تم میں وُہ ہیں جنھیں رذیل ترین عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے اس سے بڑھاپا اور انتہائی زندگی مراد ہے۔ اور الرذل والرذال سے وُہ شے مراد ہوتی ہے جس سے اس کے رذی ہونے کی وجہ سے طبیعت کو سخت نفرت ہو اور وُہ مدت جو بدن میں رُوح کی وجہ سے معمور رہتی ہے اسے عمر کہا جاتا ہے لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا تاکہ اس عمر تک پہنچنے کے بعد کسی شے کو نہ جان سکے حالانکہ اس سے قبل بہت سی معلومات رکھتا تھا اس میں اس کے علم کی کمی اور اس کی زبوں حالی میں مبالغہ مطلوب ہے ورنہ وہ اس عمر میں انسان کی حالت بچے سی ہو جاتی ہے گویا وہ بڑھاپے میں بچپن کی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے مثلاً جسمانیت کی کمی اور عقل کی کمزوری اور فہم کی قلت وغیرہ۔ اس عمر سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بہت سے اپنے کیے ہُوئے اعمال کو بھول جاتا ہے اور بہت سی جانی پہچانی چیزوں کا انکار کر جاتا ہے۔ بہت سے وہ امور کہ جن پر قدرت رکھنے کے باوجود اب عجز کا یہ حال ہوتا ہے کہ چلتے وقت لڑکھڑاتا ہے سورۂ نحل میں اسی کے متعلق تحت آیت واللہ خلقناکم ثم یتوفٰکم میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ شیخ سعدی قدّس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

طرب نوجوان ز پیر مجوی
کہ دگر نایدآب رفتہ بجوی
زرع را چوں رسید وقت درو
نخرامد چنانکہ سبزۂ نو

ترجمہ: نوجوان کی خوشی کی باتوں کو بوڑھے سے مت تلاش کر، اس لیے کہ نہر کا گیا ہوا پانی واپس نہیں آتا۔ کھیتی کے کاٹنے کا وقت جب پہنچتا ہے تو وہ نئے سبزے کی طرح نہیں ہوتی۔

اور فرمایا:

۱ چو دوران عمر از چہل در گزشت
مزن دست و پا کاب از سر گزشت
۲ بسبزی کجا تازہ گردد دلم
کہ سبزی نخواہد دمید از کلم
۳ تفرج کناں در ہوا و ہوس
گزشتیم بر خاک بسیار کس

۴ کسانی کہ دیگر بغیبت اندرند
بیایند و بر خاک ما بگذرند

۵ دریغا کہ فصل جوانی گزشت
بلہو و لعب زندگانی گزشت

۶ چہ خوش گفت با کودک آموزگار
کہ کاری نکردیم و شد روزگار

ترجمہ : (۱) جب دورِ زندگی چالیس سال سے گزر جائے تو ہاتھ پاؤں مت مار کیونکہ اب پانی سر سے گزر گیا۔
(۲) سبزی سے میرا دل کب تازہ ہو سکتا ہے اس لیے کہ میری مٹی سے اب سبزی پیدا نہ ہو سکے گی۔
(۳) لوگوں کی قبور پر ہنسی و مذاق کرتے ہُوئے ہم گزرے۔
(۴) جو ابھی پیدا نہیں ہُوئے وہ بھی ایسے ہی ہماری قبروں سے گزریں گے۔
(۵) افسوس کہ جوانی کی بہار گزر گئی۔ لہو ولعب میں زندگی گزر گئی۔
(۶) استاد نے لڑکے سے کیا خوب فرمایا کہ ہم نے کوئی کام نہ کیا اور ہمارا وقت گزر گیا۔

نسخہ روحانی نسفی نے کشف الحقایق میں لکھا کہ اے درویش! علم سے پہلے جہالت دوزخ ہے اور جہل کے بعد علم بہشت ہے اس لیے کہ علم سے پہلے جہالت حرص وطمع کا سبب اور جہل کے بعد علم رضا و قناعت کا سبب ہے۔

فائدہ صُوفیانہ عرائس البقلی میں ہے کہ ارذل العمر سے مشاہدہ کے بعد ایام مجاہدہ اور مواصلت کے بعد ایام فترۃ مراد ہے تاکہ علم کے باوجود اسے ان احوال شریفہ اور مقاماتِ رفیعہ کا علم نہ ہو جو اس پر گزرے ہیں اور محققین پر غیرۃ حق کی وجہ سے ہے یہ اس وقت ہے جب وہ دعاوی کثیرہ سے اپنے اسرار و رموز ظاہر کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ اور اس کے فضل وکرم کا اضافہ چاہتے ہیں تاکہ وُہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں نفس کے فتنے اور اس کے شر سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ کائنات بمنزلہ بچّوں کے اور عدم بمنزلہ ماں کے ہے اور یہ کائنات اسی عدم کے پیٹ میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جتنے ایام مقرر فرمائے ہیں اس کائنات نے اتنی مدت عدم میں گزاری اور جو بھی عدم سے عالمِ دنیا میں آیا اس کے لیے میعاد مقرر فرمائی اور ان میں سے ہر ایک کی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا و مشیّت پر مبنی ہے۔ اس کی حکمت کے تقاضا کے مطابق ہوتا ہے کوئی بھی عدم کے رحم سے خارج نہیں ہوتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے مطابق ظاہر ہوتا ہے اور اسی کی زندگی کے لحاظ سے بھی

مشیتِ حق کے مطابق مکمل ہوتے ہیں۔

تردیدِ فلاسفہ اس سے فلاسفہ کا ردّ ہو گیا وُہ کہتے ہیں کہ عالم قدیم ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایجادِ عالم کے لیے ازل میں اسبابِ الٰہیہ باکمال تھے۔ اگر ہم کہیں کہ ازل میں اسبابِ الٰہیہ نہیں تھے تو نقص لازم آتا ہے اور نقص شانِ الٰہیہ کے لائق نہیں۔ اگر ہم کہیں کہ ازل میں اسبابِ الٰہیہ بالکمال بلاصانع موجود تھے۔ اس سے ایجادِ عالم فی الازل بلا تقدم زمانی صانع علی المصنوع لازم آتا ہے بلکہ یُوں کہو کہ اس سے تقدم رتبی لازم آتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آیت میں دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں موجود تھا اور اس کے ساتھ اور کوئی شے نہیں تھی اور اسے قدرت ہے جسے چاہے جیسے چاہے پیدا کرے۔ ہاں ازل میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ حکمتِ ازلیہ کے مقتضیٰ کے مطابق ایک وقت میں عدم سے کائنات کو ظاہر فرمائے اگرچہ اس عالم کے وجود سے پہلے بھی کوئی وقت وغیرہ نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں ان ایام کی مقدار مقدر تھی جس میں نہ صبح تھی نہ شام۔ کما قال تعالیٰ: وذکرھم بایام اللہ۔ اور فرمایا: تخرجکم الخ اس میں اشارہ ہے کہ کائنات کا ہر وہ ذرہ عدم سے ظاہر ہُوا کہ جس کے متعلق تربیت کی استعداد تھی پھر اسے بتدریج کمال نصیب ہوا ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں جو کمال کو پہنچنے سے پہلے مٹ جاتے ہیں اور ان میں بعض اپنے کمال سے متجاوز ہو کر کمال کی نقیض کی طرف لوٹتے ہیں، یہاں تک کہ اس میں کمال کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا۔ لکیلا یعلم من بعد علم شیئا کا یہی معنیٰ ہے ؎

دفتر دانش من جملہ بشوئید بمی
تا شود از نم فیض ازلی جانم حی

ترجمہ: دانائی کے تمام دفتر شرابِ حقیقت سے دھو ڈالو تاکہ فیض ازلی کی تروتازگی سے میری جان زندہ ہو۔

تفسیر عالمانہ وَتَرَى الْأَرْضَ اور زمین کو دیکھتے ہو۔ یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جس میں رویت کی صلاحیت ہو یہ بعث ونشر کی دُوسری حجت ہے هَامِدَةً ویران اور خشک۔ یہ ھمدات النّار سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے جل کر راکھ ہو جائے فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ پس اچانک ہم نے اس پر پانی یعنی بارش نازل فرمائی اهْتَزَّتْ تو انگوری سے حرکت میں آجاتی ہے اھتزاز بمعنے وہ حرکت جو بہجت وسرور سے ہو۔ اھتز فلان نکیت وکیت یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی میں محاسن ومنافع کی رونق آجائے وَرَبَتْ اور پھُول جاتی اور بڑھ جاتی ہے یہ ربا، یربو، رباء سے مشتق ہے بمعنے ازداد ونما۔ اور کہا جاتا ہے الفرس ربوا! یہ اس وقت بولتے ہیں جب گھوڑا دشمن یا کسی دیگر خوف سے پھُول جائے (کذا فی القاموس)۔ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ اور اگاتی ہے ہر قسم کے جوڑے۔ بھیج، البھجۃ بمعنے اچھے رنگ والی شے۔ اور ہر اس شخص پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس سے سرور وفرحت ظاہر ہو۔ اور اہلِ عرب کہتے ہیں:

ابتھج بکذا سرورا بمعنے اثرہ فی وجھہ۔ یعنی سرور وفرحت کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ زمین ایسی پُر رونق ہو جاتی ہے کہ اسے دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالےٰ زمین کو تر و تازہ اور بہتر اور پُر رونق کرتا ہے اور وہ ویران زمین کو زندہ کرنے پر قادر ہے تو مُردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے ؎

آنکہ پے دانۂ نہال افراخت　　　دانۂ ہم شجر تواند ساخت

گر نابودہ را بقدرت بود　　　چہ عجب گر دہد بہودہ وجود

ترجمہ: وہ ذات جو دانہ سے بڑا درخت بنا سکتی ہے وہی درخت سے دانہ بھی پیدا کر سکتی ہے۔ اگر وہ ذات اپنی قدرت سے نیست کو ہست بناتی ہے تو اس سے کب بعید ہے کہ وہ ہست کو وجود بخشے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ ذٰلك کا اشارہ صنع بدیع کی طرف راجع ہے۔ یعنی انسان کی تخلیق اطوار مختلفہ پر اور انسان کی تعریف اطوار متباینہ میں، اور ویران زمین کا آباد ہونا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ هُوَ الْحَقُّ حق ہے وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى اور وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے یعنی اس کی شان اور عادتِ کریمہ یہ ہے کہ وُہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے احیاء پر قادر ہے۔ ابتدائً یعنی عدم کو وجود بخشا تو اسی نے اور پھر مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھاتا ہے تو اسی نے۔ اور دیکھو تو کہ نطفۂ منی سے کتنی حسین صورتیں بنیں اور بنتی رہیں گی۔ اور ویران زمین کو تازگی اور رونق بخشی اور بخشتا رہے گا۔ وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ قدیر بمعنے بہت بڑی قدرت والا، اور اس کی سب سے بڑی قدرت کی دلیل کل موجودات کی تخلیق و ایجاد ہے وَ اَنَّ السَّاعَةَ اور بے شک قیامت اٰتِیَةٌ آنے والی ہے یعنی عنقریب آئے گی جس میں نیک کو احسن جزا اور بُرے کو سخت سزا ملے گی لَا رَیْبَ فِیْهَا اس میں کسی قسم کا شک نہیں کیونکہ اس کی آمد کی دلیلیں واضح اور اس کا معاملہ ظاہر ہو چکا ہے، اور یہ انّ کی دُوسری خبر ہے وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ اور بے شک اللہ تعالیٰ اٹھائے گا یعنی اپنے وعدہ کے مقتضیٰ پر اٹھائے گا اس لیے کہ اس کے وعدے کا خلاف نہیں ہو سکتا مَنْ فِی الْقُبُوْرِ یہ قبر کی جمع ہے بمعنے وُہ جگہ جہاں مُردے کو دفنایا جاتا ہے اور البعث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قبروں سے سب کو اٹھائے گا یعنی ان کے اصلی اجزاء جمع کر کے ان کے اندر رُوح لوٹائے گا۔

فلاسفہ اور کمیونسٹوں کی تردید فلاسفہ اور منکرینِ اسلام کہتے ہیں کہ قبروں سے کیسے اٹھایا جائے گا جبکہ یہ تمام اجسام ریزہ ریزہ ہو کر معدوم ہو جائیں گے اور معدوم کا اعادہ ممتنع ہے۔

جواب: ہم اہلِ اسلام ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اجزاء کو جمع فرمائے گا جو انسان کے اصلی اجزاء ہیں اور وہ اوّل العمر سے لے کر آخر المدۃ تک باقی اور موجود ہوتے ہیں انہی کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اسے اعادۃ المعدوم سے کوئی تعبیر کرتا ہے تو وہ اس کی اپنی اصطلاح ہے ورنہ ہماری تقریر واضح ہے اور اسے اعادۃ المعدوم کہنا انصاف کا خون کرنا ہے۔

سوال: اجزاء ماکولہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

جواب: ہم ان اجزاء ماکولہ کو فضلہ سے تعبیر کرتے ہیں یہ انسان کے اصلی اجزاء میں داخل نہیں اگر کوئی ان کو اجزاء اصلیہ میں داخل نہیں کرتا تو ہم اس کے ساتھ ہیں ہم فلاسفر (اور کمیونسٹوں) کو اجزائے اصلیہ کے اعادہ کی بات کرتے ہیں اور وہ حق ہے اور اسے منصف مزاج مانتے بھی ہیں ہم اجزائے ماکولہ کو نہ اجزائے اصلیہ میں داخل کرتے ہیں اور نہ ان سے ہماری گفتگو ہے اگر کسی کو غلط فہمی ہے تو وہ ہمارے اصول کو پہلے سمجھے پھر اعتراض کرے۔

ف: مروی ہے کہ جب ہم سب قیامت میں اٹھیں گے تو اس وقت آسمان سے ایک پانی برسے گا جو منی کے مشابہ ہوگا، اسی سے ہی آخرت میں انسانی نشوونما ہوگی۔ اسے دنیا کی نشوونما پر قیاس کیجئے کہ وہ نطفہ جو بحرِ حیات سے گر کر آباد کے اصلاب میں پہنچا وہاں سے منتقل ہو کر امّہات کے ارحام میں واصل ہوا انسانی ڈھانچہ بن گیا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہماری پہلی تخلیق ایسے طریقہ سے فرمائی کہ جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی پھر اسے ایسی بہترین ترکیب میں ظاہر فرمایا کہ عقل حیرت زدہ ہے ایسے ہی ہماری دیگر نشوونما ایسے طریقے سے فرمائے گا جس میں مثالِ ماسبق کو دخل نہ ہوگا۔ فرق صرف یہ ہے کہ آخرت میں یہ نشوونما محسوس ہوگی، اور پہلی نشوونما غیر محسوس تھی۔ اس تقریر پر معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی ریڑھ کی ہڈی سے تمام جسم کے ڈھانچے کو بڑھائے گا اور وہ ریڑھ کی ہڈی اسی دنیوی نشأۃ سے ہوگی اور یہی انسانی اجزاء کی اصل ہے اور اسی پر آخرت کی نشأۃ کا دارومدار ہے۔

فائدہ صوفیانہ جیسے اللہ تعالیٰ ویران زمین اور انسان کے معدوم ڈھانچہ کو پانی سے زندہ فرماتا ہے ایسے ہی زنگ آلود قلوب کو معنوی آب سے زندہ فرماتا ہے اور معنوی پانی سے اذکار و انوارِ ہدایت مراد ہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے دل کو انوارِ طاعات و اذکارِ الٰہیہ سے منوّر اور زندہ کرے تاکہ اس کا دل شرکِ جلی و خفی کے ظلمات اور دیگر شکوک و شبہات سے نجات پائے۔

رَدِّ وہابیہ معتزلہ اور نجدیہ دیوبندیہ[1] اس میں شک نہیں کہ قبر میں میّت زندہ لوگوں کی دُعا سے نفع پاتی ہے۔ ایسے ہی رُوح کو اعضائے انسانی اور قوائے جسدانی سے قوّت نصیب ہوتی ہے تو روح مقامِ اعلیٰ کی طرف ترقّی پاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے طفیل اس سے حیاۃ ابدیہ کا سوال کرتے ہیں سے

اگر ہوشمندی بمعنیٰ گرائے

کہ معنیٰ بماند نہ صورت بجائے

ترجمہ: اگر تم دانا ہو تو حقیقت کی طرف مائل ہو اس لیے کہ حقیقت برقرار رہے گی اور صورت فنا ہو کر مٹ جائے گی۔

---

[1] یہ عنوان ہم نے اس لیے قایم کیا ہے کہ وہابی دیوبندی اور اس کی شاخیں بظاہر مانتے ہیں کہ مُردوں کو زندہ لوگ فائدہ پہنچا سکتے ہیں لیکن ان کا طرزِ عمل اور معاملات وہی ہیں جو معتزلہ اور نجدیوں کے ہیں۔ آزما کر دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

وَمِنَ النَّاسِ اس سے ابوجہل وغیرہ مراد ہے مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ اپنے جھگڑے میں " بِغَيْرِ عِلْمٍ " علم سے کورے ہیں نہ انہیں ضروری علم نصیب ہے نہ بدیہی اور فطری وَلَا هُدًى اور نہ انہیں ہدایت حاصل ہے کہ جس سے کسی حقیقت کے لیے استدلال کر سکیں اور نہ ان کے ہاں نظرِ صحیح ہے جو انہیں معرفت کی ہدایت دے یعنی ان کے ہاں کوئی ایسی دلیل نہیں جو انہیں منزلِ مقصود تک پہنچا دے وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ اور نہ ہی ان کے ہاں روشن کتاب ہے یعنی وحیِ الٰہی جو ان پر حق ظاہر کرے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ ان کے ہاں کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے وہ صواب و خطا کا امتیاز کر سکیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ جھگڑالو اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑتا ہے تو اس کے پاس نہ کوئی دلیل ضروری ہے اور نہ حجتِ نظری اور نہ برہانِ سمعی، بلکہ وہ اندھی تقلید میں گرفتار ہے اور قاعدہ ہے جو بھی کسی سے مناظرہ کرے اور اس کے پاس ان تینوں امور (دلیل ضروری ، حجۃ نظری ، برہان سمعی) میں سے کوئی ایک نہ ہو تو اسے جاہلوں کا باپ اور احمقوں کا سردار کہا جاتا ہے ۔ بلکہ یقین کیا جاتا ہے کہ گمراہی اور ضلالت اسی پر ختم ہے ۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ (حلِ لغات :) یہ یجادل کے فاعل سے دُوسرا حال ہے ، یہ ثنی العُود سے مشتق ہے ، یعنی وہ ٹیڑھی ہوگئی ۔ اس کی مناسبت ظاہر ہے کہ لکڑی کی ایک جانب دوسری جانب سے مل کر گویا دوہری ہوگئی ہے ، عطف الانسان (بکسر العین) بمعنے جانب الانسان یعنی اس کی جانب یعنی سر سے لے کر ران یا قدم تک کو عطف الانسان سے تعبیر کرتے ہیں ۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ العطف بکسر العین انسان کی وہ جانب کہ جس کی طرف گردن مروڑ کر یعنی کسی شے سے روگردانی کر کے اسی طرف متوجہ ہونے کو کہا جاتا ہے اور بفتح العین بمعنے التعطف والبر یعنی احسان مندی اور لطف و کرم کرنا ۔ اور یہاں ثنی العطف سے تکبّر اور سرکشی مراد ہے ۔ اسی لیے جلالین میں اس کا معنی لاوی عنقہ تکبرا لکھا ہے بمعنے اس نے اپنی گردن تکبّر سے مروڑی ۔ اور دامن لپیٹنے کے معنے میں بھی آتا ہے ، اور اس سے بھی تکبّر مراد ہوتا ہے ، وہ اس لیے کہ متکبر گویا ہر شے سے اپنا دامن سمیٹ لیتا ہے اور کسی کو کچھ نہیں سمجھتا ۔ اور الارشاد میں اس کا معنیٰ لکھا ہے عاطفا بجانبہ وطاویا کشحہ معرضا متکبرا یعنی اس نے ایک طرف کو گردن مروڑی اور اپنی کمر کو لپیٹا یعنی روگردانی کی اور اکڑ گیا ۔

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بہکا دے ۔ یہ یجادل کے متعلق ہے یعنی ایسے متکبر سرکش کی غرض یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کو سیدھے راہ سے بہکا دے اگرچہ وہ اسے گمراہی کے بجائے اصلاح سے تعبیر کرے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس متکبر اور سرکش کا پروگرام یہ ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو ایمان سے نکال کر کفر کے گھاٹ اتارے یا کم از کم اس کی یہ کوشش ہو کر کافر و مشرک تو اپنے کفر و شرک پر ثابت قدم رہیں لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ الخزی

بمعنے الھوان والفضیحة یعنی تاکہ اسے دُنیا میں ایسے ثابت قدم رکھے اس سبب سے جو اسے یوم بدر میں پہنچا ان کے بعض قتل کر دئے گئے اور بعض قیدی بنا لیے گئے۔ اس سے بڑھ کر رُسوائی انھیں اور کیا ہو گی وَ نُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ الحریق بمعنے المحرق یعنی جلانے والا - یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اضافت السبب الی السبب کے قبیل سے ہو اور الحریق سے نار مراد ہو، یا یوں کہو کہ یہ اضافت الموصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے، دراصل عبارت العذاب الحریق تھی۔ معنیٰ یُوں ہو گا کہ قیامت میں ہم اسے جلانے والا عذاب چکھائیں گے ذٰلِكَ اسے کہا جائے گا کہ دنیا میں وہ ذلت اور خواری اور آخرت میں یہ سخت عذاب بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ بسبب اس کے ہے جو تیرے ہاتھوں نے عمل کیا یعنی تیرے کفر اور معاصی کی وجہ سے تجھے دنیا و آخرت میں سزا ملی ہے۔

ف : چونکہ عادةً عموماً افعال کا صدور ہاتھوں سے ہوتا ہے بنا بریں فعل کا اسناد ہاتھوں کی طرف کیا گیا ہے اور یہ کلام تاکید وعید و تشدید تہدید کے لیے التفات کے قبیل سے بھی ہو سکتا ہے۔

وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ یہ جملہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے گناہوں کے بغیر انھیں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

سوال : یہاں پر لیس بظالم للعبید ہونا چاہیئے تاکہ اصل ظلم کی نفی ہو۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ ظلّام مبالغہ کے صیغہ سے اصل ظلم کی نفی نہیں ہوتی۔

جواب[1] : یہ مبالغہ دراصل بندوں کی کثرت کی وجہ سے ہے جس سے اصل ظلم کی نفی مطلوب ہے اور بندوں کی کثرت کی وجہ سے مبالغہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے اس لیے کہ جو ذات اتنی بڑی مخلوق کے ایک ایک فرد پر اگر ظلم کرے تو وہ کثیر الظلم ہو گی اب جبکہ اس کی نفی کی گئی ہے تو اب معنیٰ یہ ہو گا کہ وہ ذات نہ اس پر ظلم کرتی ہے نہ اس کے لیے نہ فلاں کے لیے الیٰ غیر نہایۃ۔

(۲) نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا ہے کہ وہ بُرے کو عذاب اور نیک کو ثواب پُورا پُورا دے نہ کسی کے عذاب میں اضافہ کرے اور نہ کسی کے عطیہ میں کمی کرے۔ اب اس معنی پر اگر اپنے حتمی وعدہ کے خلاف غیر مستحق کو عذاب میں مبتلا کرے تو اس کا قلیل ظلم بھی کثیر متصوّر ہو گا اس لیے کہ وُہ ایسے غلط فعل سے کوسوں دور بلکہ ایسے قبیح امور سے منزّہ و مقدس ہے لیکن بفرضِ محال ایسا اس سے صادر ہوا تو وُہ صدور بنفسہ ایک بہت بڑا فعل ہو گا اس کی مثال اس عالم دین کی ہے جس سے معمولی سی خطا صادر ہو تو عالمِ دُنیا کی نظروں میں ایک بڑا جُرم متصور ہو گا۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے اُوپر اور اپنے بندوں پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے بنا بریں میرے بندے ظلم نہیں کرتے۔

(۱) عرب میں مشہور ہے :

مقالاتِ عرب من کثر ظلمه واعد اؤه قرب هلاکه و فناؤه - (جس سے ظلم اور تجاوز عن الحد کی کثرت ہو

اس کی تباہی اور فنا قریب سمجھو۔)

(۲) شرالناس من ینصرالظلوم و یخذل المظلوم (تمام لوگوں میں شریر ترین وہ انسان ہے جو ظالم کی مدد اور مظلوم کو رُسوا کرتا ہے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہُوا کہ بندے اپنے نفسوں پر خود بڑا ظلم کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وما ظلمناھم و لٰکن کانوا انفسھم یظلمون۔ اور ان کے اپنے نفوس پر ظلم کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ عبادت وطلب کو غیر محل میں استعمال کرکے ضائع کرتے ہیں۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قصد ما آبروئے تست از سجدہ در محرابہا
گر نباشد نیت خالص چہ حاصل از عمل

ترجمہ: ہمارا ارادہ سربسجود ہونے سے صرف اتنا ہے کہ تیری شان بلند ہو اور عمل میں نیت خالص نہ ہو تو وہ عمل ہمارے نزدیک بیکار ہے۔

بد مذاہب کا مناظرہ

منافق، ریاکار، اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت سے گفتگو فضول بلکہ مذموم ہے۔ ہاں ان حضرات کی گفتگو سے ثواب ملتا ہے جو معرفتِ الٰہی کے طالب ہیں اور انھیں خواہش ہو کہ ان کے غلط شبہات کا ازالہ ہو اور راہِ حق مل جائے اور اللہ تعالیٰ کا وصال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارک پر چلنا نصیب ہو۔

مسئلہ: اہلِ حق نے فرمایا کہ ہر وہ مسئلہ کہ جس میں حدیث شریف صریح اور اس کی سند مضبوط ہے تو اس میں مزید گفت گو اور مناظرہ گمراہی اور دین میں کمی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اسے گمراہی کی کنجی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا اس لیے کہ امتِ مصطفویہ میں اکثر لوگ وُہ ہیں جنہیں اذہان روشن اور طبائع صحیحہ نصیب نہیں اسی لیے الٹا گفت گو سے گمراہی پھیلے گی (اسی لیے اہلسنت نے اجماع کیا کہ تقلید واجب ہے اور ان چار ائمہ سے آگے اگر کسی نے جدید تحقیق کا دروازہ کھولا تو واصل جہنم ہوگا۔ اور جب سے غیر مقلدیت نے سر اٹھایا ہے نئے نئے فتنوں (دیوبندیت، پرویزیت، خاکساریت، نیچریت، مرزائیت وغیرہ) نے جنم لیا، ورنہ برّصغیر پاک و ہند میں دو صدیاں پیشتر ان کا نام و نشان تک نہ تھا)

ف: اُمم ماضیہ میں جتنے لوگ تباہ و برباد ہُوئے وہ اسی جدید تحقیق کی بدولت۔

سبق: اس سے لازم ہوا کہ انسان سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہو اور اس سے سرِمُو بھی ہٹنے کا نام نہ لے۔ (لیکن بہ تحقیق اسلاف اگر حدیث مبارک کو اپنی تحقیق کے مطابق ڈھالے گا تو تباہ و برباد ہوگا۔ اس کی تحقیق فقیر اویسی کی کتاب "تحفۃ السالکین" میں ملاحظہ فرمائیے) اور لازم ہے کہ عوام کو سنّتِ مبارکہ کی دعوتِ حق دے اور اسی پر فیصلہ کرے نت نئے فتنوں کے مذاہب اہلِ بدعت کی طرف توجّہ نہ کرے اور نہ ہی ان کی صحبت میں بیٹھے اور نہ ہی ان کی باتیں سُنے۔ (اسی وجہ سے ہم اہلِ سنّت بدمذاہب کی صحبت سے بچنے اور ان کی بُری باتیں سُننے سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں اس

کے لیے فقیر اویسی کے رسالہ "وہابیوں دیوبندیوں کی نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی" کا مطالعہ کیجئے) یہ تمام باتیں شرعاً ممنوع ہیں بلکہ ان کے بارے میں وعید شدید وارد ہے۔

بدمذاہب سے اجتناب کی عقلی دلیل اہل حق نے فرمایا کہ طبائع مقناطیسی مادہ رکھتی ہیں ان کی ملاقات سے انسان پھنس جاتا ہے (اسی لیے ہم اہلسنّت کہتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس بیٹھنا ہے تو اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو اگر کوئی باتیں سُننی ہوں تو اولیا اللہ کے ملفوظات پڑھو اور سُنو جن سے امراض کی تاثیر سے تندرست بیمار ہوجاتا ہے ایسے ہی بدمذہبوں کی صحبت رُوحانی طور پر بیمار بنا دیتی ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ گشت اور ان کے مراکز کے چلّے روحانیت کو وہی نقصان پہنچاتے ہیں جو وبائی امراض تندرست انسان کو)۔ حضرت جامی قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

بہوش باش کہ رہ بسے مجرد زد عروس دہر کہ مکارہ است و محتالہ
بلاف ناخلفاں زمانہ غرہ مشو ومرد چوں سامری از راہ ببانگ گوسالہ

ترجمہ: ہوش سنبھال کہ دنیا مکارہ اور حیلہ گر نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے نالائقوں کے میٹھے میٹھے بولوں پر مغرور نہ ہو اور نہ ہی ان کے پیچھے جا جیسے سامری گوسالہ کی آواز سے گمراہ ہوا۔

شرح اشعار مذکورہ جیسے سامری گوسالہ کی آواز سے خود گمراہ ہوا اور دُوسروں کو بھی گمراہ کیا ایسے ہی اہلِ ہوا اور اہلِ بدعت بدمذاہب کی تحریر وتقریر کو سمجھو کہ وُہ بھی تمہیں اسی طرح گمراہ کر دے گی۔ یعنی جس طرح بنی اسرائیل سامری کی گمراہ کُن باتوں میں پھنس گئے ایسے ہی تم پھنس جاؤ گے (چنانچہ ہمارا تجربہ ہے کہ ہمارے اہلسنّت عوام نے جونہی کسی بدمذہب کے ساتھ چند روز نشست وبرخاست کی تو فوراً گمراہ ہوگئے۔ اسی لیے تبلیغی جماعت اور مرزائی فرقہ چند روز اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دیتے ہیں اس سے ان کا مقصد عوام کو اپنے دام تزویر میں پھنسانا ہوتا ہے) اور یاد رہے کہ ہر بدمذہب کا طریقہ ہے کہ وُہ اپنی غلط باتوں اور گمراہ طریقوں کو علوم صحیحہ یعنی قرآن مجید واحادیث صحیحہ سے ثابت کرکے گمراہ کرتے ہیں اس سے بیچارے عوام کو کیا خبر کہ وہ انھیں کس قعرِ ضلالت میں دھکیل رہے ہیں۔

اہل اللہ کی صحبت اولیا اللہ کے اقوال واحوال چونکہ علم صحیح اور کشف صریح سے ثابت ہوتے ہیں اسی لیے عوام کو ان کی اتباع لازم ہے ورنہ اہلِ باطل تو ایسی میٹھی میٹھی باتیں کریں گے بلکہ اپنے کشف وکرامات بھی دکھا دیں گے لیکن سچّا انسان وُہ ہے جو اپنے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریقے کو نہیں چھوڑتا اور باطل قوموں کی باتوں کو ایک طلسمی قوت سمجھتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ اقدس کے اہلِ حق نے سامری کے گوسالہ کی آواز کی طرف توجہ نہ کی بلکہ اسے اپنے لیے ابتلاء وآزمائش سمجھا۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ مجادل مبطل کے اقوال گمراہ اور گمراہ کن ہوتے ہیں ان کے سننے سے پرہیز لازم ہے۔

(باقی ص ۲۲۴ پر)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ○ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ○ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ○ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ○ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ○ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ○ ۩ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ○ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ○ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ○ كُلَّمَآ اَرَادُوْآ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○

ترجمہ: اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کی عبادت ایک کنارہ پر کرتے ہیں پھر انہیں اگر کوئی بھلائی پہنچے تو وہ اس سے مطمئن ہیں اور اگر انہیں کوئی آزمائش پہنچے تو وہ منہ کے بل لیٹ گئے وہ دنیا و آخرت کا گھاٹا پا گئے یہی ہے کھلا گھاٹا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہیں جو نہ نقصان پہنچاتے اور نہ نفع دے سکے یہی انتہائی گمراہی ہے ایسے کی عبادت کرتے ہیں جس کے نفع سے نقصان کی زیادہ توقع ہے بیشک کیا ہی برا مولیٰ ہے اور بیشک کیا ہی برا رفیق ہے بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں بے شک اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے جسے گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی مدد نہیں فرمائے گا نہ دنیا میں نہ آخرت میں تو اسے چاہیے کہ وہ آسمان تک ایک رسی تان لے پھر اسے کاٹ دے پھر دیکھے کہ اس کی تدبیر وہ بات لے جاتی ہے جو اسے غصہ دلا رہی ہے اور اسی طرح ہم نے اسے اتارا ہے روشن دلیلیں ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے بیشک مومن اور یہودی اور ستارہ پرست

اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرک بیشک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سب کا فیصلہ فرمائے گا بے شک اللہ تعالےٰ کے ہاں ہر شے سامنے ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگ اور بہت ایسے بھی ہیں جن پہ عذاب مقرر ہو چکا اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرتا ہے اسے کوئی بھی عزّت دینے والا نہیں بے شک اللہ تعالےٰ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑتے ہیں سو جو کافر ہوئے ان کے لیے آگ کے کپڑے قطع کیے جائیں گے ان کے سروں پر کھولتا پانی ڈالا جائے گا جس سے گل سڑ جائے گا جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے جب وہ لوگ جہنم گھٹن کی وجہ سے اس میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر وہ اس میں لوٹا دئے جائیں گے اور حکم ہوگا کہ جلانے والی آگ کا عذاب چکھو۔

(صفحہ ۲۲۲ سے آگے)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے مجادل کو تکبّر کی صفت سے یاد کرکے اس کی مذمت فرمائی ہے اور کبر وہ صفت ہے جو حق سے کوسوں دُور ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر مذموم اور کوئی صفت نہیں۔

اقوالِ ارسطو ارسطو نے کہا کہ :

(۱) من تکبر علی الناس احب الناس ذلتہ (جو لوگوں پر تکبر کرتا ہے لوگ اس کی ذلت کے درپے رہتے ہیں)

(۲) باصابۃ السطق یعظم القدر (اچھی گفتگو سے قدر و منزلت بڑھتی ہے۔

(۳) بالتواضع تکثر المحبۃ (تواضع سے محبت بڑھتی ہے)

(۴) بالحلم تکثر الانصار (حلم سے دوستوں کی کثرت ہوتی ہے)

(۵) بالرفق یستخدم القلوب (نرمی سے دل خادم بن جاتے ہیں)

(۶) بالوفاء یدوم الاخاء (وفا سے اخوّت بڑھتی ہے)

(۷) بالصدق یتم الفضل (سچائی سے انسان کی فضیلت میں اضافہ ہوتا ہے)

ہم اللہ تعالیٰ سے صفات قبیحہ رذیلہ سے پناہ اور عاداتِ جمیلہ و اخلاقِ حمیدہ سے متحلی ہونے کی توفیق چاہتے ہیں۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

وَمِنَ النَّاسِ (شانِ نزول :) یہ ان اعراب کے حق میں نازل ہوئی جو مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے ان میں جب کسی کو تندرستی ہوتی اور اس کی گھوڑی بچے جنتی اور اس کی عورت کو اولاد

بکثرت پیدا ہوتی تو وہ کہتا بہتر دین میں داخل ہوا ہوں۔ اس کا معاملہ برعکس ہوتا تو کہتا بدترین دین میں داخل ہوا ہوں۔ اس پر وہ مرتد ہوجاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا کہ و من الناس اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ مَنۡ یَّعۡبُدُ اللّٰہَ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ عَلٰی حَرۡفٍ دین کے ایک کنارے پر ہوتے ہیں انہیں دین کا درمیانی حصہ نصیب نہیں ہوتا۔ جس کا یہ حال ہو کہ وہ شے کے کنارے پر رہے اسے ثابت قدمی کم نصیب ہوتی ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو لشکر کے کنارے کنارے رہتا ہے جب دیکھتا ہے کہ فتح ونصرت ہوتی ہے تو اسے قرار ملتا ہے، جب لشکر شکست کھاتا ہے تو یہ سب سے پہلے بھاگتا ہے۔ اس معنے پر الحرف بمعنے الطرف ہوگا۔ اس تقریر پہ دین کو ایک جسم قرار دیا گیا ہے۔ یہ استعارہ تمثیلیہ کے قبیل سے ہوگا۔

ف : امام راغب (اصفہانی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حروفِ ہجا بھی اسی نام سے اسی لیے موسوم ہوتے ہیں کہ حروفِ ہجا ان کلمات کے جوانب ہیں جنہیں ایک دوسرے سے رابطہ ہے۔

فَاِنۡ اَصَابَہٗ پس اگر اسے پہنچتی ہے خَیۡرُ دنیوی بھلائی۔ مثلاً تندرستی اور وسعتِ رزق اِطۡمَاَنَّ دین میں مطمئن ہوجاتا ہے بِہٖ اسی بھلائی کی وجہ سے۔ الاطمینان پریشانی کے بعد سکون پانا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ وہ شخص دین سے آرام پاتا اور اسی دنیوی مفاد کی وجہ سے دین میں ثابت قدم ہوتا ہے یعنی وہ اسی پر ظاہراً ثابت قدم ہوتا ہے اور باطناً بھی۔ پھر بھی غیر مطمئن رہتا ہے اسے کامل مومنین کی طرح اطمینان اور سکون نصیب نہیں ہوتا۔

وَاِنۡ اَصَابَتۡہُ فِتۡنَۃُ اور اگر اسے پہنچے کوئی ایسی شے جو اس کے لیے فتنہ کا سبب بنے مثلاً اس کی طبیعت کے خلاف کوئی ایسا مکروہ فعل صادر ہو جو اس کی ذات یا اہل وعیال کو دُکھ پہنچاتا ہے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ یہاں فتنہ سے مراد یہی ہے کہ طبع کو ناپسند اور نفس پر بوجھل ہو اسے خیر کے بالمقابل لانے سے یہی معنی متعین ہوجاتا ہے اور اگر اسے خیر کے مقابل نہ مانا جائے تو ہر فتنہ اگرچہ طبیعت کے مخالف ہوتا ہے لیکن چونکہ وُہ آزمائش اور امتحان کے طور ہوتا ہے اسی لیے وہ فتنہ قربت اور رفع درجات کا موجب بنتا ہے اس لیے کہ ایسا فتنہ موجب رضائے الٰہی اور اس کی تقدیر کی سامنے سرِ تسلیم خم کا سبب ہے۔

اِنۡقَلَبَ عَلٰی وَجۡہِہٖ انقلاب بمعنے ایک جگہ سے دُوسری جگہ منتقل ہونا اور عرف میں بمعنے الجہۃ والطریقۃ یعنی وہ شخص مرتد ہوجاتا ہے اور کفر کی طرف لُوٹ جاتا ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ وُہ شخص کہ وہ اس جہت کی طرف لوٹ جاتا ہے جہاں سے آیا تھا یعنی دین اسلام کو چھوڑ جاتا ہے۔

ف : بحر العلوم میں اسی جگہ بیان فرمایا گیا ہے کہ انقلب علیٰ وجہہ بمعنے تحول عن وجہہ فانکب ہے۔ یعنی وہ شخص کفر کی طرف لوٹا۔ اس تقریر پر علیٰ بمعنے عَن ہے جیسے و ما من دابۃٍ فی الارض الا علی اللہ رزقہا میں علیٰ بمعنے مِن یعنی ہر جاندار کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے رزق پہنچتا ہے۔ خلاصۂ بحث یہی ہے کہ وہ شخص جو اسلام کی جانب متوجہ ہوا تھا اس نے وہاں سے منہ پھیر لیا۔

خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃَ دنیا و آخرت کا گھاٹا پایا بایں معنیٰ کہ دنیا و آخرت اس کے ہاتھ سے نکل گئیں اور انہیں ضائع کر دیا یعنی مرتد ہونے سے اس کے جملہ اعمالِ صالحہ اکارت گئے (صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ) اُس کے دنیا کے خسارہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے فتنے سے اہل و عیال کو نقصان ہوا اور آخرت کا خسارہ یہی ہے کہ وہ آخرت کے ثواب سے محروم ہوگیا اور اس سے اعمال صالحہ اور دینِ حق چھینا گیا تو مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہوگا۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ دُنیا میں خسارہ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ منزلِ مراد کو نہ پہنچا۔ اور آخرت کا خسارہ یہی ہے کہ اس کے تمام اعمال صالحہ اکارت گئے۔ ذٰلِكَ یہ اشارہ دنیا و آخرت کے خسارے کی طرف ہے هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِیۡنُ یہی واضح خسارہ ہے اس لیے کہ تمام عقلاء گواہی دیں گے کہ اس جیسا بدقسمت انسان اور کوئی نہیں کہ جسے دارین کا خسارہ نصیب ہو ؎

نہ مال و نہ اعمال نہ دنیا و نہ دین لامعۂ صدق و نہ انوارِ یقین

در ہر دو جہان منفعل و خوار و حزین البتہ زیانے نبود بدتر ازین

ترجمہ: جس کا نہ مال رہا نہ اعمال نہ دنیا نہ دین نہ صدق کی چمک رہی نہ یقین کے انوار۔ دونوں جہان میں اس جیسا ذلیل و خوار اور حزیں کوئی نہ ہوگا نہ اس سے بڑھ کر کوئی زیاں کار ہوگا۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ دنیا میں خسران کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے طاعات نصیب نہ ہوں اور اس سے مخالف شرع امور صادر ہوں۔ اور آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ قیامت میں اس کے خصوم اور حقوق کا مطالبہ کرنے والے بکثرت ہوں۔

یَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ یہ جملہ مستانفہ اور خُسران کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس معنے پر ضمیر یَدۡعُوۡا مرتد کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ عبادتِ الٰہی سے متجاوز ہو کر عبادت کرتا ہے مَا لَا یَضُرُّهٗ اس لیے کہ اس مِن دُونِ اللہ کی عبادت نہ کی جائے تو وہ نقصان نہیں پہنچاتا وَمَا لَا یَنۡفَعُهٗ اور اگر اس کی عبادت کی جائے تو وہ اسے نفع نہیں دیتا، کیونکہ وہ تو جمادِ محض ہیں ان سے نفع و ضرر کا صدور کہاں۔ لفظ ما کے تکرار سے یہی معنیٰ و مفہوم ظاہر ہوتا ہے ذٰلِكَ اس کا اشارہ دعا[1] بمعنے عبادۃ کی طرف ہے هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِیۡدُ وہ یعنی من دون اللہ کی عبادت بہت بڑی گمراہی ہے یعنی حق اور ہدایت سے بہت دُور ہو جاتا ہے۔ ہدایت و حق کی دُوری کو اس شخص سے استعارہ کیا گیا ہے جو راستہ بھول کر آبادیوں سے کوسوں دُور نکل جائے۔ ایسے ہی اس کا حال ہے جو ہدایت و حق سے ہٹ جائے تو وہ گویا مسافت حسیہ طے کرتے کرتے بہت دُور نکل گیا ہے کہ اس کا آبادیوں میں لَوٹنا بظاہر سخت مشکل ہے۔ یَدۡعُوۡا لَمَنۡ ضَرُّهٗۤ اَقۡرَبُ مِنۡ نَّفۡعِهٖ ؕ لَبِئۡسَ الۡمَوۡلٰی وَلَبِئۡسَ الۡعَشِیۡرُ (ترکیب) یہاں دُعا بمعنے قول ہے اور لام اس کے مقولہ کے

---

[1] یدعوا بمعنے عبادۃ صاحبِ رُوح البیان نے لکھا ہے اور یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں لیکن وہابی دیوبندی اپنی من مانی کرتے ہیں اسی لیے یَدۡعُوۡا کو اپنے اصلی معنیٰ میں لے کر قرآن کی تحریف کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

نائب پر داخل ہے اور من مبتدا اور اس کی خبر اقرب ہے اور جملہ مبتدأ اول کا صلہ ہے اور لبئس الخ قسم مقدر کا جواب ہے لبئس اور جواب قسم دونوں مبتداء اول کی خبر ہیں۔

نکتہ : ما کے بجائے لفظ مَن اور اقرب افعل التفضیل کے صیغہ سے ان کے بتوں کی مذمت اور بُت پرستوں کی حماقت کا اظہار مطلوب ہے اس لیے کہ مَن ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے اور ان کے بُت جماد محض تھے اور افعل میں نفع میں اضافہ کا معنیٰ نکلتا ہے لیکن ان پتھروں سے نفع کی امید بیوقوفی اور حماقت ہے۔

معنیٰ آیت اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ کل قیامت میں چیخ و پکار کر کے کہے گا جب اپنے معبود باطل کو دیکھ کر چیخ کر کہے گا، اسی کی وجہ سے مجھے دُکھ پہنچ رہے ہیں اور اسی کی وجہ سے جہنم میں جا رہا ہُوں اور پھر وہ ان سے کسی قسم کا نفع نہیں پائے گا بلکہ نفع کے بجائے ضرر در ضرر کا نشانہ بنے گا تو کہے گا بخدا یہ مددگار (بُت) بُرا ہے اور بُرا ساتھی اور برا معاشر اور شریک ہے اور بات بھی صحیح ہے کہ بُت سے نفع کہاں، بلکہ اس میں تو ضرر ہی ضرر ہے اس سے نفع کی اُمید حماقت و جہالت ہے۔

ف : یہ جملہ مستانفہ ہے اسے دعاء مذکور کے مال کے اظہار کے لیے لایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ واقعی ایسا بدبخت گمراہی میں غرق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لام زائد ہے اور مَنْ 'یَدْعُوا' کا مفعول ہے بغیر لام والی قرأت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اب مطلب یہ ہُوا کہ وُہ جسے معبود سمجھ کر پُوج رہا ہے آج نفع کے بجائے اس کا ضرر قریب تر ہے وُہ اس لیے کہ دنیا کا نقصان تو یہ تھا کہ بُت کے پجاری کو قتل کرنا واجب تھا اور آخرت میں اس کا جہنم میں جانا ضروری۔ اور یہ ضرر کے قریب تر اسی لیے ہوا کہ بُت پرست کو بت پرستی سے امید تھی کہ یہی بُت اسے قیامت میں بچائے گا اور وسیلہ بن کر سفارش کرے گا لیکن اس کے بجائے وہ اس کے لیے جہنم کا سبب بنا۔ اس معنے پر افعل کا صیغہ تہکمًا ہے اور جملہ قسمیہ مستانفہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اس آیت میں کامل مومنین عبادت گزار لوگوں کے احسن حال کا بیان ہے اس لیے کہ قرآن مجید کا قاعدہ ہے کہ وہ شے کو نقیض سمیت بیان کرتا ہے پہلے چونکہ کفار کے بُرے حال کا ذکر کیا اب اہلِ ایمان کے احسن حال کو بیان فرمایا اور جنّۃ اس دار کا نام ہے جس میں گھنے درخت ہیں۔ نہر پانی کے بہنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے، اور پانی کے بہنے کا اسناد انہار کی طرف مجازی ہے جیسے کہا جاتا ہے، سال المیزاب۔ یہ اسناد بھی مجازی ہے اس لیے کہ جاری ہونا پانی کا کام ہے نہ کہ انہار اور میزاب کا۔ اور جنّٰت کو اسی طرح سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ بہشت ایسے بہترین مکانات پر مشتمل ہے تاکہ سامعین سن کر اس کی طرف مائل ہوں۔ کاشفی نے بھی اس کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے کہ وہ جنّات کہ جس میں نہایت خوبصورت باغات ہیں اور ان میں پانی ہر وقت جاری ہے اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ بے شک اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ مثلاً ارادہ ہے کہ وہ نیک بخت کو ثواب دے اور بُرے کو سزا، اور وُہ ایسے کرتا ہے، اس کے اس ارادہ سے اسے نہ کوئی روک سکتا ہے نہ اس کے ارادہ کو دفع کر سکتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ آیات میں ارشادات ہیں۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت طبع وخواہش نفسانی اور بدلہ اور عوض کے خیال اور حصولِ کرامات کے طمع اور مخلوق کی تعریف کرنے کی نیت اور حصولِ دنیا کے ارادہ سے کرتا ہے تو اس کو سمجھو کہ وہی من یعبد اللہ علیٰ حرف کا مصداق ہے اس لیے کہ اس کی بھی یہی عادت ہے کہ اگر عبادت کرنے سے اس کے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے اور اس سے اسے سکون ملتا ہے اگر اس کی آرزو کے مطابق کام نہیں ہوتے تو عبادت ترک کر دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ کام فضول ہے۔ ایسے شخص کو دنیا میں خسارہ یہ ہے کہ عوام کی نظروں میں اس کی عبادت کی وقعت نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر وقت ان سے فضیحت ورُسوائی اٹھاتا ہے اور وہ طریقۂ سنّت سے ہٹ کر بدعت میں مبتلا ہوتا ہے اور ہدایت سے گمراہی پاتا ہے۔ اور اس کا آخرت کا خسارہ یہ ہے کہ وُہ مشاہدۂ حق سے محجوب اور بُعد و ہجران کی آگ میں داخل ہوگا۔ اسی طرح بعض طالبینِ حق اور سالکینِ راہِ ہدیٰ کی عادت ہوتی ہے کہ طلبِ راہِ حق میں انہیں شک وتردّد رہتا ہے اسی لیے وُہ طلب میں سچائی اور ثبات نہیں رکھتے۔ اگر اسی اثنا میں ان کی نفسانی خواہشات پُوری ہوتی رہتی ہیں اور غیب سے امور ان کے موافق ہوتے ہیں تو طلبِ راہِ حق میں سر دُھنتے ہیں اگر کسی بلا وشدّت اور مجاہدات وریاضات و ترکِ شہوات ومخالفت نفسی و ملازمت خدمت اولیاء اور رعایت صحبت اصفیاء اور آدابِ صحبت اوریارانِ طریقت سے کچھ تکلیف محسوس کرتے ہیں تو ان کی حالت بگڑ جاتی ہے اقرار سے انکار کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور تسلیم ورضا کے بجائے اباء واستکبار اور اعتراضات کے درپے ہو جاتے ہیں اور ارادت چھوڑ کر ارتداد کے خُوگر ہوتے ہیں اور صحبتِ اولیاء سے دُور بھاگتے ہیں ان کے متعلق دنیا کا خسارہ یہی کافی ہے کہ وہ اللہ والوں کی صحبت سے محروم ہو گئے۔ اور آخرت کا خسارہ یہی ہے کہ وُہ مشاہداتِ حق سے دائمی طور محروم کر دئے گئے ہیں۔ اسی لیے مشائخ کرام فرماتے ہیں شریعت کے مرتد سے طریقت کا مرتد بدترین ہوتا ہے اور الخسران المبین جسے قرآن نے بیان فرمایا ہے وہ یہی بدبخت ہے کیونکہ جسے کسی صاحبِ دل نے اپنے سے دور کیا تو یقین سمجھو کہ وہ تمام قلوب اہلِ حق سے مارا گیا۔ ایسے ہی جسے ایک اہلِ دل قبول کر لیتا ہے وہ تمام اہلِ قلوب کا مقبول ہو جاتا ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا؛ ؎

کلید گنج سعادت قبول اہل دلست — مبادکس کہ درین نکتہ شک وریب کند

شبان وادیِ ایمن گہی رسید بمراد — کہ چنداں سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: سعادت کے خزانے کی کنجی اہلِ دل کے ہاں مقبول ہونے سے حاصل ہوتی ہے خدا کرے اس نکتہ سے کسی کو شک وشبہ نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وادیِ ایمن میں اس وقت منزلِ مقصود کو پہنچے جب کئی سال تک حضرت شعیب علیہ السلام کی دل وجان سے خدمت کی۔

صاحبِ روح البیان کی صوفیانہ تحقیق فقیر (حقی) کہتا ہے کہ انسان دو قسم کے ہیں؛

(۱) جہادِ اصغر میں مشغول ہونے والے۔

(۲) جہادِ اکبر میں مشتغل۔

جیسے جہادِ اصغر کے کمزور ایمان والے لشکر کے کنارے پر رہتے ہیں ویسے ہی جہادِ اکبر کے ضعفاً بھی دین کے ایک کنارے پر ہوتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ اگر ان کی دلی مراد پوری ہوتی ہے تو وہ دینی امور میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ اگر کچھ نقصان دیکھتے ہیں تو فوراً دین سے ہٹ جاتے ہیں۔ ایسے کمزوروں پر کفار کا غالب ہونا ان کے خسارہ کی علامت ہے۔ اور دوسرے قسم کے ضعفاء پر نفسِ امارہ دنیا میں غالب رہتا ہے اور آخرت میں سعدائے کے درجات سے محروم ہو جاتا ہے ایسے لوگ ظاہری و باطنی غنیمت سے محروم رہتے ہیں۔

سبق: ایسی مشقتوں میں صبر لازم ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱	خوشا وقت شوریدگان غمش	اگر زخم بینند اگر مرہمش
۲	دما دم شراب الم در کشند	وگر تلخ بینند دم در کشند
۳	نہ تلخست صبرے کہ بر یاد اوست	کہ تلخی شکر باشد از دستِ دوست

ترجمہ: (۱) محبوب کے غم کے عشاق کا بہت اچھا وقت ہے کہ وہ زخم پر خوش ہیں اور مرہم پر بھی۔

(۲) وہ ہر وقت درد کا شراب پیتے ہیں۔ اگر اس میں کڑوا پن دیکھتے ہیں تو صبر کرتے ہیں (۳) وہ صبر جو یار کی یاد میں ہو کڑوا نہیں ہوتا کیونکہ یار کے ہاتھوں دی ہوئی شے شکر سے بھی زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو سمجھو کہ وہ اس ذات کی پرستش کرتا ہے جو ہر نفع و نقصان کی مالک ہے کہ وہ اپنے بندوں کو بواسطۂ ملائک و انسان و جمادات نفع و نقصان پہنچاتی ہے اور کبھی بلا واسطہ بھی۔ اور جو ما سوی اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ ایسی چیزوں کی پرستش کرتا ہے جو کسی کو نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان۔ وہ اس لیے کہ عالم کی تمام اشیاء فرشتے ہوں یا انسان، شیطان ہوں یا دیگر مخلوق جیسے افلاک و ستارے وغیرہ، خیر و شر کے ذاتی طور پر مالک نہیں اور نہ ذاتی طور پر کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ بلکہ یہ تمام اسباب و ذرائع ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند۔ ان سب امور کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے جیسے قلم کا فعل درحقیقت کاتب کا ہے قلم تو صرف ایک سبب ہے۔ جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں ان کا معبود باطل بھی بُرا اور پرستش کنندہ بھی۔ اس کا دُنیا میں شہوات کے تحت زندگی بسر کرنا بھی بُرا ہے۔

یہ بھی آیاتِ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جو بندہ بھی بہشت میں داخل ہوگا وہ نہ ایمان تقلیدی کی وجہ سے داخل ہوگا نہ اعمالِ ظاہرہ کی وجہ سے، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے بہشت میں داخل کرے گا جس کا ایمان تحقیقی ہوگا۔ جیسے اس نے خود اپنی قلم عنایت سے ازل میں لکھا جس کے نتیجہ سے اس بندے کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے تحت اعمال صالحہ کی توفیق نصیب ہوئی۔

تفسیر عالمانہ مَنْ کَانَ یَظُنُّ یہ مَنْ شرطیہ ہے یعنی ہر وہ جو اللہ تعالیٰ پر گمانِ بد کرنے والا بُرا گمان یعنی وہم کرتا ہے کہ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَہُ اللّٰہُ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ ہرگز مدد

نہیں کرے گا فِی الدُّنیَا دنیا میں، یوں کہ آپ کا دین بلند ہو اور آپ کے دشمن مقہور وَالْاٰخِرَۃِ اور آخرت میں، یوں کہ آپ کے درجات بلند ہوں اور آپ کے دشمنوں سے بدلہ لیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا و آخرت میں مدد فرماتا ہے۔ دنیا میں یُوں کہ آپ کے دشمن اور حاسدین اگر اس کے خلاف توقع رکھتے ہیں تو وہ اپنے غیظ و غضب میں جل مریں اور آخرت میں تو اس کا کوئی حساب نہیں فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ یہاں پر سَبَب سے وہ رسّہ مراد ہے جس کے ذریعہ سے چھلانگ لگا کر کھجور پر چڑھ جاتے ہیں اور سماء سے دشمن کے اپنے گھر کا اوپر کا حصّہ مراد ہے کیونکہ اہلِ عرب کا قاعدہ ہے کہ ہر وُہ شے جو سر کے اوپر ہو اسے سماءؑ سے تعبیر کرتے ہیں ثُمَّ لْيَقْطَعْ قاموس میں ہے قطع فلان الحبل بمعنے اختنق۔ اسی سے ثمّ لیقطع بمعنے لیختنق ہے اور اختناق کو قطع سے اسی لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اختناق والا اپنے آپ کو حبسِ نفس سے کاٹ ڈالتا ہے۔ کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو چاہیے کہ وُہ اپنی رسّی کاٹ کر زمین پر گر کر مر جائے فَلْيَنْظُرْ اس سے تقدیراً دیکھنا مراد ہے ورنہ گلا گھونٹ کر مرنے والے سے دیکھنا کیسا۔ یعنی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو اگر مرنے کے بعد دیکھنے کی طاقت ہے، تو دیکھ لے هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ کیا اپنا مکر و فریب لے جائے گا۔ اسے کید اسے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کا فعل بمنزلہ کید کے ہے کہ گویا وہ اس پر صدور کی طاقت نہیں رکھتا۔ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ یہ استہزاء کیا گیا ہے اس لیے کافروں نے جس ذات کے ساتھ حسد کیا ان کو تو کسی قسم کا نقصان نہ ہوا البتہ خود عذابِ اِلٰہی میں گرفتار ہوئے مَا يَغِيْظُ سخت ترین غضب کو غیظ کہا جاتا ہے۔ غضب قلب کے خون کے جوشِ حرارت سے پیدا ہوتا ہے۔ اسے جب انسان محسوس کرتا ہے تو اسے ظاہر کرتا ہے یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ کافروں کو ہر وقت غیظ و غضب میں مبتلا رکھتا ہے اور وہ ان کی فتح و نصرت کو کسی طرح سے دفع نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اپنے اس غیظ و غضب میں مر جائیں۔ حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا؛ ؎

گر جان بدہد سنگ سیہ لعل نگردد
باطینت اصلی چہ کند بد گہر افتاد

ترجمہ: اگر سنگِ سیاہ اس شرط پہ جان دے کہ وہ لعل ہو جائے ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ ایسے ہی جس کا معاملہ خراب ہو ایسے بدگہر کو ہم کس طرح صحیح کر سکتے ہیں!

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عجز کی نفی کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اور وُہ اپنے محبوبوں کی مدد فرماتا ہے۔

حکایتِ یہودی مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک یہودی مسجدِ نبوی میں حاضر ہوا، پوچھا کہ تم میں وصیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے؟ سب نے حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے عرض کی کہ میں چند سوال پیش کرتا ہوں جنہیں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں یاان کا وصی[1] سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بتائیے وہ کیا سوال ہیں؟ یہودی نے کہا: وہ کیا شے ہے جسے خدا نہیں جانتا، اور وہ کیا شے ہے جو اللہ کے لیے نہیں ہوسکتی، اور وہ کیا شے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ زندیقوں کا کام ہے فلہذا اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس سے یہودی اور مسلمانوں کو ملال ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اس شخص کے ساتھ ناانصافی کی ہے اگر تم اس کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتے تھے تو تمہیں اسے ایسے شخص کے پاس بھیجنا چاہیے تھا جو اس کے جوابات دے دیتا، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: اے اللہ! اس کے قلب کی مدد فرما اور اس کی زبان کو ثابت رکھ۔ اس کے بعد خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور جملہ حاضرین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئے اور صورتِ حال بیان کی۔ آپ نے فرمایا: وہ شے جسے خدا تعالیٰ نہیں جانتا وہ یہودیو تمہارا وہ عقیدہ ہے جس کے تم قائل ہو کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اس کا اللہ تعالیٰ کو علم نہیں ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہے (یعنی نہ وہ ہے نہ وہ اسے جانتا ہے یعنی ہو تو وہ جانے، نہ ہے نہ وہ جانتا ہے۔ کما قال عزّ شانہٗ:

اتنبئون اللہ بما لا یعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض۔

اور وہ شے جو اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں وہ ہے اس کا شریک۔ یعنی اس کا کوئی شریک نہیں۔

اور وہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں، وہ ہے ظلم۔

یہ جوابات سن کر یہودی نے عجز کا اظہار کیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کرلیا اور مان لیا کہ واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ اس سے تمام اہلِ اسلام بہت خوش ہوئے۔

ف: اس[2] سے شیعہ کے کلمہ کا ثبوت نہیں ہوسکتا اس لیے کہ کلمۂ اسلام کے لیے نصوص چاہئیں اور یہ خبر ضعیف بلا اسناد ہے اور محض ایک قصہ کہانی ہے اور قصوں اور کہانیوں سے مذہب نہیں بنتے بلکہ نصوص قطعیہ قرآن وحدیث سے بنتے ہیں۔ اور وصی سے چند مخصوص باتوں کا ہم راز مراد ہے جیسے حضور علیہ السلام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ہمرازی کے طور پر چند باتیں بتائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلمہ پڑھا جائے یا انھیں خلیفہ بلافصل مانا جائے۔ اور یہ جزوی فضیلت ہے۔ جزوی فضیلت سے افضلیت ثابت نہیں ہوجاتی۔ جیسے حضرت خضرؑ کو حضرت موسیٰؑ پر جزوی فضیلت حاصل تھی۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "آئینۂ شیعہ مذہب" میں دیکھیے یا "شرح آئینہ شیعہ نما" کا مطالعہ کیجیے۔

ف: کافروں کا ارادہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں سرے سے ہی مٹا دیا اور اپنے حبیب اکرم

---

[1] اس سے مخصوص باتوں کا ہمراز مراد ہے، نہ وہ جو شیعوں کا اصطلاحی لفظ ہے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

[2] یہ اضافہ فقیر اویسی غفرلہ نے کیا ہے ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور آپ کے جملہ وعدے پورے فرمائے اور آپ کے لشکرِ اسلام کو کامیاب فرمایا۔ البتہ بعض اوقات مشقت میں مبتلا کرنے اور مدد پہنچانے میں دیر کرنے میں حکمتیں اور مصلحتیں تھیں۔

سبق: نیک انسان وہ ہوتا ہے جو راضی برضائے الٰہی ہو اور دشمنوں اور حاسدوں کے شر اور حسد پر صبر کرے کیونکہ حق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اسے کوئی طاقت بھی مغلوب نہیں کر سکتی اور دکھ کے بعد سکھ اور رنج کے بعد راحت حاصل ہوتی ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ اہلِ ایمان ہمیشہ روحانی راحت سے مسرور رہتے ہیں اور انھیں دکھ کے بعد آرام و سکون ملتا ہے اور مشرک کافر کے شدائد سے انھیں حفاظت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ اور اسی انزال بدیع جو بہت عجیب حکمتوں پر مشتمل ہے اَنْزَلْنٰهُ ہم نے تمام قرآن مجید کو نازل فرمایا درانحالیکہ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ اس کے آیات بیّن اور روشن ہیں جو معانی لطیفہ پر دلالت کرتے ہیں وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ یہ جملہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ در اصل عبارت یوں تھی:

والامر ان اللہ ... الخ

یعنی معاملہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ذریعے ابتداءً جسے چاہتا ہدایت دیتا، اور اسے ہدایت پر ثابت قدم رکھتا ہے یا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اسے ہدایت کے امور میں بڑھاتا ہے یا اسے ثابت قدم رکھتا ہے یا اس کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے۔

حدیث شریف: قرآن مجید کے ذریعے اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے درجات بلند فرماتا ہے اور بعض لوگوں کے درجات کم کرتا ہے۔

شرح الحدیث جن لوگوں کے درجات بلند کرتا ہے ان سے وہ اہلِ ایمان مراد ہیں جو قرآن مجید پر ایمان لانے کے بعد اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے درجات کم کرتا ہے ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس سے روگردانی کرتے اور اس کے احکام کی پابندی نہیں کرتے۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اشغال اور ان کی نگاہ احوال و اعمال پر مرکوز نہیں اور ان کے اکثر صرف دس آیات یاد کرتے اور پھر زندگی بھر انہی کو اپنا دستور العمل بنا لیتے۔

اعجوبہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت بیس ہزار صحابہ کرام زندہ موجود تھے لیکن ان میں حفاظِ کرام صرف چھ تھے (کذا فی الاحیاء) ورنہ ان کے اکثر صرف ایک یا دو سورتوں کے حافظ ہوتے یا ان کے علما سورہ بقرہ اور سورۂ انعام حفظ کرتے تھے۔

ف: قرآنی علوم کے اشغال اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہدایت کی علامت ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ رات دن کی جملہ ساعات میں قرآنی احکام پر عمل کرنے کی جدوجہد کرے یہاں تک کہ اسے منزلِ مقصود نصیب ہو۔ اس لیے کہ جو آبِ حیات کا طالب ہوتا ہے وہ ظلمات کے دریا بلا فتور طے کرتا ہے اور اس میں معمولی طور بھی سستی نہیں کرتا۔

محروم القسمۃ کی علامت علم شرعی کے حصول اور اس کے سننے سے ملال کرنا طریقِ حق سے منقطع ہونے کی علامت ہے، اور وہ عنایتِ الٰہی اور توفیقِ ایزدی سے دُور ہوجاتا ہے ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملولے چیست

ترجمہ: تیرا دل قرآن مجید کے سننے سے کراہتا ہے نامعلوم باطل پرستوں کی طرح تجھے قرآن مجید سے تنگی کیوں ہے۔

فضیلت فقرأ اغنیاء حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ضعفاء مہاجرین کی جماعت میں مجھے بیٹھنے کا اتفاق ہوا، اور ان کی یہ حالت تھی کہ کپڑوں کی قلت کی وجہ سے ایک دوسرے کے کپڑوں سے چھپے بیٹھے تھے اور ہم ایک قاری کی قرأت سننے میں مصروف تھے کہ اچانک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو قاری تلاوت سے خاموش ہوگیا۔ آپ نے ہم سے پُوچھا کہ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم قرآن مجید سُن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا، جمیع تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں ایسے ہی لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کروں۔ اس کے بعد آپ ہم سب کے درمیان بیٹھ گئے تاکہ ظاہر ہو کہ آپ بھی منجملہ ان فقرأ سے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ کے اشارے سے حلقہ بندی کا حکم فرمایا[1]۔ ہم نے حلقہ کچھ ایسے طریقہ سے بنایا کہ ہر ایک کا چہرہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے مہاجر فقیرو! تمہیں قیامت میں نورِ تام کی خوشخبری ہو اس لیے کہ تم دولتمندوں سے آدھا دن پہلے بہشت میں جاؤ گے اور قیامت کا آدھا دن آج کے پانچسو سال کے برابر ہوگا۔

ف: وہ اس لیے کہ دولت مندوں کو روک کر سوال کیا جائے گا کہ تم نے مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔

ف: اور فقرأ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنے فقر و فاقہ پر صبر کرتے اور اللہ کی عبادت و اطاعت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اغنیاء سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت مندی پر شکر اور مال کے حقوق ادا کرتے ہیں۔

ازالہ وہم قرآن مجید میں اگرچہ چند آیات متشابہات اور بعض اسرار و رموز کی آیات بھی ہیں تو وہ اس کے بینات ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ وہ ایسی آیات نہیں جنہیں کوئی بھی بندۂ خدا نہ جانتا ہو[2]۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کی علوم دانی میں

---

[1] ہمارے مشائخ اہلسنت کے حلقے کا ثبوت بھی حدیث شریف ہے۔ اویسی غفرلہٗ

[2] اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ مقطعات و متشابہات کے علوم حضور علیہ السلام اور بعض اولیاءِ کرام جانتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

علماء کرام متفاوت درجات رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اسرار و رموز کی ہدایت بخشے جن سے اپنے مخصوص علماء راسخین کو نوازا اور ہمیں ہر مخفی بھید کی اطلاع سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بیشک وہ لوگ کہ جو ایمان لائے ان پر جن پر ایمان لانا واجب ہے وَالَّذِيْنَ هَادُوْا اور وہ لوگ جو یہودیت میں داخل ہوئے۔ امام راغب نے فرمایا؛ الھود بمعنے الرجوع برفق ہے، نرمی سے لوٹنا۔ عرب کے عرف میں بمعنے توبہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

ھدنا الیک بمعنے تبنا الیک۔

بعض اہلِ لغت نے فرمایا؛

الیھود کا لفظ دراصل ھدنا الیک سے مشتق تھا۔ اور تھا بھی مدح کا کلمہ، لیکن جب ان کی شریعت منسوخ ہوگئی اور پھر بھی اسی دین کو چمٹے رہے تو ان کے لیے یہ لفظ بمنزلہ علم کے ہوگیا اور اس سے مدح کا معنیٰ ختم ہوگیا جیسے لفظ نصاریٰ دراصل من انصاری الی اللہ سے ماخوذ تھا باوجودیکہ وہ دین منسوخ ہوگیا لیکن اسی دین سے چمٹے رہنے کی وجہ سے ان کے لیے یہ بمنزلہ علم کے ہوگیا وَالصّٰبِئِيْنَ اور وہ لوگ جو ہر دین سے نکل گئے اور ملائکہ وکواکب پرستی اختیار کی۔ یہ صباء الرجل عن دینہ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے۔

امام راغب نے فرمایا کہ؛

صبائی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نوح علیہ السلام کے دین پر ہو۔

اور بعض نے کہا؛ جو بھی ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کرے۔

یہ صبا ناب البعیر سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ کی ڈاڑھ کھل جائے۔

وَالنَّصٰرٰى نصران و نصرانۃ کی جمع ہے جیسے ندامی، ندمان و ندمانۃ کی جمع ہے۔ اسے یاء کے بغیر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے؛ رجل نصران و امرأۃ نصرانۃ۔ وَالْمَجُوْسَ قاموس میں ہے کہ مجوس جیسے صبور۔ ہر اس شخص کو کہا جاتا تھا جس کے دونوں کان چھوٹے ہوتے تھے۔ اس نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی اور لوگوں کو اس کی دعوت دی۔ یہ "منج گوش" کا معرب ہے۔ اس کے واحد کو مجوسی کہا جاتا ہے اور مجوس اس کی جمع ہے جیسے یہودی واحد اور اس کی جمع یہود آتی ہے۔ اور مجوس آگ پرست ہیں۔

مسئلہ؛ یہ اہلِ کتاب سے نہیں اسی لیے نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور نہ ان کا ذبیحہ جائز۔ ان سے جزیہ اس لیے نہیں لیا جاتا کہ وہ اہلِ کتاب نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ عجمی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اور وہ لوگ جو مشرک ہیں۔ ان سے بت پرست مراد ہیں اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ یہ اس اِنَّ کی خبر ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان اور

انہی پانچ فرقوں (جن کے کفر پر سب کو اتفاق ہے) کے درمیان فیصلہ فرمائے گا تاکہ اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان امتیاز ہو۔ یعنی اہلِ ایمان کو اجر و ثواب سے نوازا جائے گا اور دوسروں کو ان کے استحقاق پر انھیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق جزا و سزا دے گا۔ اہل ایمان کو نعمتوں سے نوازے گا اور کفار کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ یا یوں کہو کہ اہلِ حق کو وصال سے ہمکنار فرمائے گا اور اہلِ باطل کو ہجر و فراق کے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

ف : آیت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا چھ ادیان میں سے صرف ایک دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یعنی دین اہل ایمان جسے اسلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

ان الدین عند اللہ الاسلام۔

اور باقی پانچ دین شیطان کے ہیں یعنی وہ ادیان جو اسلام کے سوا ہیں اور انھیں شیطان کے ادیان اس لیے کہا جاتا ہے کہ شیطان انہی ادیان کی دعوت دیتا ہے اور ان کی کیفیت کفّار کے سامنے مزیّن کر کے بیان کرتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کے ہر حال سے آگاہ ہے۔

ف : امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شہید کا معنیٰ علم سے تعلق رکھتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ شہید میں ایک خصوصی اضافہ ضروری ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ غیب و شہادت دونوں کو جانتا ہے۔ اور غیب ہر وہ چیز جو پوشیدہ ہو، اور شہادت ہر وہ شے جس کا مشاہدہ کیا جاسکے۔ جب مطلق علم کا اعتبار ہو تو اسے علیمؒ کہا جائے گا اور جب اس کی نسبت غیب اور امور باطنہ کی طرف ہوگی اسے خبیرؒ سے تعبیر کیا جائے گا، اور جب اسے امورِ ظاہرہ کے ساتھ منسوب کیا جائے گا تو اسے شہیدؒ سے موسوم کیا جائے گا اور کبھی اسے شہید اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ وہ قیامت میں مخلوق پر اپنے علم اور مشاہدہ کے مطابق گواہی دے گا۔ آیت میں وعید و تہدید ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ فیصلے کے دن کو یاد کرے اور ان اعمال صالحہ میں جدّ و جہد کرے جن سے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱	قیامت کہ نیکاں باعلیٰ رسند	ز قعر ثرا با ثریا رسند
۲	ترا خود بماند سر از ننگ پیش	کہ گردت بر آید عملہائے خویش
۳	برادر ز کار بداں شرم دار	کہ در روئے نیکاں شوی شرمسار
۴	بناز و طرب نفس پرورده گیر	بایّام دشمن قوی کرده گیر
۵	یکے بچۂ گرگ مے پرورید	چو پرورده شد خواجہ را بر درید
۶	بہشت آں ستاند کہ طاعت برد	گرا نقد باشد بضاعت برد
۷	پے نیک مرداں بباید شتافت	کہ ہر کو سعادت طلب کرد یافت

۸ ولیکن تو دنبال دیو خسی — ندانم کہ در صالحاں کے رسی

۹ پیمبر کسے را شفاعت گرست — کہ بر جادۂ شرع پیغمبرست

۱۰ رہ راست باید نہ بالائے راست — کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ : (۱) صالحین قیامت میں اعلیٰ مراتب پر پہنچیں گے۔ مٹی کے گڑھے سے کہکشاں تک پہنچیں گے۔

(۲) تیرا سر رسوائی سے نیچے رہے گا۔ تیرے اردگرد تیرے اعمال پیش ہوں گے۔

(۳) اے بھائی! بروں کے کام سے شرم کر۔ اس لیے کہ نیکوں کے سامنے شرمسار ہوگا۔

(۴) ناز و خوشی میں نفس کی پرورش کر، لیکن دشمن کے مقابلہ میں اسے قوی جان ۔

(۵) کسی نے بھیڑیئے کا بچہ پالا، جب بڑا ہوا تو اس نے مالک کو کاٹ کھایا۔

(۶) بہشت اسے ملے گی جس کے اعمال نیک ہوں گے۔ جس کے پاس نقدی ہوگی وہی سامان لے گا۔

(۷) نیک لوگوں کا پاؤں پکڑنا چاہیے جو سعادت طلب کرتا ہے پالیتا ہے۔

(۸) لیکن تُو تو اے کمینے! دیو کے پیچھے لگا ہے، مجھے معلوم نہیں تُو نیکوں کے ساتھ کب پہنچے گا۔

(۹) پیغمبر اس کی شفاعت فرمائیں گے جو شریعت کے طریقے پر چلتا ہے۔

(۱۰) سیدھا راستہ چلنا چاہیے نہ کہ ٹیڑھا، کیونکہ کافر بھی بظاہر ہمارے جیسا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

ایمان و کفر قلب کے اوصاف ہیں اور قلب کے دو دروازے ہیں :

(۱) علوی (۲) سفلی

علوی روح اور سفلی نفس کے قریب ہے۔ نفس کی طرف سے جب قلب کا دروازہ بند ہو جائے تو قلب کی طرف کا دروازہ کھل جاتا ہے اور نفس کا دروازہ تب بند ہوتا ہے جب اس کی مکمل طور پر مخالفت ہو۔ پھر جب قلب کا روح کی طرف سے دروازہ کھل جاتا ہے تو روح کے واسطہ سے قلب پر معارفِ الٰہیہ کا ورود ہوتا ہے جن سے قلب انوارِ معرفتِ الٰہی سے منور ہو جاتا ہے اور جب نفسانیہ سے نجات پاتا ہے۔ اور جب بدقسمتی سے قلب کا روح کی طرف سے دروازہ بند ہو جاتا ہے تو نفس کی جانب سے دروازہ کھل جاتا ہے۔ جب نفس کی جانب سے دروازہ کھلتا ہے تو قلب میں نفس کے ذریعہ سے وساوسِ شیطانیہ اور بدعتِ سیئہ اور خواہشاتِ نفسانیہ اور دینِ باطل کے میلان کی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جن کی وجہ سے انسان طریقِ حق اور دینِ مبین سے بھٹک جاتا ہے، اس کے بعد اپنی خواہشات کی پوجا کرنے لگتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ باطل انسان اور اپنے ہدایت یافتہ بندے کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ ظاہر ہے کہ جیسے ایک دل میں ایمان و کفر کا اجتماع ناممکن ہے ایسے ہی ایک دار میں اہلِ ایمان و اہلِ کفر کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ اور عالمِ برزخ درمیان میں حائل ہے اس کے بعد فرق ظاہر ہو جائے گا۔ اگرچہ اہلِ معرفت کی نگاہوں میں آج بھی فرق عیاں ہے، لیکن یہ فرق معنوی ہے، ہاں قیامت میں یہ فرق

حسی ہوگا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ یہ اس کو خطاب ہے جو خطاب کا اہل ہے اور رؤیۃ بمعنے علم ہے۔ یعنی کیا تمھیں معلوم نہیں اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یعنی اسی کی تدبیر و مشیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ اس سے ملائکہ و جن و انس مراد ہیں مطیع ہو یا عاصی؛ اس لیے کہ ایک سجدہ اختیاری ہوتا ہے اس سے انسان مراد ہے اور اس پر وہ ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ دوسرا سجدہ تسخیری ہوتا ہے یہ انسانُ حیوان و نباتات کے لیے ہوتا ہے۔

نکتہ : انقیاد یعنی سرِ تسلیم خم ہونے کو باب طاعت میں عبد کے اکمل افعال سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ مکمل تسخیر و تذلل اسی میں ہے۔

نکتہ : ہم نے اسے معنی مجازی پر اس لیے محمول کیا ہے کہ کفرۃ الانس و مرۃ الجن و شیاطین اور جملہ حیوانات و جمادات کو سجدۂ طاعت و عبادت نصیب نہیں اس لیے کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اور سجدہ وضع الجبھۃ علی الارض یعنی زمین پر ماتھا ٹیکنے کو کہتے ہیں۔

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ اور سورج، چاند اور ستارے کہ چلتے پھرتے اور طلوع و غروب کرتے ہیں۔ یہ صرف بندوں کے منافع کے لیے وَ الْجِبَالُ اور پہاڑ ہیں جو پانی کے چشمے بہاتے ہیں اور معادن ظاہر کرتے ہیں، وَ الشَّجَرُ اور درخت سایہ کرتے اور پھل پھول وغیرہ دے کر وَ الدَّوَآبُّ اور چارپایوں میں عجیب باتیں دکھا کر۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں۔ جس کام کے لیے اللہ نے انھیں پیدا فرمایا وہ اسے بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں اسی کی تسبیح ہے کہ اس نے ایسی عجیب و غریب مخلوق پیدا فرمائی اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال رزق بخشا، اور ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں پیدا فرمایا اور ہمیں رزق بخشا، صحت و تندرستی عطا کی۔ اگر بیماری میں کبھی مبتلا کیا بھی تو اس میں ہزاروں حکمتیں مخفی رکھیں۔ اور ان نعمتوں میں مومن، کافر، نیک اور بد سب برابر رکھے وَ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ اور انسانوں میں سے اکثر ایسے ہیں جو اس کے سامنے عبادت و طاعت کے طور پر سر جھکاتے ہیں۔ اور یہ محذوف فعل کا فاعل ہے اس لیے مرفوع ہے ورنہ حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے کہ اہلِ عرفان اپنے ارادہ سے عبادت کے طور سر بسجود ہوتے ہیں اور جملہ جمادات اور غیر ذوی العقول اشیاء و بے دین لوگ اپنی کسی حاجت کے تحت عجز و نیاز کا سجدہ کرتے ہیں۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ عالم کا ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ کے حضور خاضع و خاشع ہے جیسا کہ دلالت حال بتاتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ دلالت حال دلالت مقال سے فصیح تر ہے ؎

جملہ ذرات جہاں را در سجود درنگر تا بینی از عین شہود

ترجمہ: غور سے دیکھ تاکہ تجھے عین شہود نظر آئے کہ جملہ عالم کا ذرہ ذرہ سر بسجود ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَثِيرٌ اور اکثر لوگ ایسے ہیں جن پر حَقَّ حق ثابت ہوگیا ہے عَلَيْهِ الْعَذَابُ عذاب بوجہ ان کے کفر اور بسبب طاعت سے انکار کرنے کے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ قرآنی سجدات کا یہ چھٹا سجدہ ہے اور اس پر علماء کا اختلاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ فتوحات میں اس سجدہ کو سجدۂ مشاہدہ وعبرت سے تعبیر کیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ صرف انسان کو کثیر سے تبعیض (بعض حصہ) بنانے میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ سجدہ ریزی میں عجلت کرے تاکہ اسے کثیر اوّل میں شمار ہونے کا موقعہ نصیب ہو کیونکہ وہی اہل سجدہ اور اہلِ قرب ہیں بخلاف کثیر ثانی کے کہ وُہ عذاب وعقاب کے مستحق ہیں۔

س

ذوق سجدہ و طاعت پیش خدا

خوشتر باشد ز صد دولت ترا

ترجمہ: تجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریزی اور اطاعت کا موقعہ نصیب ہو جائے تو تیرے لیے یہ سیکڑوں دولتوں سے بہتر ہے۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ کثیر اول فی نفسہ کثیر ہیں اگرچہ بہ نسبت ثانی کے قلیل ہیں کیونکہ کثیر اول اہلِ جمال ہیں اور اہلِ جمال بہ نسبت اہلِ جلال کے قلیل ہیں کیونکہ اہلِ جمال اہلِ جلال میں ہزار میں ایک ہے۔

ف: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اہلِ حق اگرچہ ایک ہی ہو تب بھی وہ سوادِ اعظم ہے۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قلیل جب اپنی شدۃ میں مضبوط ہو تو حقیقی کثیر وہی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل وخوار کرے۔ یعنی جسے ازل سے اپنے علم سے لکھ دے کہ یہی بدبخت ہوگا جبکہ اسے معلوم تھا کہ یہ بندہ اپنے اختیار سے ہی شقاوۃ اختیار کرے گا فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ تو کبھی کوئی اسے سعادت مند نہیں بنا سکتا اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ چاہے کسی کو ازل سے ابد تک مکرم بنائے، چاہے کسی کو ذلیل وخوار کرے۔

ف: امام نیشاپوری نے کشف الاسرار میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو اہلِ ایمان سے اس لیے کثیر پیدا فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی طاعت وعبادت سے مستغنی ہے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث قدسی میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں فرمایا کہ میں اس سے فائدہ اٹھاؤں، بلکہ اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ مجھ سے فائدہ اٹھائے۔

نکتہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ کفار کی تخلیق صرف اہلِ ایمان کی عزت افزائی کے لیے ہوئی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ تعرف

الاشیاء باضدادھا (اشیاء اپنی نقیض سے پہچانی جاتی ہیں)۔ نیز قاعدہ ہے کہ شے جونہی قلیل تر ہو گی عزیز تر ہو گی۔ اسی وجہ سے معدنیات اللہ تعالیٰ کے اسم عزیز کا مظہر ہیں کہ وہ اشیاء میں عزیز ترین یعنی کمیاب ہیں۔

نکتہ: اہل ایمان کو قلیل اس لیے بھی بنایا تاکہ اپنی قدرت دکھائے کہ وہ کریم کیسا قادر ہے کہ دشمنوں کی صفوں میں بھی ان کی حفاظت فرما رہا ہے جیسے اپنے محبوب عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے کفار کے درمیان میں محفوظ فرمایا باوجودیکہ وہ کثیر در کثیر اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم یکہ و تنہا۔ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ بہت سے مواقع پر قلیل کثیر پر غالب آ جاتے ہیں۔ یہ صرف خدا تعالیٰ کی مہربانی اور عنایت و اعانت ہوتی ہے۔ وہ اپنے لطف و کرم سے جس کی مدد فرمائے اسے کوئی بھی رسوا نہیں کر سکتا۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت اور غلبہ رکھتی ہے۔ اس حدیث شریف کا مقتضا یہ ہے کہ اہلِ رحمت اہلِ غضب سے کثیر التعداد ہوں گے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ قیامت میں ایک ہزار اہل غضب کے مقابلہ میں صرف ایک ہی اہلِ رحمت ہو گا (کما ورد فی الحدیث الصحیح) نیز وارد ہے کہ اہلِ رحمت اہلِ غضب کی نسبت ایسے ہیں جیسے ایک سفید بال سیاہ بالوں والے بیل میں۔

جواب: یہ کثرت صرف بہ نسبت بنی آدم کے ہے ورنہ غور سے دیکھا جائے تو اہلِ رحمت کا تو شمار ہی نہیں مثلاً اب اہل رحمت بنی آدم کے ساتھ ملائکہ اور حور و غلمان کو ملائیے پھر اہلِ غضب کے ساتھ مقابلہ کیجئے تو اہل غضب اہل رحمت کے مقابلہ میں کروڑواں حصہ بھی نہیں بنتے۔

تحقیقِ اہلِ تحقیق محققین فرماتے ہیں کہ جملہ موجودات کی تخلیق سے مقصود صرف انسان کامل کا ظہور ہے اور وہ صرف ایک ہے اسی نسبت سے قلت اور شرافت کو بزرگی ہے۔ اسے یوں سمجھیے کہ کل انسان اگر ایک ہزار ہوں تو ان میں سے نو حصے کافر ہوں گے اور ایک حصہ اہلِ ایمان۔ پھر ایمان کو دس حصوں میں منقسم کیا جائے تو ان میں نو حصے گنہگاروں کے اور ایک حصہ اہلِ اطاعت کا ہو گا۔ پھر اہلِ اطاعت کو دس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ان میں نو حصے اہلِ زہد کے ہوں گے اور ایک حصہ اہلِ عشق کا۔ پھر اہلِ عشق دس ہوں تو ان میں نو حصے اہلِ برزخ و اہلِ فرقت ہوں گے تو ایک اہلِ منزل و اہلِ وصلت ہو گا اور وہی درحقیقت کبریتِ احمر اور مشکِ اذفر سے بھی عزیز ہے۔ یہی وہ محبوب انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی عزت و کرامت سے معزز و مکرم بناتا ہے، جس کا ثانی نہیں ہوتا، ایسے محبوب کی اہانت پر جملہ عالم چاہے کتنا زور لگائے تب بھی اس کا بال بیکا نہ ہو گا کیونکہ اسی کو حقیقی عزت نصیب ہوتی ہے اس لیے کہ اس نے اپنے آپ کو فنا فی اللہ بنا دیا ہے اور سجود حقیقی کا یہی مقام ہے اسے اللہ تعالیٰ نے معزز و مرتفع بنایا ہے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث قدسی میں ہے:
من عادلی ولیاً فقد بارزنی بالمحاربۃ۔ یعنی جو کسی بھی ولی اللہ کے ساتھ دشمنی کرتا اور

اسے ایذا دیتا اور اس کی اہانت کرتا ہے۔ گویا وُہ اللہ تعالیٰ کے لیے میدانِ جنگ میں نکلا اور اللہ تعالیٰ صرف اپنے محبوبوں کی مدد فرماتا ہے اس لیے جو بھی ولی اللہ کا مقابلہ کرتا ہے رسوا ہوتا ہے نہ کوئی اس کی مدد کرتا ہے نہ اسے کہیں عزت نصیب ہوتی ہے ؎

اہلِ حق ہرگز نمی باشد جہاں
اہلِ باطل خوار باشد در جہاں

ترجمہ: اہلِ حق کبھی رسوا نہیں ہوتے البتہ جہاں میں اہل باطل سدا ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔

هٰذٰنِ یہ دو گروہ یعنی اہلِ ایمان اور کفار، جنھیں سابقاً پانچ فرقوں میں منقسم کیا گیا ہے خَصۡمٰنِ آپس میں جھگڑا رکھتے ہیں اخۡتَصَمُوۡا فِیۡ رَبِّهِمۡ ان کا جھگڑا اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے یا اس کے دین یا اس کی ذات یا صفات یا اس کی جملہ شانوں کے بارے میں ہے اس لیے کہ ہر گروہ اپنے عقیدہ کو حق سمجھتا ہے اور دوسرے کو باطل۔ اور ہر ایک کے اقوال و احوال دوسرے گروہ کے لیے موجبِ خصومت بنے رہتے ہیں اگرچہ وہ آپس میں کبھی باہم مصروفِ گفتگو ہوئے ہوں یا نہ ؎

اہل دین حق و انواع ملل
مختصم شد بے زبان اندر علل

ترجمہ: حق دین والے اور دوسرے اہلِ ملل ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہیں لیکن زبان اور علل کے بغیر۔

فَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا یہ یفصل بینھم یوم القیٰمۃ کے اجمال کی تفصیل ہے۔ یعنی پس وہ لوگ جو کافر ہیں قُطِّعَتۡ لَهُمۡ (حلِ لغات) یہ التقطیع سے ہے بمعنے ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ یہاں پر قدرت علیٰ مقادیر جثتھم کے معنی میں ہے یعنی ان کے جُثے کے اندازے پر تیار کیے جائیں گے ثِیَابٌ مِّنۡ نَّارٍ آگ کے کپڑے، یعنی وہ سخت نار جو انھیں ایسے گھیر لے گی جیسے کپڑا انسان کے جسم کو گھیر لیتا ہے یُصَبُّ صبّ الماء سے ہے بمعنے پانی کو اوپر سے گرانا۔ یعنی گرایا جائے گا مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِیۡمُ ان کے سروں پر ایسا سخت گرم پانی کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیا کے پہاڑوں پر گرایا جائے تو تمام پہاڑ پانی کی طرح پگھل کر پانی کی طرح بہہ جائیں۔ امام راغب نے فرمایا الحمیم ہر اس پانی کو کہا جاتا ہے جو سخت گرم ہو اور پسینے کو بھی حمیم کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: استحم الفرس۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب گھوڑے سے پسینہ بہے۔ اور حمام کو اس لیے اس نام سے موسوم کرتے ہیں کہ اس کے اندر گرمی ہوتی ہے کہ انسان اس میں داخل ہوتے ہی (بالفعل یا بالقوۃ) پسینہ سے تر ابور ہو جاتا ہے یا اس لیے کہ وہ گرم پانی سے لبریز ہوتا ہے۔ اور الحمی (بخار) کو بھی اسی لیے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ بخار میں شدید گرمی ہوتی ہے یا اس لیے کہ کبھی بخار میں پسینہ عارض ہوتا ہے۔ یا اس لیے کہ یہ موت کی علامات سے ہے اور عربی میں موت کو حمام کہا جاتا ہے اسی معنے پر حمّی اسی سے ماخوذ ہوا۔ یُصۡهَرُ بِهٖ اسے گرم پانی کی سخت ترین گرمی سے پگھلایا جائے گا (حلِ لغات) یہ صھرت الشئ فانصھر (میں نے فلاں شے کو پگھلایا تو وہ پگھل گئی) سے مشتق ہے فھو صھیر یعنی وُہ پگھلانے والا ہے۔ اور الصھر بمعنے کسی شے کو پگھلانا۔ اور الصھارہ

ہر وُہ شے جس سے کسی شے کو پگھلایا جائے۔ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وہ جو ان کے پیٹ کے اندر آنتیں وغیرہ ہوں گی وَ الْجُلُوْدُ اور ان کے چمڑے وغیرہ پگھل کر گر پڑیں گے۔ اس کا ما پر عطف ہے اور اس کی تاثیر صرف خواص کی وجہ سے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب جہنم کا گرم پانی ان کے سروں پر ڈالا جائے گا تو اس کی گرمی کی تاثیر سے جیسے ان کے اندر کے حصّے متاثر ہوں گے کہ آنتیں وغیرہ جل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر باہر نکلیں گی ایسے ہی ان کے ظاہری جسم یعنی ان کی کھالیں وغیرہ جل کر گریں گی۔ پھر اللہ تعالےٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے انسان کو اصلی حالت میں لوٹا دے گا، پھر یہی عمل دہرایا جائے گا۔ ایسے بار بار ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ نعوذ باللہ من غضبہ وسخطہ و عذاب نارہ بجاہ حبیبہٖ الکریم (صلی اللہ علیہ وسلم) وَ لَهُمْ اور کافروں کو عذاب دینے اور ان کے چمڑے ادھیڑنے کے لیے مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ جہنّم کے فرشتوں کے ہاتھوں میں لوہے کے گرز ہوں گے۔ یہ مقمعہ کی جمع ہے قمع کا آلہ۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ لوہے کے وہ ڈنڈے کہ جب کفار پر برسائے جائیں گے تو ان کے چمڑے اُدھڑ جائیں گے۔ درحقیقت مقمعہ بمعنے مایقمع بہ ای یکف بعنف ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر جہنم کا ایک ڈنڈا زمین پر رکھا جائے تو اسے جن و انس اٹھانا چاہیں گے بھی تو نہیں اٹھا سکیں گے۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا جب وہ اس سے نکلنا چاہیں گے، یعنی دوزخ کے کنارے کھڑے ہو کر باہر نکلنے کا خیال کریں گے۔ مروی ہے کہ انہیں جہنم کی آگ کے شعلے نیچے سے اوپر کے کنارے لائیں گے تو وہ باہر نکلنے کے خیال میں ہوں گے تو انھیں فرشتے کا ڈنڈا پڑے گا جس کی زد سے جہنم کی آگ میں ستّر سال کی مسافت کے برابر دھنس جائیں گے۔ حدیث شریف میں لفظ خریف سے جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے اور خریف فصول اربعہ کی آخری فصل کا نام ہے۔ مِنْ غَمٍّ سخت ترین غم سے جو انھیں اس ڈنڈے کے برسنے سے پہنچے گا۔ یہ منھا کی ضمیر سے بدل الاشتمال ہے اُعِيْدُوْا فِيْهَا اسی جہنم کے گڑھے میں لوٹائے جائیں گے یعنی انھیں جہنم کے اوپر کے حصّے سے نیچے کے حصّے میں دھنسا دیا جائے گا۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ وہ جہنم سے کہیں باہر نکل جائیں گے تو انھیں وہاں سے پکڑ کر لوٹایا جائے گا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ انھیں انہی گرزوں سے مار مار کر دوزخ میں لوٹایا جائے گا۔ یہ اس وقت ہوگا جب وہ دوزخ کے کنارے پہنچ جائیں گے، اور قریب ہوگا کہ دوزخ سے باہر نکل جائیں لیکن پھر دوزخ کے فرشتے ان پر ڈنڈے برسائیں گے تو وہ دوزخ کے نچلے حصوں میں دھنس جائیں گے۔

وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ اور انھیں کہا جائے گا کہ جلانے والے دوزخ کا عذاب چکھو۔ یا الحریق بمعنے المحرق ہے جیسا کہ اوپر گزرا، اور فعیل کے صیغے کی طرف عدول سے مبالغہ مطلوب ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے فالذین کفروا یہاں وہ اربابِ نفس مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین سے منقطع ہو گئے اور انہوں نے اتباعِ ہوا و طلبِ شہواتِ دنیوی میں زندگی بسر کی۔ اسی طرح وہ بعض اصحابِ رُوح جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی اور انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ حق کو رد کیا قطعت لهم ثیاب من نار ان کے قد کے مطابق قضاء و قدر کے تاگوں کے ساتھ ان کے لیے جہنم کے کپڑے تیار کیے جائیں گے اور یہ کپڑے دراصل ان کی وہ خواہشاتِ نفسانی ہوں گی جو انہوں نے شرع پاک کی مخالفت کر کے خود تیار کی اور موافقات طبع سے انھیں مکمل کیا یصب من فوق رؤسهم الحميم ان کے سروں پر خواہشات نفسانیہ کا گرم پانی ڈالا جائے گا جس سے پگھلیں گے اور جو ان کے اندر اخلاق حمیدہ تھے وہ سب کے سب ان سے خارج ہو جائیں گے ولهم مقامع من حديد اور انھیں اخلاقِ ذمیمہ اور استیلائے حرص و امل کے ڈنڈے نصیب ہوں گے۔ وقيل لهم ذوقوا عذاب الحريق اور انھیں کہا جائے گا اب وہ عذاب چکھو جو تمہیں شہوات کی نار سے نصیب ہو رہا ہے کہ اسی نار سے تم نے استعداداتِ حسنہ کو جلایا تھا۔

سوال : نارِ جہنم اچھی ہے یا بُری ؟

جواب : نہ وہ اچھی ہے نہ بُری، بلکہ ایک قسم کا سخت عذاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ من وجہ اچھی ہے اور من وجہ بُری۔ جیسے نمرود کی نار بظاہر تو لوگوں کی نظروں میں بُری تھی مگر ابراہیم علیہ السلام کے لیے برد و سلام تھی، یا جیسے وہ ڈنڈا جو پولیس کے ہاتھ میں ہوتا ہے نافرمان و سرکش لوگوں کے لیے مفید ہوتا ہے اور فرمانبردار اور صالحین کے لیے بُرا۔ اسی طرح نارِ جہنم دوزخ کے چیف افسر بنام مالک اور اس کے عملہ کے لیے اچھی ہے لیکن دشمنانِ خدا جو اس میں داخل ہوں گے ان کے لیے بُری۔ اسی طرح یہی نارِ جہنم اہل ایمان فساق کے لیے بھی اچھی ہے جب وہ اس میں داخل ہوں گے تو ان کے نفوس کے جواہر میں معاصی و جرائم کی آمیزش ہوگی اس سے وہ صاف و شفاف ہو جائیں گے۔ لیکن دوسروں یعنی کفار و مشرکین کے لیے بُری ہے۔ اسے طاعون و وبا کی طرح سمجھیے کہ وہ اہلِ ایمان کے لیے رحمت ہے لیکن کفار کے لیے زجر و توبیخ۔ اسی طرح وجود بھی عارفین کے نزدیک خیر محض ہے لیکن محققین اسے شرِ خالص سے تعبیر کرتے ہیں وہ اس لیے کہ وجود بھی باری تعالیٰ کی صفت کا ایک نشان ہے۔ کما قال : ربنا ما خلقت هذا باطلا اس معنے پر وجود کو اعیانِ کونیہ سے منسوب ہونے کی وجہ سے شر کہہ سکتے ہیں لیکن جب اسے افعالِ الٰہی سے نسبت ہو گی تو اسے خیر ہی خیر ماننا پڑے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے ملک میں جو چاہے کرے اور جس طرح چاہے حکم فرمائے۔ خلاصہ یہ کہ نارِ حق تعالیٰ کے جلال کا مظہر ہے۔ اسی لیے ہم کہنے پر مجبور ہیں کہ چونکہ یہ مظہرِ جلال ہے یہ خیر ہی خیر ہے اور چونکہ پھر اسے بعض اعیان سے تعلق ہے اس لیے اسے شر ہی شر سمجھنا ہو گا۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے نار کو اس لیے پیدا فرمایا تاکہ مخلوق کو جلال و کبریائی کا علم ہو اور ہمیشہ خوفِ الٰہی اور ہیبتِ حق سے خوفزدہ ہو

اور تاکہ اس کے ذریعے ان بدبختوں کی سرزنش کی جائے جنھوں نے انبیاء اور رسل علیہم السلام کا ادب نہ کیا اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا مبارک گھر میں لٹکا دیا تھا تاکہ اہلِ بیت دیکھ کر ادب کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اپنے اور پرائے کی پہچان مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں وحی بھیج کر فرمایا کہ میں نے دوزخ اس لیے نہیں پیدا کی کہ میرے ہاں رحمت کی کمی ہے بلکہ اسے اس لیے بنایا تاکہ دوست، دشمن کی پہچان ہو اور انھیں ایک جگہ رکھنا ناموزوں تھا اس لیے دوستوں کے لیے بہشت اور دشمنوں کے لیے دوزخ پیدا فرمائی۔

نکتہ : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دوزخ کی تخلیق بھی مبنی بر شفقت ہے جیسے کوئی شخص اعلان کرے کہ جو میری مہمانی قبول کرے گا اس کی عزت ہوگی اور جو قبول نہیں کرے گا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن دُوسرا یُوں اعلان کرے کہ جو قبول کرے گا اس کی عزت ہوگی اور جو قبول نہیں کرے گا اسے سزا ملے گی۔ ان دونوں میں سے دوسرے کو زیادہ شفیق و کریم سمجھا جائے گا۔ بلاتمثیل سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی بہشت میں مہمانی کے لیے بلایا کما قال :

واللہ یدعوا الیٰ دار السلام۔

اس کے بعد اپنے محبوب علیہ السلام کو تلوار دے کر حکم فرمایا کہ جو میری مہمانی قبول نہ کرے اسے قتل کر دو۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کرے اور اس کے حکم کو مانے تاکہ اس کے قہر و غضب سے بچ سکے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱	ہنوزت اجل دست ہوشت نبست	برآور بدرگاہ داور دو دست
۲	تو پیش از عقوبت در عفو کوب	کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب
۳	چناں شرم دار از خداوند خویش	کہ شرمت زہمسایگانست وخویش
۴	بترس از گناہاں خویش ایں نفس	کہ روزِ قیامت نترسی ز کس
۵	بر اں خورد سعدی کہ بیخے نشاند	کسے برد خرمن کہ تخمے فشاند

ترجمہ : (۱) ابھی اجل نے تیرے ہوش کے ہاتھ نہیں باندھے بارگاہِ احکم الحاکمین میں دو ہاتھ عاجزی کے پیش کرلے۔

(۲) سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکھٹا، سزا کے بعد شور کرنا بے سود ہوگا۔

(۳) اپنے خدا سے اسی طرح شرم کر جیسے تجھے ہمسایوں اور رشتہ داروں سے شرم ہے۔

(۴) آج اپنے گناہوں سے ڈر، پھر تجھے قیامت میں کسی سے ڈر نہ ہوگا۔

(۵) جو بیج بوئے گا اے سعدی! اسی کا پھل اٹھائے گا۔ خرمن وہ لے گا جو بیج بوئے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ
فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ○ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ
الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ
فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

ترجمہ : بے شک اللہ داخل فرمائے گا انھیں جو مومن ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں پہنائے جائیں گے سونے کے کنگن اور موتی اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا اور انہیں پاکیزہ بات کی ہدایت کی گئی اور انھیں راستہ کی ہدایت کی گئی جو ستائش کے لائق ہے بیشک وہ جنھوں نے کفر کیا اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور اس مسجد حرام سے جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے مقرر فرمایا اس میں مقیم اور مسافر کو برابر کا حق ہے اور وہ جو اس میں کسی قسم کی زیادتی کا ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو داخل کرے گا جنھوں نے ایمان لاکر نیک عمل کیے جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں يُحَلَّوْنَ فِيْهَا اس میں انھیں زیور پہنائے جائیں گے۔

حل لغات : یہ المرأۃ سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی عورت زیور پہنے۔ قیامت میں ملائکہ کرام بہشتیوں کو زیورات پہنائیں گے۔ اور الحلی ہر وہ شے جو زینت کے طور از قسم سونا و چاندی پہنی جاتے، یعنی زیور۔ یعنی بہشت میں ان لوگوں کو زیورات پہنائے جائیں گے۔

مِنْ اَسَاوِرَ یہ من تبعیضیہ ہے اور اساور، اسورۃ۔ اور یہ سوار کی جمع ہے یعنی دستورانہ یعنی کنگن۔
مِنْ ذَهَبٍ یہ سوار کا بیان ہے یعنی وہ کنگن سونے کے ہوں گے وَّلُؤْلُؤًا اس کا عطف من اساور کے محل پر ہے اسے مجرور بھی پڑھا گیا ہے اس وقت اس کا عطف من ذھب پر ہوگا۔ یعنی وہ کنگن سونے کے ہوں گے جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا یا یہ معنی ہے کہ وہ دونوں جنسوں سے ہوں گے یعنی کسی وقت سونے کے اور کسی وقت موتیوں کے یا دونوں طرح کے زیورات مختلف طریقوں سے پہنائے جائیں گے جیسے دنیا میں عورتیں بیک وقت مختلف اجناس کے

زیورات مختلف طریق سے پہنتی ہیں۔ اور وہ زیور بہتر شمار ہوتا ہے جس کا ایک کنگن خالص سونے کا اور دُوسرا سفید موتیوں کا ہو۔ بعض نے کہا کہ اس کا عطف ذھب پر نہیں بلکہ اساور پر ہے اس لیے کہ عادۃً موتیوں کے کنگن نہیں ہوتے۔ لیکن یہ قول غلط ہے اس لیے کہ اس میں عالمِ ملکوت کا عالمِ دنیا پر قیاس کیا گیا ہے اور ایسا قیاس سراسر خطا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے آخرت میں بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار فرمائی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور وُہ نہ کسی تصوّر میں آسکتی ہیں۔ ہماری تائید حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ بہشتی کو بہشت میں تین کنگن پہنائے جائیں گے، ایک خالص سونے کا، دُوسرا خالص چاندی کا، تیسرا لؤلؤ و یاقوت کا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ کبھی خالص موتیوں سے بھی کنگن تیار ہوتے ہیں وہ اس طرح کہ موتیوں کو ایک دُوسرے کے ساتھ پرو دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آخرت کے زیورات کی ساخت اس عالم دنیا سے نرالی ہوگی۔ اور یہی معنیٰ موزوں ہے اس لیے کہ باب ترغیب میں ایسا مفہوم موثر ہوتا ہے۔

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ اور بہشت میں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔

مسئلہ: دنیا میں مردوں کو ریشمی لباس پہننا حرام ہے۔

حدیث شریف حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشمی لباس پہنا وہ بہشت میں ریشمی لباس سے محروم ہوگا۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مردوں پر ریشمی لباس پہننا حرام ہے مگر صرف چار انگلی کی مقدار ریشم لباس میں استعمال کرنا جائز ہے۔

روایت مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جبہ مبارک پہنا جس کی آستینیں چار انگلی کے برابر ریشمی تھیں۔ اس میں جنگ وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

مسئلہ: امام ابویوسف و محمد رحمہما اللہ نے ایسا جبہ پہننا صرف جنگ کے وقت جائز رکھا ہے بوجہ ضرورت کے لیکن یہ قول غیر مفتی بہ ہے کیونکہ ضرورت تو دوسرے طریق سے بھی پُوری ہو سکتی ہے وہ اس طرح کہ جنگ میں ایسا کپڑا پہنا جائے جس کا باہر یا اندر کا حصہ ریشمی ہو۔ (کذا فی بحر العلوم)

مسئلہ: امام دمیری رحمہ اللہ نے حیٰوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ جُوئیں دُور کرنے کے لیے ریشمی لباس پہننا جائز ہے اس لیے کہ ریشمی لباس میں جُوئیں نہیں آتیں، اور صحیح ترین یہ ہے کہ یہ عام ہے سفر میں ہو یا حضر میں۔ (کذا فی انوار المشارق)

وَهُدُوٓا إِلَى ٱلطَّيِّبِ مِنَ ٱلْقَوْلِ اور اہلِ ایمان پاکیزہ قول کی طرف راہ دکھائے جائیں گے۔ مثلاً

بہشت کو دیکھ کر کہیں گے الحمد للہ الذی ھدانا لھذا ۔ جب بہشت میں داخل ہوں گے تو کہیں گے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ۔ جب اپنی منزلوں میں پہنچیں گے تو کہیں گے الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ و اورثنا الارض ۔ بعض مفسرین نے فرمایا یہاں پر پاکیزہ قول سے ان کا دنیا میں کلمۂ طیبہ پڑھنا مراد ہے یعنی انہیں دنیا میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کی ہدایت نصیب ہوئی ۔

تفسیر صوفیانہ چنانچہ "تاویلاتِ نجمیہ" میں ہے کہ انھیں اخلاص سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا نصیب ہوا۔

اور حقایق البقلی میں ہے کہ اس سے مراد ذکر یا امر بالمعروف یا اہلِ اسلام کی خیرخواہی یا ان کے لیے دعائے خیر اور ارشادِ سالکین مراد ہے ۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ حضرت الٰہی نے کشف الاسرار میں فرمایا کہ قولِ پاکیزہ یہ ہے کہ بندہ دعویٰ سے پاک اور عُجب سے بے نیاز اور عجز و نیاز کے قریب تر ہو ۔ اور سہل تستری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق غور و خوض کیا تو مجھے قول پاکیزہ عجز و نیاز کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوا اور دعویٰ نہایت مشکل ترین امر سے محسوس ہوا ؎

ایمن آبادست این راہِ نیاز ترک نازش گیر و بایں راہ بساز
رو تبرک دعویٰ دعوت بگو راہ حق ز کبر و از نخوت مجو

ترجمہ : برکت کا مقام ہے یہ راہِ نیاز ، نازش کو چھوڑ اور نیاز حاصل کر ۔ دعویٰ دعوت کو بالکل ترک کر دو راہِ حق کبر و نخوت سے حاصل نہیں ہوتا ۔

تفسیر عالمانہ وَهُدُوٓا إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلْحَمِيدِ وہ ایسے راہ کی ہدایت دئے گئے جو فی نفسہٖ محمود تھا یا اس کا انجام محمود تھا ۔ فواصل کی رعایت سے ہدایت کے بیان کو موخر فرمایا ہے ۔ حضرت کاشفی نے لکھا کہ اہلِ ایمان ایسے راہ کی ہدایت دئے گئے جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے یعنی دینِ اسلام ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دین کی تعریف فرمائی ہے ۔ اب معنی یہ ہُوا کہ وہ دین جس کے جملہ افعال کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ راستہ مراد ہے جو موصل الی اللہ ہے اس لیے کہ حمید اللہ تعالیٰ کا نام ہے ۔

ف : طریق قویم کے ابتدا کی علامت یہ ہے کہ انسان کو عمل صالح پر ثابت قدمی نصیب ہو اور وہ اخلاص سے حاصل ہوتی ہے اگرچہ ایمان انسان کو خلود فی النار سے نجات دلا کر بہشت میں لے جائے گا ۔ لیکن نورانیت عمل صالح سے نصیب ہوتی ہے اور عمل صالح سے ہی قلب منور ہوتا ہے ۔

ف : حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی : یا اللہ ! تیرے بندوں سے عاجز ترین کون ہے ؟ فرمایا :

جو عمل صالح کے بغیر بہشت اور رزق دُعا کے بغیر مانگتا ہے ۔ پھر سوال کیا کہ تیرے بندوں سے بخیل ترین کون ہے ؟ فرمایا ؛ جس سے سائل سوال کرے اور اس کے پاس اس کی حاجت پُوری کرنے کی طاقت بھی ہو لیکن اس کی حاجت پُوری نہ کرے ۔

حکایت یثرب (مدینہ) میں ایک شخص نے اپنے دوستوں کو دعوت دی ۔ جب وہ تشریف لائے تو اس نے اپنے نوکر کو چار درم دئے اور فرمایا کہ ان کے بدلے ایسے میوے لا جو ان تمام کو مکتفی ہو سکیں ۔ جب غلام منصور بن عمار (ولی اللہ) کی مسجد سے گزرا تو اسے کسی فقیر کے لیے کچھ پیسے درکار تھے اور فرما رہے تھے جو شخص اس میرے فقیر کو چار درم دے گا میں اس کے لیے چار دعائیں مانگوں گا ۔ غلام نے وہ چار درم فقیر کو دے دئے اور حضرت منصور سے عرض کی ، آپ میرے لیے حسبِ وعدہ چار دعائیں مانگیے ۔ جو یہ ہیں :

(۱) میں کسی کا غلام ہُوں دعا فرمائیے وہ مجھے آزاد کر دے ۔

(۲) یہی دئے ہوئے دراہم مجھے واپس مل جائیں ۔

(۳) میرے آقا کو اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق بخشے ۔

(۴) مجھے اور میرے آقا اور تجھے اور جملہ جماعت کو اللہ تعالیٰ بخش دے ۔

حضرت منصور نے فرمایا میں نے تیرے لیے چار دعائیں مانگی ہیں (اِن شاءُ اللہ قبول ہو جائیں گی) ۔

جب نوکر اپنے آقا کے ہاں لوٹا تو آقا نے فرمایا کہ اتنی دیر تم کہاں رہے ؛ اس نے اپنا تمام ماجرا سنایا ۔ آقا نے فرمایا : پہلی دعا کیا تھی ؛ اس نے بتایا کہ میں نے کہا کہ میرا آقا مجھے آزاد کر دے ۔ آقا نے فرمایا ؛ جاؤ ، میں نے تجھے آزاد کیا ۔ کہا ، دوسری دعا یہ تھی کہ مجھے دراہم واپس مل جائیں ۔ آقا نے کہا ؛ جا میرے خزانہ سے چار ہزار درم لے لے ۔ تیری دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے آقا کو توبہ کی توفیق بخشے ۔ آقا نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کرتا ہُوں ۔ غلام نے کہا : چوتھی دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بخش دے ۔ آقا نے کہا : یہ میرے بس سے باہر ہے ۔ رات کو جب آقا سویا تو خواب میں غیب سے آواز آئی کہ جو تیرے بس میں تھا تُو نے کر دیا اور جو میرے کرنے کا ہے وُہ میں نے کر دیا ۔ وُہ یہ کہ تجھے اور تیرے غلام اور تیرے ساتھیوں اور منصور کو بخش دیا ۔

ف ؛ اس حکایت میں بے شمار فوائد ہیں جو ناظرین سے مخفی نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور عاقبت محمودہ کا سوال کرتے ہیں ۔

ؔ

تو چاکرِ در سلطانِ عشق شو چو ایاز
کہ ہست عاقبت کارِ عاشقاں محمود

ترجمہ ؛ تو سلطانِ عشق کے حضور میں ایاز کی طرح ہو جا پھر عاشقوں کا انجام بالآخر محمود ہوتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور لوگوں کو اللہ کی طاعت اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ مضارع سے حال و استقبال مراد نہیں بلکہ اس سے استمرار مطلوب ہے۔ گویا یُوں کہا گیا کہ وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کا کام ہے راہِ حق سے روکنا ۔ اس کی نظیر الذین اٰمنوا وتطمئن قلوبھم عن ذکر اللہ ہے وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس کا عطف سبیل اللہ پر ہے۔ اس سے مراد مکہ معظمہ ہے یا معنی یہ ہے کہ کفار اہلِ ایمان کو مسجدِ حرام کے طواف سے روکتے ہیں۔ الحرام کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مسجد ہر لحاظ سے محترم ہے بایں معنیٰ کہ نہ اس کے شکار کو پکڑا جائے نہ وہاں سے کانٹے کاٹے جائیں اور نہ وہاں خون بہایا جائے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس سے حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے کہ اسی روز کفار نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طوافِ کعبہ اور مسجد کے داخلہ سے روکا۔ یہی قول مشہور تر ہے۔

الَّذِیْ جَعَلْنٰہُ جسے ہم نے بنایا عبادت گاہ لِلنَّاسِ لوگوں کے لیے، وہ جہاں کے بھی ہوں، یعنی مکی ہوں یا آفاقی۔ سَوَآءَنِ الْعَاکِفُ فِیْہِ وَالْبَادِ یہ جعلنا کا دوسرا مفعول ہے اور العاکف بہ بنائے فاعلیت مرفوع ہے اور عربی میں مقیم کو بادی کہا جاتا ہے اور البادیہ ہر وہ مکان جو اپنے اندر کی تمام اشیاء کو ظاہر کر دے۔ اب معنی یہ ہوا کہ مسجدِ حرام کی حاضری میں مقیم اور باہر سے آنے والے سب برابر ہیں یعنی اس کی تعظیم و تکریم بجا لانے کے لیے مقیم و مسافر برابر ہیں۔ اور اسے الحرام کی صفت سے موصوف کرنے میں اس کے طواف سے روکنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ انّ کی خبر محذوف ہے اور وہ معذبون ہے یعنی اس فعل شنیع کے مرتکب عذاب میں مبتلا ہوں گے جیسا کہ انّ کی خبر محذوف پر دوسری آیت دلالت کرتی ہے۔ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ اور اس میں جو بھی ارادہ کرے بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ یہ دونوں حال مترادفہ ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ درانحالیکہ وہ ارادہ کرنے والا حق سے روگردان اور ظالم ہو اور بظلم دراصل متلبسا بظلم تھا۔ اس معنے پر اس کی باء ملابست کی ہوگی اور الحاد بمعنے میل یعنی روگردانی۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا کہ یہ الحد فلان سے ہے۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو حق سے روگردانی کرے۔ یہ دو قسم کا ہے :

(۱) الحاد الی الشرک باللہ۔

(۲) الحاد الی الشرک بالاسباب۔

اول ایمان کے منافی بلکہ اسے باطل کر دیتا ہے۔ دُوسرا ایمان کے نہ منافی ہے نہ اسے باطل کرتا ہے صرف اس کی بنیادیں کمزور کر دیتا ہے۔ یہ الحاد دوسری قسم سے ہے۔

نُذِقْہُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ یہ مَن (شرطیہ) کا جواب ہے یعنی ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

مسئلہ : آیت میں تصریح ہے کہ مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے بعد واجب ہو جاتا ہے کہ عدل و انصاف کا دامن

تھا ما جائے۔

مسئلہ : الحاد و ظلم سے مراد یہ ہے کہ حرم محترم کا نہ شکار کیا جائے اور نہ ہی وہاں کے درخت کاٹے جائیں اور نہ اس میں احرام کے بغیر داخل ہوں۔ اور تمام معاصی و جرائم سے احتراز کیا جائے یہاں تک کہ آقا کو اپنے نوکر کی سرزنش کرنا بھی روا نہیں اس لیے کہ حرم مکہ میں ہر گناہ نیکی کی طرح دوہرا لکھا جاتا ہے یعنی جیسے حرم مکہ میں ہر نیکی مثلاً نماز وغیرہ کا ثواب کئی گنا زیادہ نصیب ہوتا ہے اسی طرح بہ نسبت دُوسرے مقامات کے یہاں کی برائی بھی کئی گنا زیادہ لکھی جاتی ہے۔

مسئلہ : مسجدِ حرام کی طرح مسجد الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) و مسجد اقصیٰ کی حرمت بھی ضروری ہے اور تعظیم و تکریم میں یہ تینوں مساجد برابر ہیں یہاں تک کہ فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر کسی نے ان تینوں میں کسی ایک میں نوافل ادا کرنے کی منت مانی تو ان تینوں میں کسی ایک میں ادا کرے تو ادا ہو جائے گی۔

فائدہ عجیبہ حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دل کے وسوسے معاف فرمائے ہیں لیکن مکہ معظمہ میں جو غلط وسوسے دل میں اُبھریں گے ان کا گناہ لکھا جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں تصریح فرمائی گئی ہے کہ ومن یرد فیہ بالحاد بظلم (الآیۃ)۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مسجد حرام کے بجائے طائف میں اقامت اختیار فرمائی اسی احتیاط پر کہ غلط وسوسوں سے کون روک سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارات ہیں :

(۱) نفوس متمردہ وارواحِ مرتدہ کا طریقہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی اور حق کے انکار کی لعنت کا طوق ان کے گلے میں پڑتا ہے تو وہ دوسروں کو راہِ حق پر چلنے سے روکتے ہیں اور ان کو کئی طرح سے منکر بناتے اور ان پر غلط قسم کے اعتراضات کرتے ہیں اور مشائخ و اولیاء پر بھی طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان کو ماننے والوں کو ان سے دُور رکھنے کے لیے کئی قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں تاکہ وہ انھیں طلبِ حق کے لیے حرم قلب کی مسجد میں داخل ہونے سے محروم کر دیں۔[1] یاد رہے کہ ولی اللہ کا قلب اطہر حرمِ الٰہی ہے۔ حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

دررہِ عشق وسوسہ اہرمن بسیست

ہش دار و گوش دل بہ پیام سروش کن

ترجمہ : عشق کی راہ میں ہزاروں شیاطین ہیں روکنے والے۔ ہوش سے کام لے اور دل کے کان کو غیبی فرشتے کے پیام کی طرف لگا دے۔

---

[1] وہابی، دیوبندی اور ان کے دیگر ہمنوا ٹولے سوچیں کہیں وہ تو اس مرض میں مبتلا نہیں! ان کے علاوہ ہر کلمہ گو بھائی سے التماس ہے کہ اولیاءِ کرام سے سوءِ ظنی اور ان کی بے ادبی و گستاخی سے بچے۔ اویسی غفرلہٗ

مثنوی شریف میں ہے : ؎

پس عدو جان صرافست قلب
دشمن درویش کہ بود غیر کلب

توجمہ : تیری جان کا دشمن ہی تیرے دل کا دشمن ہے اس لیے کہ درویش کا دشمن کُتے کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

اور : ؎

مغز را خالی کن از انکار یار
تاکہ ریحان یابد از گلزارِ یار

توجمہ : انکارِ یار سے مغز کو خالی کر دے تاکہ اسے گلزارِ یار کی خوشبو نصیب ہو۔

(۲) جس قلب کو وصالِ یار دیر سے نصیب ہوا یا بہ عجلت۔ فضیلت میں دونوں برابر ہیں، ان میں کسی کو ایک دوسرے پر فوقیت نہیں دی جا سکتی۔ ہاں مقاماتِ قلب میں فرق ہو تو پھر ان کی فضیلت میں تفریق ہو سکتی ہے۔

ف : الحقایق میں لکھا ہے کہ اول عمر سے اپنے قلب کو یاد الٰہی میں صرف کرنے والا اور وہ جسے نگاہِ ولی سے ایک آن میں وصالِ یار نصیب ہو گیا انکشافات و مشاہداتِ حق میں دونوں برابر ہیں اس لیے کہ عطا کرنے والا کریم ہے۔ وہ دائم الطاعۃ یعنی عمر بھر عبادت کرنے والے کو جو کچھ عطا فرماتا ہے عمر بھر گناہ کرنے کے بعد تائب ہونے والے کو بھی اُتنا ہی عطا فرماتا ہے۔ اسے کون روک سکتا ہے یا اس کے خزانوں میں کون سی کمی ہے !

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

فیض روح القدس از باز مدد فرماید
دگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد

توجمہ : روحِ قدس کے فیض کا دروازہ جب کھلتا ہے تو جو کچھ مسیح علیہ السلام کر سکتے ہیں وہی کرتے ہیں۔
اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ میں شام کے وقت کُردی تھا تو صبح کو عربی اٹھا (یعنی اس کریم کی مہربانی سے اگر میں شام کو لاشئ تھا تو صبح کو عظیم الشان بن گیا)۔

(۳) جو شخص اپنے دل میں غیر حق کو جگہ دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ہجر و فراق کے دردناک عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور وہ حضرت حق سے بہت دُور و مہجور ہو جاتا ہے اس لیے کہ قلبِ انسان محبتِ الٰہی کا گنجینہ ہے اس میں غیر اللہ کی محبت کو گنجائش دینا ظلم ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

(باقی بر صفحہ ۲۵۲)

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَ
الْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ○ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلَىٰ كُلِّ
ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ○ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي أَيَّامٍ
مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۚ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ○
ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ○ ذَٰلِكَ وَمَنْ
يُّعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۗ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ
فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ○ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ
وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي
مَكَانٍ سَحِيقٍ ○ ذَٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ○ لَكُمْ فِيهَا
مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ○

ترجمہ: اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو کعبہ کی جگہ بتا دی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا اور میرا گھر
طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع اور سجدے والوں کے لیے ستھرا رکھ اور لوگوں میں حج کی عام ندا کردے
وہ تیرے ہاں چلے آئیں گے پیدل اور ہر دُبلی اونٹنی پر جو ہر دُور کی راہ سے آتی ہیں تاکہ اپنے فوائد کے لیے حاضر ہوں
اور تاکہ معلوم دنوں میں اللہ کا نام لیں اوپر اس کے کہ اس نے انھیں بے زبان جانور عطا فرمائے سو ان میں سے
خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ۔ پھر انھیں چاہیئے کہ اپنی میل کچیل اتاریں اور اپنی منّتیں پوری کریں
اور اس آزاد گھر کا طواف کریں بات یہ ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے لیے اس کے
رب کے ہاں بہتر ہے اور تمہارے لیے حلال کیے گئے بے زبان جانور سوائے ان کے کہ جن کی حرمت تم پر
پڑھی جاتی ہے سو دُور رہو بتوں کی گندگی اور جھوٹی بات سے ایک اللہ کے ہو کر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ
ٹھہراؤ اور وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا کہ اسے پرندے اچک لیے جاتے ہیں
یا ہوا اسے کسی دُور جگہ پھینکتی ہے بات یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری
سے ہے تمہارے لیے میعاد مقرر تک جانوروں میں فائدے ہیں پھر ان کا پہنچنا ہے آزاد گھر تک۔

(بقیہ صفحہ ۲۵۰)

دلم خانۂ مہر یار ست و بس
ازاں نگنجد در و کین کس

ترجمہ : میرا دل یار کی محبت کا گھر ہے اس لیے اس میں کسی کے کینے کی گنجائش نہیں۔
اور حضرت خجندی نے فرمایا : ؎

با دوست گزین کمال یا جان
یک خانہ دو میہمان نگنجد

ترجمہ : اے کمالؔ ! دوست سے پیار کر یا اپنی جان سے۔ اس لیے گھر میں دو مہمان نہیں ٹھہرائے جا سکتے۔
خلاصہ یہ کہ قلب میں محبت و عشق و توجہ الٰہی کے سوا اور کسی شے کے لیے گنجائش نہیں۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۲۵۱)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ (**حلِ لغات**) اہلِ عرب کہتے ہیں : بوأہ منزلا ای انزل فیہ۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوبِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم ! اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے بیت اللہ یعنی کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کے لیے منزل بنائی کہ اس کی تعمیر اور عبادت کے لیے وہاں آئیں۔
اور جلالین شریف میں بوّانا بمعنے بیّنّا ہے یعنی ہم نے کہا کہ کعبہ مکرمہ کی تعمیر کریں۔

تعمیرِ کعبہ کا شمار مروی ہے کہ کعبہ مکرمہ کی پانچ بار تعمیر ہوئی :
(۱) آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اسے ملائکہ کرام نے سُرخ یاقوت سے تیار کیا جسے ایامِ طوفان میں آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔
(۲) ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔ مروی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اس کی تعمیر کے لیے مامور ہوئے تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ اس کی اصل بنیاد کہاں ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہوا کے ذریعہ بتلایا جس نے آکر اس کے ارد گرد جھاڑو پھیرا تو اس کی بنیادیں صاف نظر آنے لگیں۔ اس ہوا کا نام الخجوج تھا۔ کلبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بادل بھیجا جو کعبہ معظمہ کے بالمقابل کھڑا ہو گیا اور اس میں کوئی بول رہا تھا کہ اے ابراہیم ! میری مقدار پر اور میرے بالمقابل کعبہ تیار کیجئے۔
چنانچہ اسی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر فرمائی۔
(۳) زمانۂ جاہلیت میں قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو اس کا ذخیرہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوئے۔ آپ اس وقت جوان تھے۔ قریشِ مکہ نے تعمیر مکمل کر کے حجرِ اسود کو نصب کرنے کا ارادہ کیا تو آپس میں جھگڑنے لگے۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا

کہ حجرِ اسود کو وہی کعبہ معظمہ کی دیوار میں نصب کرے ۔جھگڑا طول پکڑ گیا ۔کوئی بھی اس بات پر راضی نہ ہوا کہ دوسرا قبیلہ حجرِ اسود کو نصب کرے ۔ بالآخر یہ طے پایا کہ علی الصبح جو شخص اس کوچہ سے گزرے گا حجرِ اسود کے بارے وہ فیصلہ کرے گا اور اس کا فیصلہ سب کو ماننا ہوگا ۔ چنانچہ صبح سویرے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر تشریف فرما ہوئے تو سب نے آپ کو اپنا حکم مان لیا ۔حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجرِ اسود کو ایک چادر بچھا کر اس میں رکھ لو پھر سب مل کر اٹھاؤ ۔چنانچہ حجرِ اسود کو چادر میں ڈال سب نے مل کر اٹھایا اور حضور سرورِ عالم نے خود اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو پکڑ کر دیوار میں نصب فرما دیا ۔اس پر تمام لوگ خوش ہو گئے ۔آپ کی نیک سیرت کی وجہ سے قریشِ مکہ آپ کو " امین " کے پیارے لقب سے یاد کرتے تھے ۔

ف : بعض علماء نے فرمایا یہ تعمیر آپ کے اعلانِ نبوت سے پندرہ سال پہلے ہوئی ۔

(۴) حضرت عبداللہ بن الزبیر نے تعمیر فرمایا ۔

(۵) حجاج (بن یوسف) نے تعمیر کرایا ۔موجودہ تعمیر اسی کی تیار کردہ ہے [۱]

فائدہ صوفیانہ : وضع قدیم میں کعبہ مثلث الشکل تھا ۔اس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے قلوب میں تین قسم کے خطرات ہوتے ہیں :

(۱) الٰہی (۲) ملکی (۳) نفسی

اب مربع شکل میں ہے اس میں قلوب المومنین کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ان کے قلوب میں مذکورہ بالا تین خطرات کے علاوہ ایک چوتھا خطرہ شیطانی بھی ہوتا ہے ۔

۱۵ پندرہ قبلے حضرت محدث کازرونی نے اپنے مناسک میں لکھا کہ کعبہ پندرھواں قبلہ ہے کیونکہ آسمان سے عرشِ الٰہی تک سات قبلے ہیں ۔اسی طرح زمین کے نچلے طبقہ تک بھی سات قبلے ہیں ۔ ہر قبلہ کا ہمارے قبلہ کی طرح ایک حرم ہے اور وہ سب ایک دوسرے کے عین وسط میں ہیں یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں کے اوپر والا قبلہ اگر گرے تو ساتویں زمین والے قبلے پر گرے گا اور ان سب کا ایک تعمیر کنندہ مقرر ہے جیسے ہمارے اس کعبہ کے تعمیر کنندگان اوپر گزرے ، کچھ پیدا ہوں گے ۔ ان تمام قبلوں سے افضل ترین کعبہ ہے ۔(اور ہم فقیروں کا عقیدہ ہے کہ پھر اس کعبہ کا ایک کعبہ ہے ۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

---

[۱] اس سے وہ بھلے مانس سمجھیں جو میلاد شریف وسلام و قیام بہ ہیئتِ کذائیہ کو ایک بادشاہ کی ایجاد کہہ کر بدعتِ سیئہ قرار دیتے ہیں لیکن کعبہ کی تعمیر ہیئت کذائیہ کے متعلق کیا کہیں گے ۔ یہی نا کہ اصل بناء تو پہلے تھی ۔ یہی ہم کہتے ہیں کہ ذکرِ مصطفیٰ پہلے تھا ۔معلوم ہوا کہ انہیں صرف نبوت سے ضد ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

مزید تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔[1]

۵

۱	رو بحرم نہ کہ دوران خوش حریم	ہست سیہ پوش نگاری مقیم
۲	صحن حرم روضۂ خلدِ برین	او بجنان صحن مربع نشین
۳	قبلۂ خوبان عرب روئے او	سجدۂ شوخان عجم سوئے او
۴	کعبۂ بود نو گل مشکین من	تازہ ازو باغ دل و دین من

ترجمہ :(۱) حرم کو منہ کر کہ یہ خوش حریم سیہ پوش میں محبوب مقیم ہے۔
(۲) حرم کا صحن خلدِ بریں کا باغ ہے محبوب اسی حرم کے صحن میں بصورت چارگوشہ بیٹھا ہے۔
(۳) محبوبوں کا قبلہ اور جملہ عرب اس کا چہرہ ہے، جملہ عجم کا اس کی طرف سجدہ ہے۔
(۴) کعبہ گلِ مشکیں میرا محبوب ہے اس سے میرے دل اور دین کا باغ تازہ ہے۔

اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا یہ اَن، یوآنا کے لیے مفسرہ ہے اس لیے کہ یہ تعبد نا کے معنے کو متضمن ہے کیونکہ یہ تبوئۃ عبادت کے لیے ہی تھی۔ گویا یوں کہا گیا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عبادت خانہ کر دیا اور فرمایا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ میں شرک سے منزّہ و مبرّا ہوں وَ طَهِّرْ بَيْتِیَ میرے گھر کو پاک کیجئے بتوں اور نجاستوں سے جو اس کے ارد گرد پڑی ہیں۔ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے اپنا گھر کہا کہ اسے اس نے اپنی آیات کے انوار سے منور فرمایا تھا لِلطَّآئِفِيْنَ ان لوگوں کے لیے جو اس کا طواف کرتے ہیں وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ رکّع، راکع کی اور سجود، ساجد کی جمع ہے۔ ان تینوں صیغوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس میں نماز ادا کرتے ہیں۔

نکتہ : نماز کے بجائے اس کے ارکان قیام، رکوع، سجود کے ذکر میں اشارہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نماز کا ایک مستقل رکن ہے اور جب ایک رکن سے اس کی اتنی بڑی عظمت ہے تو پھر ان کے اجتماع سے اس کی عظمت و احترام کا کیا مقام ہوگا۔

ف : حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قائمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو کعبہ معظمہ کے ہمسائیگان ہیں اور طائفین سے مراد ہیں طواف کرنے والے، خواہ مقیم ہوں یا آفاقی (مسافر)۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ ۱۲

تفسیر صوفیانہ حضرت کاشفی نے لکھا کہ مذکورہ بالا ارشادات اہلِ علم ظاہر کے تھے اور اہلِ باطن فرماتے ہیں کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان! اپنے دل کو صاف ستھرا رکھ اس لیے کہ تیرا دل میرا دار الحکومت ہے فلہذا میرے سوا کسی دوسرے کو اس میں مت آنے دے تاکہ تیرا دل میری عظمت وکبریائی ہی کا مرکز رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ میرے گھر کو پاک اور صاف کرو۔ انھوں نے عرض کی: یا اللہ! تیرا گھر کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ میرے بندۂ مومن کا دل ہے۔ انھوں نے عرض کی: اسے صاف اور پاک کرنے کا طریقہ بتائیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ عشق کی آتش سے پاک ہوگا۔ یعنی اس میں آتشِ عشق جلا، تاکہ ماسوی اللہ جل کر راکھ ہو جائے ؎

خوش آن آتش کہ در دل بر فروزد
بجز حق ہرچہ پیش آید بسوزد

ترجمہ: وہ آتش بہت مبارک ہے جو کسی دل میں روشن ہو کر حق کے ماسوا سب کو جلا کر راکھ کر دے۔

ف: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جیسے بیت اللہ (کعبہ) کو بتوں سے صاف اور پاک کرنا ضروری ہے ایسے ہی دل کو شرک، شک وشبہ، غل وغش، کھوٹ اور حسد سے بھی پاک وصاف کرنا واجب ہے۔ حضرت مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گلِ توحید نروید ز زمینے کہ درو　　خارِ شرک وحسد وکبر و ریا وکینست
مسکنِ دوست زجان می طلبیدم گفتا　　مسکنِ دوست اگر ہست دلِ مسکین است

ترجمہ: اس زمین میں توحید کا پھول نہ اگتا جس میں شرک وحسد، کبر وریا اور کینہ کا کانٹا ہو۔
مجھے دوست کے گھر کی تلاش تھی، جواب ملا کہ دوست کا مسکن مسکین (ولی) کا دل ہے۔

ف: تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اپنے دل پر پہرہ دے تاکہ اس میں میرے سوا اور کوئی داخل نہ ہونے پائے۔ اور اسے صرف میرے لیے ہی فارغ رکھ **وطہر بیتی** اور میرے گھر سے دنیا وآخرت کی ہر خواہش کو نکال کر باہر پھینک دے۔ اس بات کا کسی وقت بھی خیال نہ ہو کہ دنیا میں عزت وعظمت اور آخرت میں انعام واکرام پاؤں گا وغیرہ **للطائفین** اس سے اللہ تعالیٰ کے واردات اور حال کے موارد مراد ہیں جنھیں بندے کے لیے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے **والقائمین** اس سے وہ اشیا مراد ہیں جو صاحبِ عرفان کے ہاں ہر وقت موجود ہوتی ہیں، اور وہ امور جنھیں برہان سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں یعنی تجلیاتِ حق وغیرہ **والرکع السجود** اس سے احوال کے وہ مسلسل ارکان مراد ہیں جو سالک کے دل پر وارد ہوتے ہیں، جیسے رغبۃ ورہبۃ اور رجاء ومخافۃ اور قبض وبسط اور انس وہیبۃ۔ اسی معنے پر شاعر نے کہا:

لست من جملۃ المحبین ان لم　　اجعل القلب بیتہ والمقاما
وطوافی اجالۃ السر فیہ　　وہو رکنی اذا اردت استلاما

ترجمہ : میں عاشقوں سے نہیں ہوں اگر میں اپنے دل کو یار کا گھر نہ بنا دوں ۔ اور میرا طواف ہی یہی ہے کہ میں اپنے خیال کو اس کی طرف متوجہ کروں ۔ اور میں اسی کو حجرِ اسود کا استلام سمجھ کر اپنے حج کا رکنِ اعظم سمجھتا ہوں ۔

تفسیر عالمانہ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ تاذین بمعنے نماز کے لیے بلانا ۔ قاموس میں ہے المؤذن وہ ہوتا ہے جو دوسرں کو کسی شے کی خبر دے ۔ المفردات میں ہے کہ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے ابراہیم علیہ السلام! لوگوں کو پکاریئے بِالْحَجِّ حج کے لیے ۔ یعنی لوگوں کو حج کا حکم سناؤ ۔

دُور سے سُننا سنانا مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام جب تعمیرِ کعبہ سے فارغ ہوئے تو انہیں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ، لوگوں میں حج کا اعلان کیجئے ۔ انہوں نے عرض کیا : اے اللہ تعالیٰ ! میری آواز کہاں تک پہنچے گی ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : تیرا کام صرف اعلان کرنا ہے اور پہنچانا میرا کام ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام صفا پر چڑھے ، ایک روایت میں ہے کہ ابوقبیس پر چڑھے ، ایک اور روایت ہے کہ مقامِ ابراہیم پر ۔ تو وہ مقام ایک پہاڑ کے برابر اونچا ہوگیا ۔ آپ نے اپنی انگلیاں کانوں میں ڈالیں اور دائیں بائیں اور آگے پیچھے زور سے پکارا : "اے لوگو ! خبردار ، تمہارے رب تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ تم اس گھر کی زیارت کے لیے آؤ اور حج ادا کرو تاکہ وہ تمہیں اس کا ثواب عطا فرمائے اور بہشت سے نوازے اور دوزخ سے نجات بخشے ۔" آپ کی اس آواز کو آسمان و زمین کے درمیان والوں سب نے سنا اور جواب دیا : لبّیك اللّٰھمّ لبّیك ۔

یمن اور اویس قرنی رضؓ کے فضائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے اہلِ یمن نے جواب دیا اسی لیے حج کی سعادت اس خطّہ کے لوگوں کو سب سے زیادہ نصیب ہوتی ہے ۔ حدیث شریف میں ہے : الایمان یمان ۔ اور یمن کی سب سے بڑی عظمت یہی ہے کہ سیّدنا اویس قرنی اسی ملک میں پیدا ہوئے ۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن ۔

(میں یمن سے رحمٰن تعالیٰ کی خوشبو پاتا ہوں)

(یہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے)

نبوّت کا ادب مجاہد نے کہا (اگرچہ عالمِ ارواح میں ہم احکامِ شرعیہ کے مکلف نہیں تھے لیکن نبوت کا ادب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر عالمِ ارواح میں بھی فرض کیا ہوا تھا ان دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان فرمایا تو[1]) جس نے ایک بار جواب دیا اسے ایک بار سعادتِ حج نصیب ہوگی ، جس نے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

دو بار جواب دیا اس کو دو بار اور اس سے زاید جس نے جتنی مرتبہ جواب دیا اسے اتنی بار حج نصیب ہوگا۔

ف : اسئلۃ الحکم میں ہے کہ ارواح اگرچہ آباء کی پشتوں یا امہات کے بطون میں تھے سب نے ابراہیم علیہ السلام کی آواز سنی اور جسے جواب کی توفیق نصیب ہوئی اس نے وہیں پر جواب دیا[1]

اذّن فی النّاس ندائیست عام — تو کہ بخواب آمدہ بین الانام

دعویٰ خاصے کنی و امتیاز — خاص نباشد ہمہ کس چوں ایاز

بہر ہمیں شد دل خاصان دو نیم — حالت لبّیك ز امید و بیم

ترجمہ : اذّن فی النّاس عام ندا ہے تو لوگوں کے درمیان خوابِ غفلت میں ہے۔ اپنے آپ کو خاص ممتاز سمجھتا ہے ایاز کی طرح اور کوئی خاص نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے خاص لوگوں کا دل دو ٹکڑے ہوا جب انہوں نے امید و بیم کی حالت میں لبیک پکارا۔

قواعدِ شرعیہ خصائص الصغریٰ میں ہے کہ وہ مسائل جو پہلے انبیاء و رسل علیہم السلام پر فرض تھے وہ اس امت پر بھی فرض ہوئے جو یہ ہیں :

(۱) وضو (۲) جنابت سے غسل (۳) حج (۴) جہاد

---

[1] دُور سے سُن لینا نہ شرک ہے نہ خاصۂ خدا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو دُور کہنا کفر ہے کیونکہ اس کی شان نحن اقرب من حبل الورید ہے۔ اس لیے دُور سے سننا بندوں کی صفت ہوگی کیونکہ وہی دور ہیں اور دُور سے سنتے ہیں اور سنانا اللہ کا کام ہے کوئی قریب ہے یا دُور منجملہ اس کے یہی ہے کہ اس کی وجہ وہ ہے جو حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ رسالہ "انباء الاذکیا فی حیٰوۃ الانبیاء" میں لکھتے ہیں کہ :

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے دو قسم کے کان عطا کیے تھے۔ ایک معتاد، جو تمام بنی آدم کو دیے گئے اور جن کے ذریعہ سے وہ آواز سنتے ہیں۔ اور دوسری خارق للعادۃ، جن کے ذریعے سے آپ اطیط السماء یعنی آسمان پر جو آواز ہوتی تھی وہ سن لیتے تھے اور یہی سمع خارق للعادۃ آپ کے برزخ میں موجود ہیں جن کے ذریعہ سے آپ درود اور سلام خواہ کتنی ہی دور مسافت کیوں نہ ہو سُن لیتے ہیں کیونکہ معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء بعد الموت منقطع نہیں ہوتے کما صرح بہ الشیخ عبد الغنی النابلسی نقلاً عن العلامۃ الشہاب الدین الرملی الشافعی۔

(۲) وہ حدیث قدسی ہے جس کو امام بخاریؒ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے :

لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا فبی یسمع وبی یبصر۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

جس نبی علیہ السلام پر جو احکام واجب تھے وہ اس کی امت کے لیے بھی واجب ہوئے جب تک کہ اس کے لیے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۷)

ترجمہ: "خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ بوجہ کثرت نفل خوانی کے میرا تقرب چاہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو پھر میں اس کے وہ کان بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، اور اس کا وُہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اس لیے وہ میرے ہی کانوں سے سنتا ہے اور میری ہی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور میرے ہی ہاتھوں سے پکڑتا ہے۔"

اب اس حدیث میں معنیٰ حقیقی تو متعذّر ہے اس لیے مجازاً بھی کہنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ اپنے اوصاف اپنے مقرب بندے کو عطا کر دیتا ہے اس لیے اس کو بھی سمیع و بصیر بالعرض کہہ سکیں گے۔

علامہ یوسف نبہانی شواہد الحق میں اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ جب اپنے اوصاف کسی مقرب بندے کو عطا کرے گا تو اس کی نسبت دیگر سب چیزیں یکساں ہوں گی اور اطراف السماوات والارض میں جہاں کہیں بھی کوئی چیز ہو گی اس کو وُہ دیکھ سکے گا اور اس کی آواز کو سُن سکے گا کیونکہ اس حدیث کا مآل بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ باری تعالیٰ اس سامع یا مبصر کی قوتِ سمعی اور بصری کو ایسا قوی اور تیز کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اشیاء قریبہ اور بعیدہ کا دیکھنا سننا اس کے نزدیک یکساں ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی کنانہ میں سے ایک شخص کے استغاثہ کی آواز باوجود اتنی مسافتِ بعیدہ کے سُنی۔ اور یہی معنی ہے وبی یسمع کا۔

اور صحیح بخاری شریف باب صلوٰۃ الکسوف میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف میں جنّت اور دوزخ ہر دو کے اہل کو دیکھا حالانکہ جنّت ساتویں آسمان پر اور دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ یہی معنی ہے وبی یبصر کا۔

اس حدیث قدسی کی تائید خود قرآن مجید اور فرقانِ حمید بڑے زور سے کر رہا ہے۔ دیکھو آیت:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو خدا تعالیٰ نے اپنا فعل قرار دیا ہے اور یہی معنیٰ ہے وبی یبطش کا۔

اور مقامِ حدیبیہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعتِ رضوان کی اور آپ نے اپنا دست مبارک بروقت بیعتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھوں پر رکھا تو اس کی نسبت سورۂ فتح میں ارشاد ہوا:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ۔ (الآیہ) یعنی جو لوگ اس وقت (باقی برصفحہ آئندہ)

خصوصیت برائے نبی علیہ السلام دلیل صحیح وارد نہ ہو۔

(بقیہ صفحہ ۲۵۸) آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ در اصل ہمارے ہی ہاتھ پر ہیں ...... اور ان کے ہاتھوں پر جو آپ کا ہاتھ مبارک ہے وہ ہمارا ہی ہاتھ ہے۔

(۳) عارفِ ربانی واقف اسرار قرآنی حضرت سید پیر علی شاہ پشاوری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ "سماع البعید بحکم المجید" میں فرماتے ہیں:

اعلم انه یجوز لرجل ان ینادی نبیًا او ولیًا من الاولیاء حیًا کان الولی او میتًا بعیدًا کان او قریبًا ویعتقد وصول صوته الیهما ولو کان علیٰ مسافة سنة مثلاً لکن لا یجوز ولا یحل له ان یعتقد وصول صوته الیهما باستقلالهما کما یسمع الله تعالیٰ بذاته من غیر اعانة احد اصوات الاشیاء بل یعتقد ان الله تعالیٰ یبلغ صوته الیهما بای وجه شاء من کشف او الهام او ملكٍ او غیر ذٰلك وهو علیٰ کل شیءٍ قدیر ونحن اهل السنة نعتقد ان الحی اذا نودی من قریب لایسمع بنفسه بل هو بی یسمع فکذٰلك یسمع المیت اذا نودی من بعیدٍ ولو فرق بینهما غیر المقلد موقع فی الشرك والدلیل علیٰ بلوغ النداء من مسافة بعیدة قوله تعالیٰ وَنَادٰی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ (الآیة) قال فی تفسیر الخازن فان قلت اذا کانت الجنة فی السماء والنار فی الارض فکیف یمکن ان یبلغ هٰذا النداء او یصح ان یقع قلت ان الله تعالیٰ قادر علیٰ ان یقوی الاصوات والاسماع فیصیر البعید کالقریب انتهی والدلیل الثانی علیه قوله تعالیٰ قالت نملة یٰاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ قال صاحب الخازن والمدارك سمع سلیمان قولها من ثلاثة امیالٍ واوحی الله الیه وهو یسیر بین السماء والارض انی قد زدت فی ملك انه لایتکلم احد من الخلائق بشیء الا جاءت الریح واخبرتك به انتهی (وذکره صاحب الکشاف ایضاً) والدلیل الثالث ما اخرجه البیهقی وثبت بنقل صحیح ان عمر رضی الله تعالیٰ عنه بعث جیشًا وامر علیهم رجلا یدعی ساریة فبینما عمر رضی الله تعالیٰ عنه یخطب فجعل یصیح یا ساری الجبل فقدم رسول من الجیش فقال یا امیر المؤمنین یقینًا عدوًا فهزمونا فاذا بصائح یصیح یا ساری الجبل فاسندنا ظهورنا الی الجبل فهزمهم الله تعالیٰ۔ والدلیل الرابع علیٰ بلوغ نداء المنادی الی المنادیٰ من مکان بعید ما جاء عن النبی صلی الله علیه وسلم

(باقی برصفحہ ۲۶۰)

يَأْتُوْكَ یہ امر کا جواب اور ابراہیم علیہ السلام کو خطاب ہے اس لیے کہ جو بھی کعبہ معظمہ میں آگیا وہ گویا ابراہیم علیہ السلام کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۹)

عن د خلقه انه قال اذا اضل احدكم شيئا او اراد عوناً وهو بارض ليس بها انيس فليقل يا عباد الله اعينوني فان لله عباداً لا يراهم رواه الطبراني قال العلامة على القاري في المرقاة قال بعض العلماء الثقات هذا حديث حسن يحتاج اليه المسافرون وروى عن المشائخ انه مجرب قال صاحب الوسيلة الجليله قال في جامع الدرر قال بعض العلماء هذا حديث حسن ورواه البزاز عن ابن عباس مرفوعاً كما رواه الطبراني وقال الحافظ ابوالحسن في مجمع الزوائد رجاله ثقات وحسنه الحافظ ابن حجر العسقلاني في زوائد البزاز وذكر حافظ شمس الدين هذا الحديث في حصن الحصين دليل على تصحيحه لانه التزم التصحيح في هذا الكتاب ورواه ابن ابي يعلى عن ابن عباس ورواه ابن سني عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه - انتهى -

یعنی واضح ہو کہ بے شک جائز ہے کسی شخص کے لیے کہ وہ کسی نبی یا ولی کو اولیاء میں سے ندا کرے خواہ وہ نبی یا ولی زندہ ہو یا فوت ہو گیا ہو قریب ہو یا بعید - اس امر کا اعتقاد رکھے کہ میری آواز اس تک پہنچتی ہے اگرچہ وہ نبی یا ولی ایک سال کی مسافت بعیدہ پر کیوں نہ ہو - لیکن اس بات کا اعتقاد نہ رکھے اور نہ اس کے لیے ایسا اعتقاد رکھنا شرعاً جائز ہے کہ وہ ولی یا نبی اس کی آواز بالذات یعنی بدون امداد الٰہی کے سنتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک چیز کی آواز کو بالذات سنتا ہے کیونکہ ایسا اعتقاد کفر ہے بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ خدا تعالیٰ میری آواز کو اس تک پہنچا دیتا ہے جس طرح کہ وہ چاہتا ہے خواہ بذریعہ کشف ہو یا الہام ہو یا بذریعہ فرشتہ وغیرہ ہو - کیونکہ خدا تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے - اور ہم گروہ اہلسنت والجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ کسی زندہ آدمی کو جب نزدیک سے پکارا جاتا ہے تو وہ بھی خود بخود اس آواز کو نہیں سنتا بلکہ خدا تعالیٰ ہی اس کو سناتا ہے تو اسی طرح میت کو بھی جبکہ اس کو دور سے پکارا جائے تو خدا تعالیٰ ہی سناتا ہے - اور اگر کوئی وہابی (غیر مقلد) شخص زندہ اور مردہ انسان میں یہ فرق کرے کہ زندہ آدمی تو خود بخود بدون امداد الٰہی کے سنتا ہے نہ مردہ تو وہ بے شک مشرک ہو جائے گا اور مسافت بعیدہ سے کسی آواز کے سن لینے پر پہلی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے:

وَنَادٰى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ - الآية

یعنی جنت کے رہنے والے دوزخ میں رہنے والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمارے ساتھ ہمارے رب نے جو

(باقی برصفحہ ۲۶۱)

ہاں حاضر ہوگیا اس لیے کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کا جواب دیا تھا۔ رِجَالًا یہ حال ہے یعنی وہ اپنے پاؤں پر چل کر آئیں گے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۰)

وعدہ کیا تھا ہم نے تو وہ پا لیا تو کیا تمہارے ساتھ تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اس کو تم نے بھی پایا یا نہ۔ وہ جواب دیں گے کہ بے شک ہم نے بھی پا لیا۔

صاحب تفسیر خازن اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جنت تو آسمان پر ہوگی اور دوزخ زمین پر، تو پھر اہلِ جنت کی یہ آواز اہلِ دوزخ تک باوجود اتنی مسافت بعیدہ کے کس طرح پہنچے گی؟ تو میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ اہلِ جنت کی آوازوں کو یا اہلِ دوزخ کے کانوں کو اس قدر قوی اور تیز کر دے کہ مسافت بعیدہ مثل قریبہ ہو جائے۔

اس امر کے ثبوت کے لیے دُوسری دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے:

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔

یعنی جب ایک چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کو آتے ہوئے دیکھا تو دوسری چیونٹیوں سے کہنے لگی کہ تم سب اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ تاکہ کہیں حضرت سلیمانؑ اور اس کے لشکر بے خبری کی حالت میں تم کو روند نہ ڈالیں۔

صاحبِ تفسیر خازن اور مدارک فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی آواز کو تین میل کے فاصلہ سے سُنا اور خدا تعالیٰ نے ان کی طرف اس وقت وحی بھیجی جبکہ وہ ہوا میں سیر کر رہے تھے کہ ہم نے تمہاری سلطنت میں ایک اور امر زاید کر دیا ہے، وہ یہ کہ دنیا بھر میں مخلوقات میں سے کوئی چیز آواز نہیں کرے گی مگر ہوا اس آواز کو تیرے پاس لے آئے گی اور تجھے خبر دے گی۔

تیسری دلیل اس امر پر وہ ہے جس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور نقل صحیح سے ثابت ہوا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر بھیجا اور ساریہ بن زنیم خلجی نام ایک شخص کو اس پر سپہ سالار مقرر کیا اور ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھ رہے تھے تو آپ نے خطبہ میں یہ کہا کہ:

یا ساری الجبل۔ یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف پناہ لے۔

اس کے بعد ایک قاصد جب فوجی ڈاک لے کر مدینہ طیبہ میں پہنچا تو اس نے کہا کہ اے امیر المومنین! دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا اور قریب تھا کہ ہم کو وہ شکست دیں اتنے میں ہم نے یا ساری الجبل کی آواز سُنی تو پھر ہم نے پہاڑ کے ساتھ سہارا پکڑ کر پناہ لی اور خدا تعالیٰ نے کفار کو شکست دی۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ راجل کی جمع ہے جیسے قیام' قائم کی جمع ہے۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ یہ الرجل سے مشتق ہے بمعنے پاؤں پر چلنا۔

وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ اس کا رجالاً پر عطف ہے یعنی درانحالیکہ وہ لوگ کمزور اونٹنیوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے یعنی ہر وہ اونٹنی جو سفر کی تھکان سے کمزور ہو جائے۔ امام راغب نے فرمایا کہ ہر اس گھوڑے کو ضامر کہا جاتا ہے جو خفیف اللحم ہو۔ اور اصل لغت میں اسی طرح ہے یہ الهزال سے مشتق نہیں۔ **يَأْتِيْنَ** یہ ضامر کی صفت ہے اس لیے کہ واحد بمعنے جمع ہے اونٹوں کی قطار کو ضامر کہا جاتا ہے **مِنْ كُلِّ فَجٍّ** فراخ راستہ سے۔ امام راغب نے فرمایا الفج وہ راستہ جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہو **عَمِيْقٍ** بعید' اس لیے کہ یہ العمق سے ہے بمعنے البعد سفلاً یعنی نیچے کی طرف گہرائی میں دور۔ مثلاً کہا جاتا ہے بئر عمیق۔ یہ اس کنویں کے لیے بولتے ہیں جو نیچے کی طرف گہرا ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۱)

چوتھی دلیل اس امر پر کہ مسافت بعیدہ سے کسی منادی کی آواز منادیٰ تک پہنچ جاتی ہے یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جبکہ تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا وہ تنہا کسی جنگل میں ہے اور کسی امداد کی اس کو ضرورت ہے تو وہ یوں کہے :

یاعباد اللہ اعینونی۔ یعنی اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔

کیونکہ ایسے بھی اللہ تعالیٰ کے بندے موجود ہیں جو اسے نظر نہیں آتے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ بعض معتبر علماؑ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے جس کی طرف مسافر لوگ اکثر محتاج ہوا کرتے ہیں۔ اور صوفیہ کرام نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مجرب ہے۔ صاحبِ وسیلہ جلیلہ فرماتے ہیں کہ جامع الرموز میں لکھا ہے کہ بعض علماؑ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور بزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ جیسا کہ طبرانی نے اور حافظ ابوالحسن نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی معتبر ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے زوائد بزار میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور حافظ شمس الدین نے جو اس حدیث کو حصن حصین میں ذکر کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حافظ مذکور نے اس کی تصحیح کی ہے۔ کیونکہ اس نے اس کتاب میں تصحیح کا التزام کیا ہے۔ اور ابن شیبہ نے اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابن سنی نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

(ذی شعور کے لیے تو یہی کافی ہے۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ملاحظہ ہو۔

اویسی غفرلہٗ)

حج کی فضیلت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مَیں نے سنا کہ جو شخص سوار ہو کر حج کو جاتا ہے اسے ہر قدم پر ستر حج کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور جو شخص پیدل حج کو جاتا ہے اسے ہر قدم پر سات سو نیکیاں نصیب ہوتی ہیں جن کی ہر نیکی حرم شریف کی نیکی کے برابر ہوتی ہے۔ عرض کی گئی کہ حرم کی نیکی کا کتنا ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا: وہاں کی ایک نیکی غیر حرم کی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہوتی ہے۔

ف : حضرت مجاہد نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام پیدل حج کو حاضر ہوتے، جب حرم شریف کے قریب پہنچتے تو جُوتے اتار لیتے تھے۔

مسئلہ : حج کو پیدل جانا کسی عارضہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں ورنہ سوار ہو کر جانا افضل ہے۔

ف : پہلے ادیان کے راہب سیر و تفریح کو جاتے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ ہمارے لیے سیر و تفریح کی اجازت ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سیر و تفریح کا نعم البدل حج کعبہ کا سفر عطا فرمایا ہے کہ اس سے سیر و تفریح بھی ہوگی اور عبادت و طاعت سے اجر و ثواب بھی۔

کعبہ کی کشش کا سبب حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سال پندرہ شعبان کی رات میں نظرِ کرم سے نوازتا ہے اسی وجہ سے قلوب کو اس کی طرف کشش ہوتی ہے۔

ف : لیکن صرف ان قلوب کو جنہوں نے عالمِ ارواح میں ابراہیم علیہ السلام کی نداء پر لبیک کہا تھا اور یہ بھی منجملہ ان قلوب میں ہوتا ہے جنہوں نے یومِ میثاق میں الست بربکم کے اعلان پر بلیٰ کہا تھا۔

حکایت عجیبہ حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ مجھے ایک عارف نے فرمایا ایک دنیا دار شخص تھا جس کا کعبہ کو جانے کو جی نہیں چاہتا تھا قدرتی طور پر اس کے ذمہ ایک جُرم کا الزام لگا اسے بیڑیاں پہنا کر امیرِ مکہ کی طرف لایا گیا اور جُرم بھی اتنا سنگین تھا کہ اسے امیرِ مکہ کے ہاں قتل کرانے کے لیے پیش کرنا تھا اور جس نے قتل کی سزا سنا کر اسے امیرِ مکہ کے سامنے پیش کرنا تھا وہ بھی امیرِ مکہ کے ساتھ تھا اور امیرِ مکہ عرفات میں مناسکِ حج کے لیے تشریف لے جا چکے تھے۔ حاکمِ وقت نے حکم دیا کہ اس مجرم کو عرفات میں ہی امیرِ مکہ کے ہاں پیش کیا جائے۔ چنانچہ اسے بیڑیاں پہنا کر اور گلے میں لوہے کا طوق ڈال کر امیرِ مکہ کے سامنے ۹ رذوالحجہ کو میدانِ عرفات میں لایا گیا۔ جونہی مجرم پیش ہوا امیرِ مکہ نے کہا: یہ تو میرا دوست ہے تمہیں اس کی گرفتاری میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ امیرِ مکہ نے اس شخص سے معذرت کی اور اس سے بیڑیاں اور طوق دُور کیے گئے، اسے نہلا دُھلا کر نئے کپڑے پہنائے یعنی احرام بندھوایا اور حج کے مناسک ادا کرائے۔ اس طرح اسے بھی حج نصیب ہُوا اور اسے امیرِ مکہ سے اعزاز و اکرام بھی حاصل ہُوا۔ اور وہ ظاہری باطنی طور پر بہت بلند مراتب پر فائز ہوا۔

سبق : یہ ہے اس کا کرم کہ اپنے بندوں سے جس طرح چاہے کرے۔ ایسے ہی قیامت کے دن بعض بندوں کو

پابسلاسل کر کے بہشت میں لیجایا جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ فتوح الحرمین میں ہے: ۔

ہر کہ رسیدہ بوجود از عدم ۔۔۔ در رہ او ساختہ از سر قدم
ہیچ نبی ہیچ ولی محتشم نبود ۔۔۔ کو نبرد در رہ امید سود
جملہ خلائق ز عرب تا عجم ۔۔۔ بادیہ پیما بہوائے حرم

ترجمہ: جو بھی عدم سے وجود میں آیا اس کی راہ میں اس نے سر کو قدم بنایا۔ ہر نبی اور ہر ولی نے اس سے رحمت کی امید رکھی بلکہ تمام مخلوق از عرب تا عجم اسی کی محبت سے اس کے حرم کی طرف دوڑنے والی ہے۔

لِّيَشْهَدُوْا یہ یاتوك کے متعلق ہے بمعنی لیحضروا یعنی تاکہ حاضر ہوں **مَنَافِعَ لَهُمْ** انھیں وہ دینی دنیوی منافع حاصل ہوں جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمائے ہیں۔ یعنی عفو و مغفرۃ اور ایام حج کی تجارت۔

نکتہ: منافع کو نکرہ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انہیں ان ایام میں مخصوص طریقے سے عبادت و منافع حاصل ہوتے ہیں جو دوسرے مقامات اور دوسرے ایام میں نصیب نہیں ہوتے۔

فائدہ عجیبہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تک حج نہیں پڑھا تھا آپ دوسری عبادات کو حج پر ترجیح دیتے تھے مگر جب حج پڑھا اور اس میں خصوصی فوائد ملاحظہ فرمائے تو دوسری تمام عبادات پر حج کی فضیلت کے قائل ہو گئے۔

يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ ہدایا و ضحایا اور ان کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کو یاد کریں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس سے مراد وہ قربانیاں ہیں جو اہلِ اسلام حج کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے لیے اور کفار اپنے بتوں کے لئے دیتے تھے۔

ف: ذکر الٰہی کو حج کی عبادت کی غایت بنانے میں اشارہ ہے کہ انسان کی ہر عبادت کی غرض و غایت صرف وہی ذات ہو اسے غیر سے کسی قسم کا سروکار نہ ہو۔

فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ معلوم ایام میں۔ ان سے قربانی کے ایام مراد ہیں جیسا کہ **عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ** سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اوپر اس کے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے چوپائے جانور عطا فرمائے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ یہاں پر ذکر سے مخصوص ذکر مراد ہے یعنی وہ جو جانور کو ذبح کرتے وقت پڑھا جاتا ہے (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر)

نکتہ: فعل کو مرزوق سے معلق کرنے اور مرزوق کی تخصیص صرف بھیمۃ الانعام سے تقرب حق کی تحریض کے لیے ہے اور اس لیے کہ تنبیہ ہو کہ ذکر الٰہی کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ ذاکر کو قربِ حق نصیب ہو جائے۔

حلِ لغات: البھیمۃ ہر وہ جانور جو چار پاؤں رکھتا ہو، بحری ہو یا بری۔ اور الانعام کا اطلاق صرف اونٹ،

گائے اور بھیڑ بکری وغیرہ پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حج کے ہدایا وضحایا میں ان کے سوا اور کوئی جانور جائز نہیں۔

امام راغب نے فرمایا کہ البھیمۃ وہ ہے جو بول نہ سکے۔ اس کی آواز تو ہو مگر اس سے کچھ سمجھا نہ جا سکے۔ عرف عرب میں درندوں پرندوں کے سوا تمام جانوروں کو بھیمہ کہا جاتا ہے۔ الانعام، نعم کی جمع ہے اور وہ صرف اونٹ سے مخصوص ہے۔ اس لیے کہ اہلِ عرب کے نزدیک اونٹ سب سے بڑی نعمت ہے۔ پھر مجازاً اونٹ، گائے، بھیڑ بکری کو بھی انعام کہا جانے لگا لیکن ان میں جب تک اونٹ نہ ہوگا اہلِ عرب کے نزدیک انہیں انعام کہنا جائز نہ ہوگا۔

فَكُلُوا مِنْهَا اس میں خطاب کی طرف التفات ہے اور فاء فصیحہ عاطفہ ہے۔ عبارت در اصل یوں تھی فاذکروا اسم اللہ علیٰ ضحایاکم فکلوا من لحومھا اور یہ امر اباحت کا ہے۔

ف : اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ وہ حج کی قربانیوں کے گوشت خود نہیں کھاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ یہ گوشت تمہارے لیے مباح ہے۔

وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ یہ امر وجوب کا ہے۔ البائس ہر وہ انسان جو بؤس وشدۃ میں مبتلا ہو بمعنے درماندہ و محنت کشیدہ الْفَقِيرَ بمعنے المحتاج۔ کاشفی نے الفقیر بمعنے محتاج وتنگدست لکھا ہے خلاصہ یہ کہ البائس شدید الفقر کو کہتے ہیں اور الفقیر وہ محتاج جسے تنگدستی نے ضعیف اور کمزور بنا دیا ہو اور اس کے ہاں ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے معمولی سے معمولی شے بھی نہ ہو اور البائس ہر وہ انسان جس کے لباس اور چہرے سے فقر وفاقہ کے آثار محسوس ہوتے ہوں۔ اور الفقیر جس کے کپڑے بھی صاف ستھرے ہوں اور چہرے سے دولتمندی جھلکتی ہو۔

ف : مختصر الکرخی میں ہے کہ کسی نے وصیت کی ہو کہ میرا تہائی مال تین شخصوں کو دینا :

۱۔ البائس

۲۔ الفقیر

۳۔ المسکین

تو ہم اس کے تین حصے کریں گے۔ ایک حصہ البائس کو دیں گے یعنی ہر اس تنگدست کو جو چلنے پھرنے سے معذور ہو۔ دوسرا حصہ اس فقیر کو دیں گے جو تنگدستی کے باوجود لوگوں کے دروازوں پر جا کر بھیک نہیں مانگتا۔ تیسرا حصہ اس مسکین کو دیں گے جو تنگدستی کے باعث سوال کرتا اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ لیکن امام یوسف نے فرمایا کہ اس کے مال مذکور کو دو حصوں میں منقسم کریں گے، ایک حصہ صرف البائس کو اور ایک حصہ الفقیر والمسکین دونوں کو۔

مسئلہ : علماء کا اتفاق ہے کہ قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے۔ ایسے ہی نفلی قربانی جو حج کے موقعہ پر دی جاتی ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک سو بُدنہ (قربانی کے جانور) ساتھ لے کر گئے تھے ان میں سے آپ نے تریسٹھ جانور ذبح کئے۔ یوں آپ نے اپنی کل مدتِ زندگی کی طرف اشارہ فرمایا

یعنی تریسٹھ قربانی کے جانوروں کو ذبح کر کے اُمت کو بتا دیا کہ میری کل عمر مبارک تریسٹھ سال ہے۔ (ثابت ہوا کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے) قربانی کے باقی جانوروں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے حکم فرمایا کہ ہر جانور کی ایک ایک بوٹی لے کر ہنڈیا میں ڈالی جائے۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔ جب گوشت پک گیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ ملا کر گوشت کھایا اور شوربا نوش فرمایا اور وہ تمام قربانی کے جانور نفلی تھے۔

مسئلہ : ہدی واجب ہے۔ جیسے دم تمتع قران و نذور۔ کفارات یعنی وہ دماء جو کسی نقصان کو پورا کرنے کے لیے ہوتی ہیں اسی طرح وہ دماء جو حج کے شکار کرنے سے یا حج کے کسی اہم رکن کے فوت ہو جانے سے واجب ہوتی ہیں۔ ایسے جزاء الصید کی قربانیوں کا گوشت قربانی کرنے والے کو کھانا جائز ہے یا نہیں۔ بعض فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اسے نہیں کھانا چاہیے' یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور ہمارے ائمہ حنفیہؒ نے فرمایا کہ دم تمتع و قران کی قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے اس لیے کہ یہ دونوں شکرانہ کے طور ہوتی ہیں یہ سزا اور جرمانہ کی قربانیاں نہیں ہیں اور ان دونوں کے سوا باقی کسی قربانی کا گوشت نہیں کھانا چاہیے۔ اس کی اولاد اور اس کے کنبہ والے اور اس کے غلام اور لونڈیاں بھی نہ کھائیں۔ ایسے ہی اغنیاءؔ بھی نہ کھائیں اس لیے کہ صدقہ واجبہ فقراء کا حق ہے۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ اغنیاءؔ پر لازم ہے کہ وہ فقراء کو اپنے کھانے پینے میں شامل رکھیں انھیں وہ کھلائیں پلائیں جو خود کھائیں پئیں اور اللہ کی راہ میں وہ چیزیں ہرگز نہ دیں جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

ف : حضرت ابن عطاؒ نے فرمایا کہ البائس وُہ ہے جس کے ساتھ بیٹھنے اور کھانے پینے سے نفرت ہوتی ہے اور الفقیر وہ ہے جسے طعام کی حاجت تو ہے مگر وہ سوال نہیں کرتا۔

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ اس کا یذکروا پر عطف ہے یعنی پھر انھیں چاہیے کہ اپنے سے میل کچیل دُور کریں۔ یعنی اب ان کے لیے سر منڈوانا، مونچھیں ترشوانا، ناخن کتروانا، بغلوں کے بال اکھیڑنا، مُوئے زیر ناف مونڈنا یا انہیں کسی دوائی سے صاف کرنا جائز ہوگیا۔ یہ اس وقت ہے جب احرام سے فارغ ہو جائیں۔

حلِ لغات : التفث بمعنے الوسخ۔ جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں:

ما اتفثك و ما ادرنك بمعنے ما اوسخك۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو ہمیشہ میلا کچیلا رہتا ہو اور جس کی میل کچیل کو دیکھ کر طبیعت کراہت کرے۔ اسی طرح جس کے ناخن لمبے لمبے ہوں اس کے لیے بھی تفث کہتے ہیں۔

امام راغب نے فرمایا کہ در اصل تفث ناخن اور بدن کے ان اعضاء کی میل کچیل کو کہا جاتا ہے جسے بدن سے صاف کیا جاسکے۔

اور القضاء بمعنے فصل الامر یعنی کسی کا فیصلہ قولاً یا فعلاً۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) الٰہی (۲) بشری۔ اور آیت از قبیل بشری ہے جیسے قولہ تعالیٰ:

ثم اقضوا الی و لا تنظرون۔ جیسے افرغوا من امرکم۔

اور شاعر نے کہا: قضيت امورا ثم غادرت بعدها۔ (تو نے امور پورے کیے تو پھر تو نے اس کے بعد دھوکا کیا)۔ قضائیں

قول وفعل دونوں محتمل ہیں ۔ (کذا فی المفردات)

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ یہ دنی بعھدہ وادفی سے ہے ۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اپنے معاہدہ کو مکمل کرے اور تا تکمیل اس کی حفاظت کرے ۔ اس کی نقیض غدر ہے بمعنے ترک الوفاد ۔ اور النذر ہروہ شئے جو کسی پر واجب نہ ہو تو اپنے اوپر واجب کرلے ۔ یہاں پہ نذور سے وُہ نیک امور مراد ہیں جو حج و عمرہ کے ایام میں اپنے اوپر واجب کیے جائیں اس لیے کہ حج و عمرہ میں بعض ایسے امور ہوتے ہیں کہ اگر وُہ اپنے اوپر واجب نہ کیے جائیں تو حج ہوتا ہی نہیں ۔ مثلاً قربانی وغیرہ ۔

مسئلہ : اگر کسی پر نذور مطلقہ ہوں تو اس کے لیے افضل یہی ہے کہ وہ اہلِ مکہ پر خرچ کرے ۔

وَلْيَطَّوَّفُوا اور چاہئے کہ طواف رکن ادا کریں اور احرام کی فراغت اسی طواف کے بعد ہوتی ہے ۔ میل کچیل اتارنے کا قرینہ بتاتا ہے کہ اس سے طواف رکن مراد ہے ۔ **بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ** پُرانا گھر ، اس لیے کہ سب سے پہلے اسی کو یہاں رکھا گیا ' (پھر زمین بچھائی گئی) یا بمعنے المعتق ہے ، اس لیے کہ یہ جابر اور سرکش بادشاہوں کی شرارت وفساد سے محفوظ و مامون ہے ۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ بہت بڑے سرکش اور مفسد بادشاہ اسے منہدم کرنے کے لیے آئے تو انھیں منہ کی کھانا پڑی ۔

سوال : حجاج بن یوسف نے بھی اس پر حملہ کیا اسے تو کوئی تکلیف نہ ہوئی ۔

جواب : اس کا کعبہ معظمہ کو نقصان پہنچانے کا قصد نہ تھا بلکہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو وہاں سے نکالنا چاہتا تھا ۔ تو ہوا جو کچھ ہوا ۔ البتہ ابرہہ ظالم کعبہ مکرمہ کو مسمار کرنا چاہتا تھا ' اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب کو معلوم ہے ۔

مسئلہ : طوافِ کعبہ تین قسم کا ہے :

(۱) طواف قدوم ۔ وُہ یہ کہ حج کرنے کے ارادہ سے جب کوئی مکہ معظمہ میں داخل ہو تو سات بار کعبہ شریف کا طواف کرے ' تین بار مونڈھے مار کر ' جن کا آغاز و اختتام حجرِ اسود پر ہو اور باقی چار بار آرام سے چل کر ۔ یہ طواف سنّت ہے اس کے ترک سے کوئی کفارہ وغیرہ نہیں ۔

(۲) طواف افاضہ ۔ یہ رمی وحلق کے بعد دسویں دن ہوتا ہے اور یہ فرض (رکن) ہے اس کا دوسرا نام طواف زیارۃ بھی ہے اس کی ادائیگی سے پہلے احرام نہ چھوڑنا چاہیے ۔

(۳) طواف الوداع ۔ جو شخص قصر صلوٰۃ کی مقدار میں کعبہ سے باہر جائے تو طواف کیے بغیر نہ جائے ۔ اگر نہ کرے تو اس پر دم لازم ہے ۔ حائضہ عورت کو طواف الوداع معاف ہے ۔

ف : طواف میں مونڈھے مارنے کا حکم صرف طواف قدوم کے لیے ہے ۔ طواف زیارۃ و طوافِ وداع میں مونڈھے نہیں مارے جاتے ۔

۱ ؎ ای کہ دریں کوے قدم می نہی — روے توجہ بحرم می نہی

۲ پاے باندازہ دریں کوے نہ — پاے اگر سودہ شود روے نہ

۳ چرخ زنان طوف کنان بر حضور — توشدہ پروانہ و اُو شمع نور

۴ عادت پروانہ ندانی مگر چرخ زند اول و سوزد دگر

ترجمہ : ۱۔ اے وہ جو اس گلی میں قدم رکھتا ہے اور توجہ بجانب حرم ہے۔

۲۔ اندازے سے ہی اس گلی میں قدم رکھ۔ اگر پاؤں کام نہیں کرتے تو چہرہ ہی رکھ دے۔

۳۔ محبوب کے سامنے دوڑ اور گھوم، کیونکہ تو اس وقت پروانہ اور وہ شمع نور ہے۔

۴۔ شاید تجھے پروانے کی عادت معلوم نہیں کہ پہلے چکر لگاتا ہے پھر مرتا ہے۔

کعبہ معظمہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے یعنی مرکزِ تجلیات حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ میں لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور وہ استوائے رحمٰن کا مرکز ہے۔ کما قال تعالیٰ :

الرحمٰن علی العرش استویٰ۔

اور ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ محیط ہو کر اس کی نگرانی کریں یعنی اس کا یوں پہرہ دیں جیسے شاہی محلات کے پہرہ دار پہرہ دیتے ہیں اور وہ اسی عرش کے ارد گرد ہر وقت حاضر رہیں تا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی حکم کا نفاذ فرمانا چاہے تو سب سے پہلے انہیں معلوم ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا گھر بنایا تا کہ انسان اس کا اسی طرح طواف کریں اور اس کے گرد گھومیں جیسے فرشتے عرش کے گرد گھومتے ہیں اور یہ عرش سے ممتاز ہے بایں معنی کہ اسے امر جلی سے نوازا گیا اور اسرار خاص کا مرکز بنایا گیا اور یہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ (قدرت) ہے تا کہ اس کے بندے اس کے طواف کے ہر طواف پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کریں اسی معنی پر حجر اسود کا استلام ہوتا ہے کہ وہی گویا اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ ہے جو بندوں کی بیعت قبول کر رہا ہے۔ لیکن یہ کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اسی لیے ہم اس کی تقدیس و تسبیح پر مامور ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود نہیں ؎

کعبہ کز و در ہمہ دلہا رہ است

جزوے از اعضائے یمین اللہ است

ترجمہ : وہ کعبہ کہ اس کا ہر دل میں راہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اعضا سے ایک عضو یعنی اس کا دایاں ہاتھ (قدرت) ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو آدم اور ان کی اولاد سے پہلے پیدا فرمایا صرف اپنے بندوں سے امتحان و آزمائش کے لیے، تا کہ بیت کے ساتھ صاحب بیت کے متعلق بندوں کے اعزاز و اکرام کا اظہار ہو جائے یعنی کعبہ کو اپنی ذات کے جمال کو پردہ بنایا گیا ہے یہ بھی اس کی غیرت کی دلیل ہے کہ وہ اپنے تجلیات براہِ راست (سوائے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے) کسی کو دکھانا نہیں چاہتا۔

حکایت ایک عارف باللہ اور ولی کامل نے کعبہ معظمہ کی زیارت یعنی بیت اللہ شریف کے حج کا ارادہ فرمایا تو ان کے صاحبزادے نے ان سے پوچھا کہ ابا جان! کہاں کا ارادہ ہے؟ والد گرامی نے فرمایا کہ بیت اللہ کی زیارت کو جا رہا ہوں۔ صاحبزادہ نے

سمجھا کہ جس کے گھر میں جاتے ہیں وہاں صاحبِ خانہ کو بھی دیکھا جاتا ہے اس خیال سے والدِ گرامی کے ساتھ چلنے کی عرض کی۔ انہوں نے فرمایا: تم اُس کی صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتے۔ یہ سن کر صاحبزادہ رو پڑا تو اُس ولی کامل نے صاحبزادے کو ساتھ لے لیا۔ جب میقات سے دونوں باپ بیٹے نے احرام باندھ کر لبیک پڑھا، بیت اللہ نظر آنے لگا، تو بیت اللہ کو دیکھ کر وہ نوجوان بیہوش ہو کر گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ والدِ ماجد یہ حال دیکھ کر بہت پریشان ہوتے اور کہنے لگے: میرا بیٹا کہاں گیا، اسے کیا ہوگیا۔ غیب سے آواز آئی: اے بندۂ خدا! تم بیت اللہ کو دیکھنے آئے تم نے اسے دیکھ لیا اور تمہارا بیٹا صاحبِ خانہ کے دیدار کا مشتاق تھا، سو اسے صاحبِ خانہ کا وصال نصیب ہوگیا۔ اس کے بعد اُس لڑکے کو عالمِ غیب کی طرف اٹھا لیا گیا اور ساتھ ہی غیبی آواز میں بتایا گیا کہ بچہ نہ قبر میں ہے نہ زمین کے کسی کونے پر اور نہ ہی جنت میں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت اعلیٰ مقام میں ہے۔ مثنوی شریف میں ہے، ؎

۱ خوش بکش ایں کاروان را تا بحج

اے امیر الصبر مفتاح الفرج

۲ حج زیارت کردن خانہ بود

حج رب البیت مردانہ بود

ترجمہ: اے امیرِ حج! قافلہ کو خوشی سے لے جا اس لیے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ خانہ کعبہ کی زیارت کا نام حج ہے لیکن جوانمرد وہ ہے جو صاحبِ خانہ کی زیارت سے مستفید ہو۔

سبق جو بھی جہات سے توجہ ہٹا کر ذاتِ حق کی طرف متوجہ ہوگا اس کا قبلہ ذاتِ حق ہوگا پھر وہی جملہ عالم کا قبلہ ہو جائے گا جیسے آدم علیہ السلام ملائکہ کے قبلہ تھے اس لیے کہ وہی ملائکہ کے ذاتِ حق کے لیے وسیلہ بنے اسی لیے کہ وہی جمال و جلال ذات کی پوشاک سے پیراستہ و آراستہ تھے۔

حدیث شریف انّ اللہ خلق اٰدم علیٰ صورتہٖ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر اپنے حسن وصفات و نور مشاہدہ کا پرتو ڈالا۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا کہ چونکہ بیت اللہ شریف لباس شمس ذات احدیہ کا ایک مخفی راز ہے۔ اسی لیے حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اُس کی زیارت کا حکم فرمایا۔ کما قال:

وللہ علی النّاس حجّ البیت۔

اسے البیت سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ المبیت سے مشتق ہے۔ اور المبیت اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں شب باشی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلیات بندوں پر رات کو ہی نازل ہوتی ہیں کیونکہ وُہ اپنی شان کے لائق رات کو ہی نزول فرماتا ہے وہی مظہرِ غیب اور تجلیات کا مرکز ہے اور شمس کا لباس بھی رات ہے۔ اسی معنے پر البیت الحرام حضرت غیب الٰہی کا مظہر اور تجلی وحدانی کا راز رحمۃ رحمانیہ کا سرچشمہ ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ زمین پر صفۃ رحمۃ کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کا نزول بیت اللہ پر ہی ہوتا ہے

اسی سے ہی رحمت دوسروں پر منقسم ہوتی ہے۔

زندگی میں صرف ایک بار کیوں حج فرض ہے مذکورہ بالا تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ بیت اللہ حق تعالیٰ کی وحدانیت کا مخفی راز ہے بندوں پر زندگی میں اس کی زیارت صرف ایک بار اس لیے فرض فرمائی (حالانکہ دوسری عبادات بار بار فرض ہوتی رہتی ہیں) کہ اسے حضرت احدیت کے ساتھ مشابہت ہے اور اسے تمام عالمِ دنیا کے بیوت (گھروں) پر اسی طرح فضیلت ہے جسے اللہ تعالیٰ کی جملہ عالم پر اور یہ تمام فضل دراصل اسی ذات کا حق ہے۔ یاد رہے کہ جملہ بیوت کے انوار بیت اللہ کے نور سے نور حاصل کرنے والے ہیں۔ چنانچہ روایات میں اس کا اشارہ ہے کہ زمین کعبہ سے ہی بچھائی گئی۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ کونیہ شہادیہ کے حقایق کی حقیقت یہی کعبہ ہے۔ اسی لیے مکّہ کو ام القریٰ سے موسوم کیا گیا ہے (شرفہا اللہ تعالیٰ وقدس)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے: و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا یعنی جن لوگوں نے نفس اور اس کے صفات کو بھلا دیا اور جو قالب اور جوارح سے بے نیاز ہو گئے ان سب کو اعلان کر دو کہ وہ قلب کی زیارت کریں اس لیے کہ وہ صفاتِ حق سے موصوف ہو گئی اور مقاماتِ خاص میں داخل ہو گئی ہے یأتوك پیدل چل کر آئیں گے۔ ان سے نفس اور اس کے صفات مراد ہیں وعلیٰ کل ضامر اس سے قالب اور اس کے جوارح مراد ہیں یعنی قالب وجوارح اعمال شرعیہ بدنیہ کے ساتھ دل کا قصد کرتے ہیں کیونکہ یہ بمنزلہ سوار کے ہیں اس لیے کہ اعمال بدنیہ حرکاتِ جوارح سے نیاتِ قلبی سے مرکب ہیں جیسے اعمال نفس کو مفردہ سے تعبیر کیا جاتا ہے یاتین من کل فج عمیق اس سے سفل دنیا مراد ہے اس لیے کہ قالب دنیوی ہے اور مصالح دنیا میں اس کا استعمال جوارح واعضاء کے ساتھ ہے۔ اسے مصالح قلب میں استعمال کرنے کا نام اتیان من کل فج عمیق ہے لیشھدوا منافع لھم تاکہ حاضر ہوں اور نفع پائیں ان منافع سے جو قلب میں پوشیدہ ہیں اور نفس اور اس کے صفات کے منافع تبدیل الاخلاق میں ہیں اور قالب اور اس کے جوارح کے منافع طاعات کو قبول کرتے ہیں ویذکروا اسم اللہ اور قلب و قالب اور نفس شکرانہ کے طور اللہ تعالیٰ کو یاد کریں من بھیمۃ الانعام وہ اس طرح کہ اس کی صفات بہیمیہ حیوانیہ کو صفاتِ قلبیہ روحانیہ ربانیہ سے تبدیل کیا گیا فکلوا منھا و اطعموا البائس الفقیر اس میں اشارہ ہے کہ وہ جب ان کرامات و مقامات سے نفع پائیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ فقیر محتاج یعنی طالب راہِ ہدیٰ کو بھی ان کے منافع پہنچائیں کیونکہ وہ بھی خدمت وہدایت وارشادِ الٰہی کا ارادہ رکھتا ہے ثم لیقضوا پھر طالبانِ راہِ ہدیٰ پر لازم ہے کہ وہ پورا کریں تفثھم ان امور کو جو ان پر ارادہ وصدق وغیرہما واجب ہیں ولیوفوا نذورھم انہیں چاہیے کہ وہ توجہ الی اللہ وصدق طلب اور سچے ارادہ کے معاہدہ کو پورا کریں و لیطوفوا بالبیت العتیق اور وہ قلب وسر (راز خفی) سے اللہ تعالیٰ کو اپنا مطمحِ نظر بنائیں اور دل سے ماسوٰی کا تصور بھی ختم کر دیں۔ اور عتیق سے قدیم مراد ہے اس سے صفاتِ باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ یہ اشارہ اس امر و شان کی طرف ہے جو اذ بوانا الیٰ قولہ بالبیت العتیق میں مذکور ہے، اس لیے کہ یہ آیت مامور بہا اور منہی عنہا احکام پر مشتمل ہے۔ یہ کلمہ اور اس طرح کے دیگر کلمات فصل بین الکلامین یا بین وجہین من کلام واحد پر استعمال ہوتے ہیں وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ حرمۃ کی جمع ہے ہر وہ شے جس کی ہتک حرام ہو، اس سے اللہ تعالیٰ کے احکام و فرائض و سنن اور وہ جمیع معظمہ امور جن کی توہین حرام ہے مراد ہے۔ جیسے کعبہ معظمہ اور مسجد حرام اور بلد حرام اور شہر حرام۔ ان کی تعظیم کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی مراعات کے وجوب کا عقیدہ رکھا جائے اور بموجب حکم خداوندی ان کے متعلقہ احکام پر عمل کیا جائے فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ یعنی اس کے لیے تعظیم ثواب کے لحاظ سے بہتر ہے عِنْدَ رَبِّهٖ اس کے رب تعالیٰ کے ہاں، یعنی آخرت میں۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معظم اشیاء کی تعظیم دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے کہ جس کام سے اس نے روکا ہے اسے ترک کیا جائے اور جس کے کرنے کا حکم دیا ہے اسے بجا لایا جائے۔ بزرگانِ دین نے فرمایا کہ طاعت سے بہشت نصیب ہوتی ہے اور تعظیم معظمات سے اللہ کا وصال حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا فھو خیرلہ یعنی قربِ الٰہی کے حصول میں بندے کو بہ نسبت تقرب بالطاعۃ کے تقرب بالمعظمات بہتر ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے فرمایا کہ ترکِ خدمت عقوبت کا موجب ہے اور ترکِ تعظیم ہجر و فراق حق کا سبب ہے۔ اور یہ بھی بزرگوں کا فرمان ہے کہ مخالفتِ احکام سے معافی کی امید ہے لیکن ترکِ تعظیم سے معافی کے امکانات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور اس بے ادب کے ایمان و اسلام اور توحید پر ایسی نحوست پڑتی ہے کہ اس کی معافی کا سوال ہی اٹھ جاتا ہے۔ (اسی لیے ہم اہلسنت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور ان کے متعلقات کی تعظیم و تکریم کے لیے زیادہ زور دیتے ہیں اور مخالفین کی عقول پر تالے پڑ گئے ہیں کہ وہ ان کی تعظیم و تکریم کو شرک کا درجہ دیتے ہیں)

وَاُحِلَّتْ یہ حل العقدہ سے ہے یعنی بنائے گئے ہیں لَكُمُ تمہارے منافع کے لیے الْاَنْعَامُ جانور، اس سے وہ آٹھ قسم مراد ہیں جنہیں قرآن مجید میں تفصیل سے بتایا گیا ہے یعنی بھیڑ بکری کا جوڑا (نر و مادہ) اور گائے (بھینس) کا جوڑا اور اونٹ کا جوڑا۔ اس سے معلوم ہوا کہ الانعام کی تعریف سے گھوڑا، گدھا اور خچر خارج ہیں اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ مگر وہ جو تمہارے لیے آیت تحریم میں بتایا گیا۔ کما قال تعالیٰ:

حرمت علیکم المیتۃ والدم (الآیۃ)۔

یہ استثناء متصل ہے اس لیے کہ لفظ ما سے وہ جانور مراد ہیں جو کسی عارضی وجہ سے حرام ہیں مثلاً مردار اور ما احل بہ لغیر اللہ۔ اور یہ جملہ معترضہ ہے اکل و اطعام کے امر کی تقریر اور ایک وہم کے دفعیہ کے لیے لایا گیا ہے۔ وہ وہم یہ ہے کہ احرام میں جیسے شکار حرام ہے ممکن ہے یہ جانور بھی حرام ہوں۔ اس وہم کو دفع فرمایا کہ یہ جانور تمہارے لیے حرام نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمام جانور حلال فرمائے ہیں مگر وہ جانور جن کے متعلق قرآن مجید میں تفصیل سنائی گئی ہے صرف وہی تمہارے اوپر حرام ہیں۔ اسی لیے تمہیں لازم ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدود کی محافظت کرو۔ اور بالخصوص جانوروں کے بارے میں خصوصی خیال رکھو

کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو خواہ مخواہ حرام نہ کرو اور بت پرستوں کی طرح نہ ہو جاؤ کہ انہوں نے خواہ مخواہ بحیرہ، سائبہ وغیرہما کو حرام قرار دیا۔ ایسے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال نہ بنادو۔ مثلاً موقوذہ اور میتۃ وغیرہما اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں اور تم انہیں حلال سمجھ کر کھا جاؤ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ من بیانیہ ہے یعنی رجس سے بت مراد ہیں یعنی ان سے ایسے ہی اجتناب کرو جیسے نجاست سے کیا جاتا ہے۔ دراصل رجس ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل رجس اور رجال ارجاس۔

ف : رجس چار قسم ہے :

(۱) من حیث الطبع

(۲) من حیث العقل

(۳) من حیث الشرع

(۴) من حیث الطبع والعقل والشرع جیسے میتۃ (مردار)۔ اس لیے کہ مردار سے طبیعت کو اور عقل کو اور شریعت کو نفرت ہے۔

اور رجس شرعاً مثل شراب ہے اسی طرح جوا بازی بھی۔ اور الاوثان، وثن کی جمع ہے وہ پتھر جن کی پرستش کی جائے۔ (کذا فی المفردات)

بعض مشائخ نے فرمایا کہ وثنٌ اور صَنَمٌ میں فرق ہے۔ صنم وہ ہے جو درخت یا سونے یا چاندی سے انسان کی صورت میں تیار کیا جائے اور وثن جو ایسے نہ ہو۔

ف : الارشاد میں ہے کہ :

ومن یعظم حرمٰت اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاجتنبوا کا امر وجوبی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ معظمات کی تعظیم و تکریم واجب، اور اس کی ہتک و توہین سے اجتناب ضروری ہے۔

ف : چونکہ جانوروں کی حلت تقاطی کے دواعی سے ہے اسے مبادی الاجتناب سے کوئی تعلق نہیں اسی لیے اس کا ذکر بعد میں ہوا یعنی پہلے ان کا ذکر کیا گیا جن سے اجتناب اہمیت رکھتا ہے یعنی معظمات کی توہین سے اجتناب۔ پھر ان امور کا بیان ہوا جو حرمات کا انتہائی درجہ ہے یعنی بت پرستی کا اجتناب حرمات کا انتہائی مرتبہ ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ جو اللہ تعالیٰ کی معظمات کی تعظیم کرتا ہے وہ اس کے لیے بہتر ہے اور جانوروں کی حرمت معظمات سے نہیں بلکہ وہ سب تمہارے لیے حلال ہیں سوائے چند ایک کے، وہ وہی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ تخصیص کے بعد تعمیم ہے اس لیے کہ بت پرستی راس الزور ہے کیونکہ مشرک کا گمان ہے کہ بت عبادت کا مستحق ہے اسی لیے گویا اسے کہا گیا کہ اے لوگو! قول الزور کی جملہ اقسام سے اجتناب کرو۔ اس کے قریب بھی نہ پھٹکو

یا یُوں کہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے تعظیم حرمات کے لیے ترغیب دی تو اس کے بعد ان امور کا رد بھی فرما دیا جن کے کفار پابند تھے۔ مثلاً سوائب و بحار وغیرہا کو حرام سمجھتے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے۔ اسی لیے فرمایا کہ مطلقاً دروغگوئی سے بچو۔

مسئلہ: بعض مشائخ نے اس سے جھوٹی گواہی مراد لی ہے اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت زور کو اشتراک باللہ کے برابر بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جھوٹے گواہ کو چالیس دُرّے مارتے اور اس کا منہ کالا کر کے بازار کا چکر لگاتے۔

حلِ لغات: الزور، زور بمعنے انحراف سے ہے جیسے الافک، افک بمعنے قلب وصرف کے ہے اور چونکہ کذب واقع سے منحرف اور منصرف ہے اسی لیے اسے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قولِ زور ہر وہ زبانی بات جو قلب کے موافق نہ ہو اسی طرح ہر وہ انسان جو اللہ تعالےٰ سے صدق طلب کا معاہدہ کر کے اس پر پُورا نہ اترے وہ بھی قول زور میں داخل ہے ؎

۱ طریقِ صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

۲ وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریعت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ: سچائی کا طریقہ سفید اور صاف پانی سے اور راستی و آزادگی سرو چمن سے سیکھ۔
ہم وفا کرتے رہیں گے اور ملامت کھینچتے رہیں گے باوجود اینہمہ خوش رہیں گے اس لیے کہ ہمارے طریقہ میں کسی کو دکھ اور رنج پہنچانا کافری ہے۔

تفسیر عالمانہ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ فَاجْتنبوا کی ضمیر سے حال ہے یعنی تمہارا حال یہ ہو کہ تم ہر دین باطل سے روگردانی کرنے والے اور دین کی طرف رجوع کرنے والے اور اس کے ساتھ خلوص کرنے والے ہو۔ الحنف بمعنے المیل عن الضلال الی الاستقامۃ یعنی گمراہی سے استقامت کی طرف رجوع کرنا۔ اور الحنیف بمعنے ضلال سے ہٹ کر استقامت کی طرف رجوع کرنے والا۔ اور کہا جاتا ہے کہ تحنف فلان بمعنے تحری طریق الاستقامۃ اس نے استقامت کے طریق کے لیے جد وجہد کی غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وہ کسی شے کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے نہیں۔ اس معنے پر تو بت پرستی سب سے پہلے اس میں داخل ہوئی یہ فاجتنبوا کا دوسرا حال ہے وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ المفردات میں ہے کہ خر بمعنی سقط سقوطا بمعنے ایسا گرنا کہ جس سے آواز سنائی دے۔ دراصل پانی اور ہوا اور دیگر ان چیزوں کی آواز کو کہا جاتا ہے جو اوپر سے نیچے گریں فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ الخطف بمعنے الاختلاس بالسرعۃ ہے یعنی جھپٹ لگانا۔ اور مضارع کا صیغہ اس خطرناک صورت کو سامعین کے ذہن نشین کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ حضرت کاشفی نے اس کا معنیٰ یہ لکھا کہ جو بھی کسی شے کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے تو وہ گویا آسمان سے زمین پر گر کر ہلاک ہوا تو مردار خور پرندے زمین سے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اٹھا کر

لے جائیں اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ یا اسے ہوا اوپر سے نیچے دے مارے هَوٰی یَهْوِیْ از باب ضرب ہے بمعنے سقط من علو الی سفل یعنی اوپر سے نیچے گرا۔ یا ھوٰی یھوی از باب علم بمعنے احب ہے فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍ سحیق بمعنے بعید اس لیے کہ محق بمعنے بُعد اور حضرت اسحاق علیہ السلام کا اسم گرامی اس سے مشتق نہیں اس لیے کہ وہ عبرانی لفظ ہے بمعنے الضحاک اور لفظ اَوْ تخییریہ ہے جیسے آیۃ او کصیّب من السماء میں اَوْ تخییریہ ہے۔ حضرت کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ یا اسے ہوا اونچی جگہ سے نیچے کی ایسی جگہ میں پھینکے جہاں اس کا کوئی فریادرس اور دستگیر نہ ہو۔ یہ کلمات تشبیہات مرکبہ سے ہیں یعنی جو شخص ایمان کی بلندی سے کفر کے گڑھے میں گرتا ہے اسے نفس کی خواہشات پریشان اور ذلیل و خوار کریں۔ یا معنی یہ ہے کہ وسوسۂ شیطان کی ہوا اسے وادیٔ ضلالت میں گرا دے تو پھر وہ تباہ اور برباد ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ یہاں کفار کی تباہی و بربادی کا بیان ہے اس لیے کہ حقیقی تباہی کفر میں ہے اور نجات ایمان میں۔

حدیث شریف ۱ صحیحین میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے؟ انہوں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر فرمایا: اے معاذ! تمہیں معلوم ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے، جب وہ اس کی عبادت کریں اور شرک سے بچیں۔ انھوں نے کہا: اللّٰہ ورسولہٗ اعلم۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ایسے بندوں پر یہ لطف ہوگا کہ وہ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ بندوں پر لازم ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور ایسا عقیدہ خالص بنائیں کہ ان سے شرک کی بُو بھی نہ آئے تاکہ ملتِ حنیفیہ کی اتباع نصیب ہو۔ اور یہی ایک ملت ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر تا قیامت جاری رہے گی۔ یعنی توحید و یقین پر قایم و دائم رہنا۔

حدیث شریف ۲ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سب سے بہتر عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر ایمان لانا۔ پھر عرض کی گئی: اس کے بعد۔ آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔ اس کے بعد سوال ہوا: پھر؟ آپؐ نے فرمایا: حج مبرور۔

حدیث شریف ۳ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہارے لیے زیادہ خطرناک شرکِ اصغر محسوس ہو رہا ہے۔ عرض کی گئی: شرک اصغر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ریاء۔

ع

مرائی ہر کسے معبود سازد
مرائی را ازاں گفتند مشرک

ترجمہ : ریاء کار ہر ایک کو معبود بناتا ہے اسی لیے اہل حق کہتے ہیں کہ ریاء کار مشرک ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گوئیا باور نمی دارند روز داوری
کین ہمہ قلب و دغل در کار داور میکنند

ترجمہ : قیامت میں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف منہ نہیں کریں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کے کسی کام میں کھوٹ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ شرک تمام رذیل ترین امور سے قبیح ترین ہے جیسے توحید تمام نیکیوں سے حسین تر ہے۔

حدیث شریف میں ہے : جب تم سے غلطی (گناہ) سرزد ہو جائے تو اس کے ساتھ ہی نیکی بھی کر لیا کرو اس لیے کہ ایک نیکی سے دس کا ثواب ملتا ہے۔ مخاطب نے عرض کی : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! لا الٰہ الا اللہ بھی نیکی ہے ؟ آپ نے فرمایا : وہ تو تمام نیکیوں سے حسین ترین نیکی ہے۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ امر یا شان یا تعظیم حرمات اللہ کی طرف ہے اور اجتناب عن الشرک و قول الزور امر لازم ہے۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ ان امور کو بجا لاؤ **وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ** یہاں پر شعائر اللہ سے حج کی قربانیاں مراد ہیں اس لیے کہ یہی حج کے علامات و شعائر سے ہیں۔ چنانچہ والبدن جعلناھا لکم من شعائر اللہ میں اس کی تصریح ہے اور اس کے مابعد کے مضمون سے بھی اسی کو زیادہ موافقت ہے۔

حل لغات : شعائر شعیرۃ کی جمع ہے بمعنے علامت۔ اور اشعار سے ہے بمعنے اعلام (جتلانا) اور الشعور بمعنے علم (جاننا) اور البدن کو شعائر اس لیے کہا گیا کہ ان کا شعار کیا جائے گا۔ یعنی اس کی کوہان کی جانب ایمن و ایسر میں نیزہ مار کر خون نکالا جائے گا تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کے جانور ہیں اور کوئی بھی ان کو نہ چرائے اور نہ ہی انھیں ذبح کر کے کھا جائے۔

خلاصہ یہ کہ قربانیاں حج کی علامات بلکہ زیادہ ظاہر اور مشہور تر نشانیوں سے ہیں۔

ف : ان کی تعظیم کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان کے ذریعے ہی قربِ الٰہی نصیب ہوگا کیونکہ قربِ الٰہی کے ذرائع و اسباب میں یہی سب سے بزرگ ترین وسیلہ و ذریعہ ہے۔

مسئلہ : قربانی کا جانور حسین، موٹا اور قیمتی ہونا چاہیے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے سو اونٹ بھیجے ان میں ایک اونٹ ابوجہل[1] کا تھا جس کی نکیل سونے کی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہترین اور موٹی تازی اونٹنی قربانی کے لیے بھیجی جس کی قیمت تین سو دینار تھی۔

؎

ہر کسے از ہمت والائے خویش
سود بردارد خور کالائے خویش

[1] جو اس سے خرید اگیا ۱۲

ترجمہ : ہر شخص بقدر ہمت خود اور اسباب کی حیثیت کے مطابق پھل اٹھاتا ہے۔

ف : حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ توکل، تفویض، تسلیم بھی شعائر اللہ کی تعظیم میں داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسرار و رموز اپنے اولیاء میں امانت رکھے ہیں۔ جب کوئی بندۂ خدا ان شعائر کی تعظیم و تکریم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو مختلف آداب سے سنگارتا ہے۔

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ اس لیے کہ تعظیم شعائر اللہ قلوب کا تقویٰ ہے۔ تقویٰ کو قلوب کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ ہے کہ تقویٰ کا مرکز قلب ہے اس لیے کہ جب اس میں تقویٰ ہو تو پھر اس کے آثار تمام اعضا سے نمودار ہوتے ہیں **لَكُمْ فِيْهَا** تمہارے لیے ان شعائر میں کہ جن کے علامات نمایاں ہوں کہ واقعی وہ حج کی قربانیاں ہیں **مَنَافِعُ** بہت بڑے منافع ہیں مثلاً دودھ اور نسل اور اُون وغیرہ۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنے والے کے لیے جائز ہے کہ اسے ذبح کرنے سے پہلے نفع اٹھائے بشرطیکہ اسے اس کی ضرورت ہو بلا ضرورت اس سے نفع نہ اٹھائے۔

اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى مدت مقررتک، اور وہ میعاد قربانی کا دن ہے۔

مسئلہ : اسے ذبح کرکے اس کے گوشت کو صدقہ کرے۔ خود بھی اسے کھا سکتا ہے۔

ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ المحل اسم زمان ہے یہاں مضاف محذوف ہے۔ یہ حل الدین سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ادائیگی فرض کا وقت آجائے اس کا عطف منافع پر ہے اور الی البیت، فیھا کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل وہ استقرار ہے جو لفظ فی کا متعلق ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان بہت بڑے منافع کے بعد یعنی قربانی کے ذبح کرنے کے وقت مقررہ آنے اور اسے ذبح کرنے کے وجوب کے بعد ان کا حال یہ ہو کہ وہ بیت عتیق کے لیے تیار کی جائیں یعنی وہ حرم مکہ جو بیت اللہ کے حکم میں ہے اس لیے کہ یہاں حرم کا سارا احاطہ مراد ہے جیسے فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا میں مسجد حرام سے حرم شریف کا جملہ احاطہ مراد ہے کیونکہ بیت اللہ اور اس کی اردگرد کی جگہ کو خون دیگر آلائش سے پاک رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ : منیٰ سارے کا سارا قربان گاہ ہے۔

ف : شعائر میں سب سے بڑا فائدہ اس کے ذبح کرنے میں اس وقت ہے جب خالص اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی کے لیے ہو۔ اور اسے یوم نحر میں ذبح کرنے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ جب اس فعل کے وقت میں اتنا بڑا فائدہ ہے تو پھر نفس فعل میں کتنا فائدہ ہوگا۔

ف : العتیق بمعنے القدیم ہے۔ یعنی یہ گھر زمان و مکان و رتبہ کے لحاظ سے تمام امکنہ و ازمنہ مرور مراتب میں اول ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ جب تمہاری قربانی وہاں پہنچے جو طوفانِ نوح کے غرقابے سے آزاد ہے یا وہ بزرگ ترین امکنہ سے ہے۔

حکایت ابراہیم علیہ السلام مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہم السلام کو ایک پتھر ملا جس پر چار سطریں مکتوب تھیں۔ پہلی سطر کا مضمون تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی۔

دوسری سطر پر لکھا تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا محمد رسولی طوبیٰ لمن اٰمن بہ واتبعہ (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں حضرت محمد میرے رسول ہیں جو ان پر ایمان لائے گا اور ان کی تابعداری کرے گا وہ مبارکباد کا مستحق ہوگا)

تیسری سطر پر مکتوب تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا من اعتصم بی نجا (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، جو میری رسّی کو مضبوط پکڑے گا نجات پاجائے گا)

چوتھی سطر پر تھا: انی انا اللہ لا الٰہ الا انا الحرم لی والکعبۃ بیتی من دخل بیتی امن من عذابی (میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ حرم میرا ہے اور کعبہ میرا گھر ہے۔ جو میرے گھر میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا)

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک حج سے تین شخصوں کو جنت میں داخل فرمائے گا:

۱۔ جسے حج کی وصیت کی گئی اور اس نے اسے پورا کیا۔

۲۔ اس وصیت کو پورا کرنے والا۔

۳۔ اس حج کو ادا کرنے والا۔

فقہی مسائل (۱) الاشباہ میں ہے کہ کسی کو حج کا حکم ہو وہ آمر اگرچہ بیماری کی وجہ سے بھی امر کرے تو وہ حج اس کی طرف سے ادا نہ ہوگا جب تک اسے اذن عام نہ کرے۔ مثلاً کہے:

اصنع ما شئت (جو چاہو کرو)

وہ اس مطلق اجازت کے بعد حج میں ہر طرح کے امور حج کر سکتا ہے۔

(۲) مامور بالحج پر اگر اپنا حج بھی فرض ہے تو اسے چاہیے کہ آمر کے حج کی ادائیگی دوسرے سال ادا کرے۔ اس پر لازم ہے کہ پہلے اپنا حج ادا کرے لیکن اس تاخیر سے اس پر کوئی ضمانت وغیرہ نہیں (کذا فی التاتارخانیہ) اگرچہ اسے کہا ہو کہ میری طرف سے اسی سال حج کرنا اس لیے کہ اس کا اس طرح کی تاکید سے بعجلت ادائیگی مطلوب ہے نہ یہ کہ ضرور اسی سال سے مقید کرنا ہے۔

(۳) جب کوئی کسی کو حج کا حکم کرے تو اسے جملہ امور مفوض کرے مثلاً کہے کہ میرے اس مال سے جس طرح کا چاہو حج کرو تمہیں میری طرف سے اجازت ہے حج افراد کرو یا تمتع یا قران۔ اور تجھے میرے مال سے دوسرے کو بھی وصیت

کرنے کی اجازت ہے۔ یہ اذن عام اس لیے دیا جائے تاکہ اسے حرج واقع نہ ہو یعنی اگر وہ بیمار ہو جائے یا مر جائے تو کوئی اور حج پڑھ سکے اور ادائیگی میں جس طرح کی سہولت دیکھے بجا لائے۔

(۴) حج عن الغیر کے مال سے جو کچھ بچ جائے اسے ضروری نہیں کہ آمر یا حج کے ورثہ کو واپس کر دے۔

(۵) اگر کسی پر اپنا حج فرض ہے لیکن وہ دوسرے کی طرف سے حج پڑھے تو بھی جائز ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ ایسے آدمی کو حج پر بھیجا جائے جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو (کذا فی الفتاوی المؤیدہ)

(۶) دوسرے کی طرف سے حج پڑھنے سے اس کی فرضیتِ حج ساقط نہیں ہوگی یعنی اسے اپنا حج فرض ادا کرنا ہوگا (کذا فی حواشی اخی چلپی)

(۷) اگر کسی عورت یا لونڈی کو اس کے شوہر اور لونڈی کی اجازت سے حج پڑھائے تو بھی جائز ہے لیکن گنہگار ہوگا۔

(۸) کسی نے عجز کی صورت میں دوسرے کو حج کرایا لیکن اب اس کا عجز زائل ہوگیا تو وہ حج نفلی ہوگا اور ادائیگی فرض کے لیے دوسرا حج پڑھنا ضروری ہے (کذا فی الکاشفی)

(۹) امام یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر عجز کا ازالہ ادائیگی حج کے بعد ہوا تو حج ہوگیا اگر پہلے ہوا تو اسے دوسرا حج فرض پڑھنا لازمی ہے (کذا فی المحیط)

(۱۰) حج نفلی بلا شرائط جائز ہے لیکن اس کا جملہ ثواب (بالاتفاق) آمر کو ملے گا۔

(۱۱) مامور کو چاہیے کہ نفل کا ثواب آمر کے لیے کرے اور یہ اہلسنت کے نزدیک ہے کہ ایک کا ثواب دوسرے کو ملے خواہ وہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ وغیرہ (کذا فی الهدایہ)

(۱۲) اگر حج پڑھنے والا مامور راستہ میں فوت ہو جائے تو آمر کی طرف سے کسی دوسرے کو حج پڑھنا واجب ہے اس کے خرچہ کا آغاز وصیت کرنے والے یا اس کے وارث کے گھر سے ہوگا جب دونوں کا ایک گھر ہو اور وہ مال بھی اس کی ادائیگی کے لیے پورا ہو سکے۔

ف : یہ اس وقت ہے جب طے ہو جائے کہ سفر کو موت منقطع کر دیتی ہے یا نہیں۔

(۱۳) جب مکان دونوں کا اتحاد نہ ہو تو آمر کے لیے (بالاجماع) حج پڑھا جائے (کذا فی المحیط)۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ
وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالْبُدْنَ
جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖۗ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا
وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ
سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝ ع

ترجمہ : اور ہم نے ہر امت کے لیے ایک قربانی مقرر فرمائی تاکہ اللہ کا نام لیں اس کے عطا کردہ بے زبان جانوروں پر سو تمہارا معبود ایک معبود ہے تو اسی کے حضور گردن جھکاؤ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! خوشخبری سنا دو ان گردن جھکانے والوں کو کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور وہ ہر مصیبت میں صبر کرنے والے اور نماز قائم کرنے والے اور ہمارے دیئے ہوئے سے خرچ کرتے ہیں اور قربانی کے بڑے جانور ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے بنائے ہیں تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے سو ان پر تم اللہ تعالےٰ کا نام لو جبکہ وہ ایک پاؤں بندھے اور تین پاؤں پر کھڑے ہوں پھر جب ان کی کروٹیں گر جائیں تو ان میں سے خود کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے اور بھیک مانگنے والے (فقیر) کو کھلاؤ ایسے ہی ہم نے انہیں تمہارے قابو میں کر دیا تاکہ تم شکر کرو اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ تو ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کے خون ، ہاں تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے یونہی ان کو تمہارے قابو میں کر دیا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اوپر اس کے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! نیکی والوں کو خوشخبری سنا دیجئے بیشک اللہ تعالےٰ اہلِ ایمان کی بلائیں ٹالتا ہے بے شک اللہ تعالےٰ ہر بڑے خیانتی اور ناشکرے کو دوست نہیں رکھتا ۔

تفسیر عالمانہ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ تمام اُمتوں کے لیے ۔ نہ یہ کہ صرف بعض کے لیے یہ حکم مخصوص ہے بلکہ یہ تقدیم تخصیص کے لیے ہے جَعَلْنَا مَنْسَكًا ہم نے بنائی ہیں عبادت گاہیں اور قربتِ حق کے اسباب کہ جنہیں وہ

اداکرکے قربِ الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ یہاں پر منسکًا سے اللہ تعالیٰ کے لیے جانوروں کا خون بہانا مراد ہے۔ اب اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ہر امت مومنہ کے لیے مشروع کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی کریں۔

حلِ لغات : اہلِ عرب نسك ينسك نسك ونسوگا ومنسكًا بفتح السین اس وقت بولتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی جانور قربان کیا جائے۔

لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ تاکہ صرف اللہ تعالیٰ کا نام یاد کریں اس کی یاد سے ہٹ کر غیر کی یاد میں مشغول نہ ہو جائیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں قربانی کریں اسے جَعَلَ کی علت بنایا گیا ہے تاکہ بندوں کو تنبیہ ہو کہ مناسک سے اصلی مقصود یادِ الٰہی ہے۔ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ یعنی ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کریں کہ اس کریم نے انہیں چارپائے جانور عطا فرمائے ہیں۔ بھیمہ کو اَنعام کی طرف مضاف کرنے میں بھی تنبیہ ہے کہ قربانی صرف اَنعام سے واجب ہوتی ہے اور البہائم انعام سے نہیں اور بہائم سے مراد گھوڑا، خچر، گدھا وغیرہ ہے انہیں قربانی کے لیے ذبح کرنا جائز نہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ہر سالک کے لیے ہم نے طریقہ اور مقام مقرر اور قربت کا سبب بنایا ہے ان کے مختلف طبقات ان کے مراتب کی وجہ سے ہیں بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو معاملات کے طریقہ سے اور بعض ان میں وہ ہیں جو اسے مجاہدات سے اور خود اسے اس کی ذات سے طلب کرتے ہیں وہ اپنے طریقۂ کار کے مطابق تمسک کرکے طلبِ الٰہی میں ذکرِ الٰہی میں مصروف ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں رزق عطا فرمایا یعنی قہرِ نفس اور اس کی صفات بہیمیہ وانعامیہ کے مٹانے کی توفیق بخشی وہ اپنے منازل وطبقات کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنے نفس پر قہر نہ کیا جائے اور ان کی صفات کو نہ توڑا جائے اسی لیے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہیں کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے قہرِ نفس سے عبور کرکے مقامات وکمالات تک پہنچنے کی نعمت عطا فرمائی۔

تفسیرِ عالمانہ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فا' جعل مذکور کے ساتھ مابعد کو ماقبل سے مرتب کرنے کے لیے ہے اور یہ خطاب تغلیباً تمام مخلوق کو ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا صرف ایک معبود ہے کوئی اس کا شریک نہیں ذات میں نہ صفات میں، ورنہ عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا جب یقین ہو گیا کہ تم سب کا معبود ایک ہے تو تمہارے لیے لازم ہے کہ تقرب و ذکر کے لیے صرف اسی کو مخصوص کرو یعنی خالص اسی کی رضا میں ذکر کرو اس کے ذکر اور تقرب میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اسلام بمعنے اخلاص ہے اور اعمال کو آفات سے اور اخلاق کو کدورات سے اور احوال کو التفات سے اور انفاس کو اغیار سے صاف رکھنے کا نام اخلاص ہے۔

تفسیر عالمانہ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ اور متواضعین یا مخلسین کو خوشخبری سنا دو۔ یہ الخبت سے مشتق ہے۔ نیچے والی زمین کو کہا جاتا ہے۔ اور المخبت ہر وہ شخص جو نیچے والی زمین میں ہو۔ چونکہ اخبات تواضع کے لوازمات سے ہے اس لیے اسے المُخْبِتُ کہا گیا۔

ف : کاشفی نے اس کا معنیٰ لکھا ہے کہ اے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ! متقیوں اور عجز و نیاز کرنے والوں کو غیر منتہیٰ رحمت کی خوشخبری سنائیے۔

ف : سلمی نے فرمایا کہ مشتاقانِ غم زدہ کو دیدار الٰہی کی سعادت کی خوشخبری سنائیے۔ اگرچہ دیدار کا لفظ عبارت میں نہیں لیکن مخبتین کی صفت بتاتی ہے کہ اس سے وہی مشتاقانِ غم زدہ حضرات مراد ہیں۔

الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وہ لوگ جن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔ الوجل خوف کو سمجھنا (کذا فی المفردات) یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس لیے کہ ان کے دلوں پر ذاتِ باری تعالیٰ کے جلال کی شعاع اور اس کی عظمت کے انوار طلوع ہوتے ہیں۔ اور ذکر کے وقت خصوصیت اس لیے ہے کہ تجلّیِ حق کا ورود اس وقت ہوتا ہے ۔

ہر کرا نور تجلی شد فزون
خشیت و خوفش بود از حد برون

ترجمہ : جس پر نور کی تجلی زیادہ پڑتی ہے اسی کو خوف و خشیت بہت زیادہ نصیب ہوتی ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ اور مصائب و تکالیف پر صبر کرنے والوں کو۔ بحر العلوم میں ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے وطنوں اور رشتہ داروں کی جدائی سے مصیبتوں اور بلاؤں کو سر پہ اٹھا کر اور حزن و ملال وغیرہ کے کڑوے گھونٹ پی کر اور اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت اور اس کی طاعت اور از دیادِ خیر میں مشقتوں اور شدتوں کا بوجھ اٹھا کر صبر کیا۔

حلِ لغات : الصبر بمعنے الحبس۔ مثلاً کہا جاتا ہے : صبرت نفسی علی کذا یعنی میں نے نفس کو فلاں فلاں تکلیف میں قید رکھا۔

تفسیر صوفیانہ والصّٰبرین علیٰ ما اصابهم یعنی وہ حکمِ الٰہی کے سامنے سر جھکاتے ہیں نہ انھیں اس سے کراہت ہوتی ہے نہ وہ اس سے نکلنے کی تمنا کرتے ہیں بلکہ بخوشی و رضا اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

اگر بلطف بخوانی مزید الطافست
وگر بقہر برانی درون ما صافست

ترجمہ : لطف سے بلاؤ تو بڑی مہربانی ۔ اگر قہر سے ہٹا دو تو بھی ہمارا دل صاف ہے۔

پھر فرمایا :

بدرد وصاف نزا حکم نیست دم درکش
کہ ہرچہ ساقی ما کرد عین الطافست

ترجمہ : تجھے گرد وغبار اور صاف کہنے کا حق نہیں ساقی کے ہاتھ سے جو ملے عین لطف ہے۔

پھر فرمایا :

عاشقانرا گر در آتش مینشاند قہر دوست
تنگ چشم گر دنظر ز چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ : عشاق کو اگر قہر محبوب آگ میں ڈال دے ، اگرچہ وہ ایسا ناراضگی سے کر رہا ہے اسے چشمۂ کوثر سمجھنا چاہئے۔

پھر فرمایا :

آشنایان رہ عشق اگرم خون بخوانند
ناکسم گر بشکایت سوئے بیگانہ روم

ترجمہ : اگر محبوب مجھ سے خون مانگے تو میری نالائقی ہے کہ میں غیر سے شکایت کروں۔

پھر فرمایا :

حافظ از جود تو ما شاکہ بنالد روزے
کہ از ان روز کہ در بند توأم دلشادم

ترجمہ : اے حافظ ! اگر محبوب تجھ سے وجود کا طالب ہے تو خوش ہو جا کہ جب میں اس کی رضا کا طالب ہوں تو اس کے ہر کام پہ خوش ہوں۔
نیز اس سے وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسرار کو چھپاتے ہیں اور دکھ درد سر پر اٹھانے کے باوجود اپنے احوال کی تسلی مخلوق سے نہیں چاہتے۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُقِيمِي الصَّلٰوةِ یہ دراصل والمقیمین تھا اور یہ اضافت لفظیہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ وہ لوگ نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہتے ہیں۔ جیسے قول ہے الذین ھم علیٰ صلوٰتھم دائمون ۔ اور شاعر نے کہا :

اذا ما تمنی الناس روحا و راحۃ
تمنیت ان اشکو الیک وتسمع

ترجمہ : جب لوگ راحت و فرحت کی آرزو کرتے ہیں تو میں آرزو کرتا ہوں کہ میں تیرے حضور میں شکایت حال سناؤں اور تو اسے غور سے سُنے۔

تفسیر عالمانہ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا اس میں سے وہ بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ مفعول کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ معاملہ اہمیت کا حامل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنے بعض حلال مال کو خصوصیت سے اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرنے کے لیے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ اس سے زکوٰۃ مراد ہے کیونکہ فرض نماز کے بعد مذکور ہوئی ہے یا مطلق نفلی صدقات مراد ہیں، اس لیے کہ یہ مطلق بلا قید مذکور ہوا ہے۔ اور قاعدہ ہے جب اسے بلا قید ذکر کیا جائے تو اس سے نفلی صدقات مراد ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ میری اُمت کے ابدال نماز و روزہ وغیرہ کے سبب ہی بہشت میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ ان کا بہشت میں داخلہ ان کے نفس کی سخاوت اور اہلِ اسلام کی خیر خواہی کی وجہ سے ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ معلوم ہونا چاہیے کہ مالک کی خدمت و عبادت میں مال اور وجود کو خرچ کرنا دنیا و عقبیٰ کی سعادت کا موجب ہے۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی صنائع کو ظاہر فرما کر اپنی مخلوق کو دکھائیں تو ہر ایک نے اپنی مرضی کی صنعت کو اختیار کیا لیکن اس کے بعض ایسے بندے بھی تھے جنھوں نے کہا ہمیں تو اس سے کوئی شے پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں عبادۃ و اطاعت اور مقامات اولیاء دکھائے تو انھوں نے عرض کی : ہمیں تو تیری عبادت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : تم نے اگر میری عبادت کو پسند فرمایا ہے تو میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے بندوں کو تمہارے تابع کر دوں گا اور دُنیا میں وہ سب تمہارے خدام ہوں گے اور قیامت میں تمہارے خدام اور تمہارے پہچاننے والوں کی شفاعت بھی قبول کروں گا (اس سے وہ لوگ غور فرمائیں جنہیں اولیاء اللہ کے ساتھ نسبت جوڑنے سے نہ صرف ضد ہے بلکہ اس نسبت کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں) - اویسی

حکایت حضرت شیخ ابو الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایک پہاڑ میں مقیم ولی اللہ کی تعریف سُنی تو اس کی زیارت کے لیے وہاں پہنچا، اس کے ہاں شب باشی کی۔ رات کو میں نے سُنا کہ وہ بارگاہِ حق میں عرض کر رہے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ! تیرے بعض بندوں نے تجھ سے تسخیرِ خلائق مانگی، تُو نے ان کی مراد پوری فرمائی اور میں تجھ سے صرف یہ مانگتا ہوں کہ تُو اپنی مخلوق کو مجھ سے دُور رکھ تاکہ میں ہر وقت تجھے یاد کرتا رہوں۔ جب صبح ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ لوگ تسخیرِ خلائق چاہتے ہیں اور آپ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا : بیٹا! تم سَخِّرْلِی (میرے تابع کر دے مخلوق کو) کی بجائے یہ دعا مانگا کرو اللھم کن لی (اے اللہ! صرف تُو ہی میرا ہو جا)، اس لیے کہ جب تیرا رب تیرا ہو گیا تو پھر تجھے اور کیا چاہیے، پھر تجھے کسی شے کی ضرورت نہ رہے گی۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ طریقِ طلب میں جد و جہد کرے اور حصول مطلب میں کوشش جاری رکھے۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بے طلب نتواں وصالت یافت آرے کے دہد

دولت حج دست جز راہ بیابان بردہ را

ترجمہ: طلب کے بغیر وصالِ یار کہاں! دولتِ حج بھی نصیب نہیں ہوتی جب تک دور دراز کا سفر نہ طے کیا جائے۔

تفسیر عالمانہ وَالْبُدْنَ منصوب ہے فعل مضمر سے، جس کی تفسیر اس کا مابعد کرتا ہے۔ جیسے والقمر قدرنٰہ میں القمر منصوب ہے فعل مضمر سے۔ البُدن ' البدنۃ کی جمع ہے۔ یہ اس اونٹ، گائے کو کہا جاتا ہے جنہیں ہدایا و ضحایا میں قربان کرنا جائز ہے اور انہیں اس نام سے ان کے بدن کی عُظمت کی وجہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

بحر العلوم میں ہے کہ البُدنہ لغت میں صرف اونٹ کو کہا جاتا ہے اور اس کا اطلاق نر و مادہ دونوں پر ہوتا ہے اور شریعت میں اونٹ اور گائے دونوں کو البُدنہ کہتے ہیں ان کے بُدن کی عظمت کی وجہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گائے کو اونٹ کے حکم میں لاحق فرمایا بایں معنیٰ کہ جیسے اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں ایسے ہی گائے میں بھی۔

القاموس میں ہے کہ البُدنۃ (محرکہ) اس اونٹ اور گائے کو اور الاضیحۃ اس بکری، بھیڑ، دنبہ کو کہا جاتا ہے جو حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں قربانی کے لیے بھیجے جائیں وہ نر ہوں یا مادہ۔

اسی لیے کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ وہ اونٹ اور گائے جو قربانی کے لیے مکہ معظمہ کو بھیجے جائیں جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے دین کے علامات سے ہم نے انہیں تمہارے لیے مشروع فرمایا من شعائر اللہ جعلنٰھا لکم کا دوسرا مفعول ہے اور لکم ظرف لغو اور جعلنا کے متعلق ہے اور شعائر کو اللہ کی طرف مضاف کرنے میں اس کی تعظیم مطلوب ہے کیونکہ عظیم الشان کی طرف کسی شے کو مضاف کرنے سے مضاف کی عُظمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: بیت اللہ (ناقۃ اللہ، روح اللہ ایسے ہی نور اللہ[1]) اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے قربانیوں کو ذبح کرنے کو اللہ تعالیٰ کے دین کی نشانیوں سے بنایا ہے لَكُمْ فِيْهَا تمہارے لیے ان قربانیوں میں خَيْرٌ بھلائی ہے یعنی دنیا میں بھی بہت بڑے منافع ہیں اور آخرت میں بھی بہت بڑا اجر نصیب ہوگا۔

فائدہ صُوفیانہ اس میں کعبۂ قلب کے سامنے نفس کے جانور کو ذبح کرنے کی طرف اشارہ ہے اور یہ دین کی علامات اور سچے طالبین کی نشانیوں میں سے ہے اور نفس کو صدق کی چُھری سے ذبح کرنے اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں

---

[1] سیدنا محمد نور اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور بھی ایسے ہی ہے جو لوگ ایسے اطلاق کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں وہ اپنے نظریہ پر نظرِ ثانی کریں۔ اویسی غفرلہ

قربانی کرنے والا بھلائی ہے سہ

ظاہرش مرگ و بباطن زندگی
ظاہرش ابتر نہاں پایندگی

ترجمہ : ظاہراً اسے موت دی جائے تو اسے باطن کی زندگی نصیب ہوتی ہے بظاہر اسے ذلیل وخوار کیا جائے تو باطن میں اسے دوام حاصل ہوتا ہے۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اور ان کے ذبح کے وقت اللہ کو یاد کرو۔ مثلاً کہو اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللھم منك والیك۔ یعنی اے اللہ! یہ تیری عطا تھی اور تیرے قرب کے حصول کے لیے ہم اسے ذبح کر رہے ہیں صَوَآفَّ یہ صافۃ کی جمع ہے بمعنے قائمات۔ یہ اس لیے کہ اونٹ کا قیام اس کے ہاتھوں اور پاؤں کی صف بندی کو مستلزم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اونٹ بائیں ہاتھ سے بندھے ہوئے ہوکر ہاتھوں اور پیروں سے صف باندھ کر کھڑے ہوئے ہیں۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کیا جائے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ صواف اونٹوں کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جب وہ پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اونٹ کو کھڑا کر کے ذبح کرنا سنّت ہے۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا یہ وجب الحائط و یجب وجبۃ سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب دیوار گر پڑے۔

التہذیب میں ہے کہ الوجب بمعنے دیوار کا گرنا وغیرہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب وہ اونٹ زمین پر گر پڑیں۔ اس سے ان کی موت مراد ہے۔

حضرت کاشفی نے لکھا کہ جب ذبح کردہ جانوروں کے پہلو زمین پر گریں اور ان کی روح نکل جائے۔

فَكُلُوْا مِنْهَا تو تم ان کا گوشت کھاؤ بشرطیکہ وہ جنایۃ و کفارہ اور نذر کی دم نہ ہو جیسا کہ گزرا ہے اور یہ امر اباحۃ کا ہے وَ اَطْعِمُوْا یہ امر وجوب کا ہے یعنی اور ان کا گوشت کھلاؤ الْقَانِعَ قناعت پذیر فقیر کو۔ اسے قانع اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہو یا اسے مانگے بغیر جو کچھ دیا جائے اس سے وہ راضی ہوتا ہے وَالْمُعْتَرَّ یہ الاعترار سے مشتق ہے بمعنے سوال کے درپے ہونا۔

قاموس میں ہے کہ المعتر بمعنے وہ فقیر جو بھلائی کے درپے ہو۔ اہلِ عرب کہتے ہیں :

اعترہ وعررت بك حاجتی۔ وہ اس کے درپے ہوا اور میں نے اپنی حاجت کو تیرے پیچھے لگایا۔

اور العر وہ خارش جو اونٹ کو عارض ہو۔

ف : الکاشفی نے لکھا ہے کہ زاد المسیر میں ہے کہ قانع مکہ معظمہ میں رہنے والے کو اور معتر باہر سے آنے والے

فقیر کو کہتے ہیں۔ كَذٰلِكَ اسی عجیب تسخیر کے جو صواف سے مفہوم ہوتی ہے سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ انہیں ہم نے تمہارے منافع کے لیے مسخر فرمایا ہے تسخیر بمعنے تابع کرنا یعنی باوجودیکہ یہ جانور بڑے جثے اور بہت بڑی طاقت وقوت والے ہیں لیکن تمہارے تابع فرمان ہیں تمہارے حکم سے روگردانی نہیں کرتے جب تم انھیں پکڑتے ہو تو تمہارے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور تم انہیں رسیوں سے باندھ دیتے ہو اور تم آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ صف آرا ہو کر تمہارے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور تم ان کی گردنوں اور سینوں میں چھرے گھونپ دیتے ہو تو وہ تمہیں کچھ نہیں کہتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی تسخیر نہ ہوتی تو تمہارے قابو میں نہ آتے اور نہ ہی ان چھوٹے پرندوں سے عاجز ترین ہوتے جو معمولی جثہ اور تھوڑی قوت والے ہیں لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم تقرب و اخلاص کر کے ہمارے انعام کا شکر ادا کرو لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ (شانِ نزول) اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ قربانی کے جانوروں کے خون سے کعبہ معظمہ کو لت پت کرتے کر اور گوشت کے ٹکڑے بنا کر کعبہ شریف کے ارد گرد رکھ دیتے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے روکا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز نہیں پہنچتے ہاں اس کے ہاں اس کی رضا پہنچتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں لُحُوْمُهَا جانوروں کے گوشت کھائے ہوئے یا صدقہ دئے ہوئے وَلَا دِمَاؤُهَا اور نہ ذبح کے وقت خون بہائے ہوئے بایں حیثیت کہ وہ گوشت اور خون ہیں وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ لیکن اس کے ہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس سے بندوں کا فرمانبرداری کا قصد اور اس کی رضا جوئی مراد ہے۔ اس سے حرام اور شبہ خارج ہو گیا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ کوئی عمل نیت و اخلاص کے بغیر قبول نہیں ہوتا۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ محلِ قبولیت میں محض تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے وہ اس طرح کہ امر خداوندی کی تعظیم اور اچھی قربانی کے ساتھ تقرب ہو۔ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ یہ تکرار تذکیر کے طور ہے اور لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ کی تعلیل ہے یعنی اسی طرح ان چیزوں کو تمہارے لیے اس لیے تابع کیا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچانو اور سمجھ سکو کہ اس نے تمہیں کیسی قدرت بخشی ہے۔ اس کی کبریائی کا اظہار کرو عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ علیٰ، لتکبروا کے متعلق ہے اس لیے کہ شکر کے معنے کو متضمن ہو اور یہ ما مصدریہ ہے بمعنے علیٰ هدایة ایاکم۔ یہ ما موصولہ ہے بمعنے علیٰ ما هدٰکم الیه و اس شکر یعنی ہدایت کا مطلب یہی ہے کہ اس نے تمہیں جانوروں کو قابو میں رکھنے اور ان کے ذریعے قرب الٰہی کے حصول کا طریقہ بتایا وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ اور محسنین یعنی وہ لوگ جو اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے اجتناب میں مخلص ہیں انھیں بہشت یا قبول طاعات کی خوشخبری سنائیے۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کو خوشخبری ہے جو گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر عبادت کرتے ہیں اور اس کی رضا اور فضل کے طالب رہتے ہیں انہیں اوامر کی پابندی اور نواہی سے بچنے پر یہی بات ابھارتی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر امر کی ادائیگی اور برائی سے بچنے سے دل پر بوجھ محسوس نہیں کرتا۔

ف : آیت میں جمیع افعالِ حج میں احسان کے معنیٰ پر مضبوطی کرنے کی ترغیب و تحریص کا بیان ہے ۔

سبق جو شے رب تعالیٰ کے خزانے کے لائق نہیں اور وُہ قلب جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف راغب نہیں اس کے تدارک کے لیے انسان کو عجلت لازم ہے اگر مالدار ہے تو اسے مال کو راہِ حق میں لٹانا ضروری ہے اگر مال نہیں رکھتا تو نفس اور بدن کو ۔ بلکہ انسان پر لازم ہے کہ مال و جان دونوں کو بیک وقت راہِ خدا میں خرچ کر دے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا کہ مال مہمان نوازی میں اور جان نمرود کی آگ میں اور حضرت اسمٰعیلؑ کو قربانی کے لیے اور قلب کو رب رحمٰن کے حضور پیش کر دیا ۔ آپ کی ایسی قربانیوں کو دیکھ کر ملائکہ حیران و ششدرره گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی سخاوت کے صلہ میں انھیں خلّت کا تاج پہنایا ۔

حکایت حجاج بن یوسف (ظالم) کو اہلِ علم نے کہا کہ عید قربان میں چند مناسک ضروری ہیں :

(۱) منیٰ سے مسجد حرام اور عید گاہ کی طرف جانا ۔

(۲) طواف اور نمازِ عید پڑھنا ۔ حدیث شریف میں ہے کہ بیت اللہ کا طواف بھی نماز ہے ۔

(۳) سنّتوں پر عمل کرنا ۔ مثلاً سر منڈانا ، ناخن کترانا ، جملہ بدعات کا ازالہ کرنا اور ہر سنّت کو قائم کرنا ۔

(۴) اسی دن قربانی کرنا و دیگر عبادات ۔ لیکن بہترین قربانی اپنے آپ کو راہِ حق میں قربان کر دینا اور کعبۂ قلب کو تجلیاتِ رب کے لیے پاک وصاف کرنا اور نفس کو مجاہدہ اور فنا عن الوجود کی چھری سے ذبح کرنا ۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرا مکہ مکرمہ کی طرف جانا ہوا راستہ میں دیکھا کہ ایک نوجوان رات کے اندھیرے میں آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہہ رہا ہے : اے وُہ ذات جو طاعات سے خوش ہوتی ہے اور اسے معاصی و جرائم سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا ۔ مجھے ان اعمال کی توفیق بخش جو تجھے خوش کریں ۔ میرے معاصی و جرائم بخش دے ۔ جب لوگوں نے احرام باندھا اور لبیک پکارا تو میں نے اسے کہا کہ اے بھائی ! تم لبیک کیوں نہیں پکارتے ۔ تو انہوں نے کہا اے شیخ! مجھے اپنے گناہوں سے خطرہ ہے وہ میرے تلبیہ (لبیک پکارنے) سے معاف نہیں ہوں گے ، البتہ یہ خوف ہے کہ اگر میں لبیک کہوں اور وہ جواب میں فرمائے لا لبیك و لا سعدیك ، اور فرمائے کہ میں تیرا کلام نہیں سنتا اور نہ ہی میں تجھے دیکھتا ہُوں ۔ یہ کہہ کر وہ چل دیا اور کئی روز مجھے نظر نہ آیا ایک دن میں نے دیکھا کہ وہ منیٰ میں کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے اے اللہ ! مجھے بخش دے ، اور لوگ تو قربانیاں کر کے تیرا قرب حاصل کر رہے ہیں میرے پاس کیا ہے جو تیری رلہ میں قربان کروں ، ہاں یہی جان ہے جو تیرے نام پر قربان ، اسے قبول فرمالے ۔ یہ کہہ کر وہ چیخا اور بیہوش ہو کر گرا اور گرتے ہی دم توڑ گیا ؎

۱ جان کہ نہ قربانئ جانان بود
جیفۂ تن بہتر از آں جان بود

۲ ہر کہ نشد کشتہ بشمشیر دوست
لاشۂ مردار بہ از جان اوست

ترجمہ: ۱۔ وہ جان جو محبوب کے نام پر قربان ہو ایسی جان سے مردار اچھا۔

۲۔ جو دوست کی تلوار سے مذبوح نہ ہوا اس سے بیکار مردار بہتر ہے۔

اور مثنوی میں ہے: ؎

۱ معنیٔ تکبیر اینست اے امیم
کاے خدا پیش تو ما قربان شدیم

۲ وقت ذبح الله اکبر میکنی
ہمچناں در ذبح نفس کشتنی

۳ تن چو اسماعیل وجان شد چوں خلیل
کرد جان تکبیر بر جسم نبیل

۴ کشتہ کشتہ تن ز شہوتہا و آز
شد بلبسم الله بسمل در نماز

ترجمہ: ۱۔ اے دوست! تکبیر کا معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ! ہم تیرے سامنے قربان۔

۲۔ ذبح کے وقت اللہ اکبر کہتا ہے ایسے ہی نفس کو ذبح کرتے وقت بھی اللہ اکبر کہہ۔

۳۔ جسم اسماعیل جیسا، روح خلیل جیسی ہو کہ جس نے جان پر تکبیر اور جسم پر چھری چلائی۔

۴۔ نفس کو تمام خواہشات اور حرص سے ذبح کر دے۔ بسم اللہ کہتے ہی نماز میں قربان ہو جا۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (قاعدہ) امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ دفع اگر الیٰ سے متعدی ہو تو وہ اِنالۃ کا معنیٰ دیتا ہے۔ جیسے قولہ تعالیٰ:

فادفعوا الیھم اموالھم۔ یعنی ان کے مال انہیں پہنچا دو۔

اگر عن سے متعدی ہو تو حمایۃ کا معنیٰ دیتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ:

ان اللہ یدافع عن الذین اٰمنوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کے ضرر کو اہلِ ایمان سے خوب دفع فرماتا اور ان کی بہت زیادہ مدد کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ خوّان سے وہ خیانت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی امانت، اوامر ہوں یا نواہی یا دیگر امانات، میں خیانت کرتا ہے۔ کَفُوْرٍ اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا مراد ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے بُرے انسانوں کے افعال و اعمال سے ہرگز راضی نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی اعانت فرماتا ہے۔

ف: کفران کا لفظ نعمتوں کے انکار اور ان کی ناشکری میں خصوصاً اور کفر دین کے انکار میں عموماً مستعمل ہے۔ اور

کفور دونوں میں استعمال ہوتا ہے اور مبالغہ کا صیغہ ان کے بد افعال کے اظہار کے لئے ہے ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کے بعض بہت زیادہ خیانتی اور منکر نعمت ہیں اور بعض ان سے کم ۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ محبت کی نفی سے بغض کا اثبات ہوتا ہے اور بغض بمعنے نفس کا ایسی شے سے نفرت کرنا جس کے لیے طبائع کو اس میں کسی قسم کی رغبت نہ ہو ۔ یعنی محبت کی نقیض ، کیونکہ محبت میں نفس کا کسی ایسی شے کی طرف کھینچنا جس میں طبائع کو رغبت ہو ۔

حدیث شریف (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :)
بے شک اللہ تعالیٰ حد سے زائد فحش میں مبتلا ہونے والے سے بغض رکھتا ہے ۔

ف : اللہ تعالیٰ کے بغض کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مبغوض کو اپنے فیض و احسان سے دُور رکھتا ہے ۔

ف : آیت میں تنبیہ ہے کہ انسان خیانت و کفران کے ارتکاب سے اس نہج پر ہوتا ہے کہ اسے توبہ کا موقع نہیں ملتا اس لئے کہ وُہ اپنے اس برے فعل میں انتہائی سرکشی میں ہوتا ہے جب وہ توبہ نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے جبکہ اس نے محبت والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں اپنے فضل وکرم اور لطف و احسان سے نوازے گا اور اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کا بھی یہی مطلب ہے کہ وُہ اپنے محبوب بندے کو اپنے لطف وکرم اور احسان و انعام سے نوازتا ہے اور بندے کی اللہ سے محبت کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اس کے قرب کا طالب رہتا ہے ۔

ف : خیانت و منافقت ایک شے ہے کیونکہ خیانت بندے کی بدعہدی اور منافقت دینی خامی کی وجہ سے ہے کبھی دونوں یکجا جمع ہو جاتی ہیں ۔ خلاصہ یہ کہ خیانت پوشیدہ طور حق کی بدعہدی کرنا اور اس کی نقیض امانت آتی ہے ۔ اور کفر بھی خیانت میں داخل ہے کیونکہ کافر نے کفر کرکے تباہ کر ڈالا حالانکہ اس نے نفس (جو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے) تباہی سے بچانا تھا اور یہ تقریر تمام اعضاء وجوارح میں جاری ہوگی ۔ کما قال تعالیٰ :

ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئك عنه مسئولا ۔

ایسے ہی نماز اور روزہ و دیگر اعمال صالحہ میں بھی ۔ مثلاً سرے سے انہیں ادا نہ کرنا یا اس کے شرائط میں سے کسی شرط ظاہری یا باطنی کو پُورا نہ کرنا ۔ مثلاً غالب ظن ہو کہ صبح صادق ہو گئی ہے تب بھی کھائے جانا ، ایسے ہی غروب شمس کا گمان غالب ہو تو روزہ افطار کرنا ۔ اسی طرح سحری کھا کر سو جانا اور نمازِ صبح قضا کر دینا ۔ یہ تمام صورتیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی خیانت اور ان کے کفران میں داخل ہیں اس لیے کہ مثلاً اس نے سحری تو کھائی اور وہ واقعی نعمتِ الٰہی تھی لیکن پھر فرض نماز ترک کر دی ۔ اس کا یہ سودا گھاٹے کا اس لیے ہے کہ اس نے سحری کھا کر سنت پر تو عمل کیا لیکن فرضِ الٰہی کو ترک کر دیا ۔

حکایت ایک شخص کے نو درم گم ہو گئے اس نے اعلان کیا کہ جو تلاش کرکے لائے گا اسے دس درم انعام دوں گا ۔ کسی نے کہا کہ الٹا ایک درم گھاٹا کیوں ۔ اس نے جواب دیا کہ جو لذت گم شدہ مال کے حصول سے حاصل ہوگی وہ ایک درم کے گھاٹے سے کئی گنا زیادہ ہو گی ۔

سبق : بدبخت لوگ نیند سے لذّت پاتے ہیں اسی لیے نیند کی لذّت سے نمازیں ترک کر دیتے ہیں۔ بعض بدبخت لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہزار نمازیں نیند کی لذت پہ قربان۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

مسئلہ : اشیاء کی بھر تول میں کمی و بیشی کرنا بھی نقضِ عہد میں داخل ہے۔

حکایت ایک شخص پر سکرات طاری تھی اور کہتا تھا ہائے، آگ کے دو پہاڑ ہیں۔ اس کے متعلقین سے اس کا کاروبار پوچھا گیا کہ تجارتی کاروبار میں دو قسم کے ترازو رکھتا ہے، لینے کا اور، دینے کا اور۔

مسئلہ : خیانت کے لیے حیلہ بنانا بھی خیانت ہے۔

حکایت ایک شخص نے الصاحب بن عباد کو لکھا کہ ایک مرد مرگیا ہے اس کا ترکہ ایک ہزار دینار ہے اس نے اپنی وصیت میں لکھا ہے کہ اس ترکہ میں سے نصف حصہ میری لڑکی کو اور باقی مال بھی اسی کو دیا جائے۔ اس کے خلاف کرنے والے پر لاکھ لعنت ہے[1]

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کا کامل بندہ ہر حال میں خیانت کرنے والوں کی خیانت سے منصور و محفوظ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے راضی نہیں۔ جب اللہ ان سے راضی ہی نہیں تو ان کی کیا مدد کرے گا! اہلِ ایمان سے چونکہ وہ راضی ہے اس لیے ان کی مدد فرماتا ہے۔

دوسری تقریر آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان سے نفس کی خیانت اور خواہشات دفع کرتا ہے۔ ایسی مدافعت کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان سے خیانت اور کفرانِ نعمت کا مادہ مٹا دیتا ہے اس لیے کہ ایسی صفات کے موصوف لوگوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہی نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ بندوں سے محبت و پیار کرتا ہے جو ایسی بری صفات سے مبرا اور خالص و مخلص ہیں۔

سبق آیت میں تنبیہ ہے کہ نفسِ امارہ کی اصلاح کی جائے اور اسے اوصافِ رذیلہ سے پاک و صاف کیا جائے ؎

۱ وجودِ تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد

۲ ہمانا کہ دونان گردن فراز
دریں شہر کبرست و سود و آز

۳ چو سلطان عنایت کند با بدان
کجا ماند آسائش بخردان

ترجمہ : تیرا وجود ایک شہر ہے اس میں نیک اور بد ہیں تو خود بادشہ ہے اور تیری عقل تیرا وزیر ہے۔ تیرے شہر میں کبر اور حرص وغیرہ سرکش چور ہیں تو ان سے نرمی نہ کر۔ کیونکہ جب بادشہ فسادیوں سے نرمی کرے تو اہلِ خرد کو آسائش میسر نہیں ہوتی۔

---

[1] یہ وصیت صحیح ہے اگر لڑکی کے سوا کوئی اور وارث نہ ہو ۱۲

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ
دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ
صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ
إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَ
أَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ
قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ۝ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۖ
وَكُذِّبَ مُوسَىٰ فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ فَكَأَيِّنْ
مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ
مَشِيدٍ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ
بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ
بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ۝
وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝

ترجمہ: لڑنے کی اجازت عطا ہوئی ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس لیے کہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ تعالے
ان کی مدد کرنے پر بہت قدرت والا ہے جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ
ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور
ڈھادی جائیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے اور ضرور مدد فرمائے گا
اللہ تعالیٰ اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک ضرور اللہ تعالے قوت والا غلبے والا ہے وہ لوگ کہ اگر ہم
انہیں زمین میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں
اور اللہ ہی کے لیے تمام امور کا انجام ہے، اور اگر یہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے
نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین والے اور موسیٰ کی تکذیب کی گئی تو میں نے کافروں کو
ڈھیل دی پھر میں نے انہیں پکڑا تو کیسا ہوا میرا عذاب تو کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تباہ کیا جو وہ ظالم تھیں تو
اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور بہت سے بیکار کنویں اور بہت سے گچ کیے ہوئے محل تو کیا یہ لوگ زمین میں

نہیں چلے پھرے کہ ان کے دل ہوں جن سے سمجھیں یا کان ہوں جن سے سُنیں تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ ان کے وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں اور یہ لوگ تم سے عذاب طلبی میں عجلت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا اور بے شک تمہارے رب کے ہاں ایک دن ایسا ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ہزار سال۔

تفسیر عالمانہ اُذِنَ الاذن بمعنے کسی شے کی اجازت کی خبر دینا اور بتانا کہ اس کو عمل میں لانے کی رخصت ہے اس کا ماذون لیہ (یعنی جس امر کی رخصت و اجازت ہے) محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جنگ کرنے کی رخصت دی ہے لِلَّذِیْنَ ان اہلِ ایمان کو یُقٰتَلُوْنَ جن سے کفار جنگ کرتے ہیں بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا اس لیے کہ وہ مظلوم ہیں ان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں کیونکہ مشرکین انھیں ایذا دیتے وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ان میں بعض کو چوٹیں آتیں بعض زخمی ہوتے آپ سے عرض کرتے کہ اجازت بخشئے تاکہ ہم ان سے نپٹ لیں آپ انھیں فرماتے صبر کرو اس لیے کہ میں ان سے ابھی جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوا ہوں۔ یہاں تک کہ ہجرت کی تو کفار سے جنگ کرنے کے لیے سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی حالانکہ اس سے پہلے جنگ سے ممانعت کی گئی تھی۔ ستر سے زیادہ آیات قتال ہیں ان میں سے ایک یہی ہے وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے پہلے اہلِ ایمان سے وعدہ فرمایا کہ ان سے کفار کی ایذا کو دُور رکھے گا اور انھیں ان کے ظلم و ستم سے نجات بخشے گا۔ اب وعدہ فرمایا کہ اہل اسلام کو فتح و نصرت عطا فرمائے گا اور انھیں کفار پر غلبہ دے گا۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لفظ قدرۃ کو جب انسان کی صفت بنایا جائے تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے وہ ہیئت جس سے اسے کسی شے کو عمل میں لانا ممکن ہو۔ اور جب اسے اللہ تعالیٰ کی صفت بنایا جائے تو اس سے عجز کی نفی مطلوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی دوسرے کو قدرت مطلقہ سے موصوف کرنا محال ہے اگر غیر اللہ کو اس سے موصوف کیا جاتا ہے تو مجازاً ہے بلکہ غیر اللہ پر قدرت کا اطلاق کیا جائے تو بہتر ہے اسے کسی قید سے مقید کر کے مثلاً کہا جائے قادر علی کذا۔ اور مطلقاً قادر کہا جائے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اس لیے کہ مطلق قدرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نہ کسی وجہ سے عجز کا شکار ضرور ہوتا ہے جیسے اُسے قادر من وجہ کہا جائے گا ایسے ہی اسے عاجز من وجہ بھی ماننا پڑے گا۔ اور اللہ تعالیٰ وُہ ہے کہ اسے من کل الوجوہ عجز سے منزہ و مقدس ماننا لازمی ہے۔ لقدیر کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنی حکمت کے مقتضیٰ پر جیسے چاہے کر سکتا ہے۔ اس کی حکمت کے عین مطابق ہوگا، نہ اس سے زاید ہوگا نہ کم۔ اسی معنے پر اسے غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا ہے

تعالی اللہ زہے قیوم و دانا توانائی دہ ہر ناتوانا

ترجمہ: وہ بلند ذات (اللہ تعالیٰ) کیسی قدیم و دانا ہے وہ ہر عاجز کو قدرت عطا فرماتی ہے۔

مسئلہ: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی کو مارنا، قتل کرنا ناجائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو تھپڑ مار کر قتل کر دیا تو خود فرمایا: ھٰذا من عمل الشیطان (یہ شیطانی کام ہے)۔ یہ اس لیے فرمایا کہ آپ کو کافروں کو قتل کرنے کا منجانب اللہ اذن نہیں تھا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ نفس کی اصلاح میں اسے قتل کرنا بلا اذنِ الٰہی جائز نہیں یعنی نفس کشی اس طرح چاہیے جیسے شرع کا حکم ہے۔

ف: نفس کشی کا وقت سنِ بلوغ کے بعد شروع ہوتا ہے اس سے قبل نفس انسانی اعبائے شرع کو اٹھانے کے لئے تیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ قبل بلوغ انسان غیر مکلف ہے۔ اس لیے صوفیہ کرام کا اشارہ ہے کہ مجاہدہ افراط و تفریط کے درمیان لازم ہے۔ یعنی اعتدال ضروری ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جونہی محسوس ہو کہ نفس مخالفت شرع سے قلب کو ضرر پہنچاتا ہے تو نفس کی اتنی سرکوبی کی جائے کہ قلب کو اس پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ ایسے ہی جب محسوس ہو کہ نفس اپنی طبیعت پر شہوات و لذّاتِ دنیا میں مشغول ہونا چاہتا ہے تو اسے اس سے باز رکھنے کے لیے اس پر شدّت کی جائے اس لیے کہ نفس کی شہوات و خواہشات پورا کرنے سے قلب پر سیاہی اور قسوۃ اور زنگ لگ جاتا ہے۔ اور نفس بھی چاہتا ہے کہ قلب کی روسیاہی ہو (معاذ اللہ) اس معنے پر لازم ہوا کہ نفس کو صفاتِ ذمیمہ سے باز رکھا جائے۔ اس کی آسان صورت یہی ہے کہ اسے شریعت کے احکام کے تابع رکھا جائے اور اس کی خواہشات کو دبایا جائے اور اسے ذکرِ الٰہی سے مطمئن کیا جائے اور اسے جذبۂ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ کے قبول کرنے کے لیے مستعد کیا جائے ان امور پر عمل کرنے سے انسان مجاہدہ میں اعتدال پر رہتا ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس کے اس مکر و فریب سے آگاہ رہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا فرمایا۔ آیت کے آخری حصے میں اشارہ ہے کہ نفس کو اعتدال پر لانا سوائے نصرتِ الٰہی و تائیدِ ایزدی کے مشکل ہے ؎

چو روئے بخدمت نہی بر زمین

خدا ثنا گوے و خود را مبین

گر از حق نہ توفیق خیرے رسد

کے از بندہ خیرے بغیرے رسد

ترجمہ: جب تم اپنا سر خدمت و عبادت کے لیے زمین پر رکھو تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کر اور اپنا خیال درمیان میں نہ لاؤ۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے خیر و بھلائی نہ پہنچے تو بندہ غیر کو خیر و بھلائی نہیں پہنچا سکتا۔

الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ یہ محلاً مجرور ہے اس لیے کہ موصول کی صفت ہے۔

ربط: ابن الشیخ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ان کے مظلوم ہونے کی وجہ سے جنگ کی اجازت بخشی تو بتایا کہ مظلوم

وہ ہیں جو اپنے ملک سے نکالے گئے اور دیارھم سے مکہ معظمہ مراد ہے۔

حلِ لغات بلاد کو دیار سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ انسان کاروبار کرکے گھوم پھر کر اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے: دیار بکر۔ یہ بکر والوں کے شہروں کو کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی اہلِ عرب جو مکہ معظمہ کے گرد و نواح کے باشی تھے، کہتے تھے نحن من عرب الدار۔ اس سے ان کی مراد عرب البلد ہوتی تھی۔

امام راغب نے فرمایا کہ الدار بمعنے منزل ہے اس لیے کہ اس کے اردگرد دیوار کھینچی جاتی ہے۔ بعض نے کہا اس سے دارۃٌ مراد ہے جس کی جمع دیار آتی ہے۔ پھر مجازاً شہروں کو دیار کہا جانے لگا۔

بِغَيْرِ حَقٍّ یعنی وہ اپنے علاقوں سے بلاوجہ نکالے گئے حالانکہ ان کا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔

حلِ لغات حَقٌّ مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے حَقَّ يَحِقُّ بالکسر بمعنے وجب اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ۔ یہ حق سے بدل ہے یعنی بلاوجہ انہیں نکالا۔ ہاں ان کا قصور یہ تھا کہ وہ کہا کرتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ یعنی توحید کے قائل تھے اور ان کا یہ موجب تو ان کے ملک میں استقرار و تمکین کا مستحق تھا نہ یہ کہ الٹا انہیں ان کے ملک سے نکالا گیا۔ اور یہ جملہ اپنے ظاہری معنے پر نہیں بلکہ اس محاورہ سے ہے جیسے نابغہ نے اپنے شعر میں کہا ہے: ؎

ولا فیہم غیر ان سیوفہم

بہن فلول من قراع الکتائب

ترجمہ: اور ان میں نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواریں جنگوں کے میدانوں میں کُند ہیں۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اگر اللہ تعالیٰ کا بعض کے ذریعے بعض سے دفع کرنا نہ ہوتا مثلاً اہلِ اسلام کو کفار پر غلبہ دینا اور یہ ہر زمانے میں ہوا لَّهُدِّمَتْ الھدم بمعنے اسقاط البناء یعنی عمارت کو گرانا۔ اور یہاں تھدیم محض تکثیر کے معنے میں ہے یعنی خراب اور ویران ہو جاتے بایں طور کہ مشرکین کو مسلط کر دیتا صَوَامِعُ رہبانوں کی عبادت گاہیں وَبِيَعٌ اور نصاریٰ کے گرجے۔ اور یہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔

حلِ لغت: الصوامع، صومعہ کی جمع ہے۔ ہر وہ جگہ جہاں راہب عبادت کریں اور صرف عبادت کے لیے گوشۂ تنہائی اختیار کرنے کے لیے کسی جگہ کو منتخب کرلیں۔

ف: الراغب نے فرمایا کہ صومعہ ہر وہ تعمیر جو گنبد نما ہو اور اس کی دیواریں گنبد سے چمٹی ہوئی ہوں، اسی لیے اصمع اسے کہا جاتا ہے جس کے کان سر سے چمٹے ہوئے ہوں۔ اور البیع، بیعۃ کی جمع ہے یعنی نصاریٰ کی عبادت گاہ۔ اور وہ صرف شہر میں بنائیں تاکہ وہاں جمع ہو کر عبادت کریں۔ اور ان کے صوامع بھی ہوتے ہیں لیکن یہ تنہائی کے مقامات پر بنائے جاتے ہیں مثلاً پہاڑوں یا جنگلوں میں۔

امام راغب نے فرمایا کہ نصاریٰ کی عبادت گاہ کو بیعۃ کہا جاتا ہے۔ اس نام سے وہ نصاریٰ موسوم کرتے ہیں جو

خالص عربی ہوتے ہیں۔ اس لیے بیعۃ بمعنے بیع و شرا ہے۔ عبادۃ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بیع و شرا سے تعبیر فرمایا ہے۔ کما قال تعالےٰ :

ان اللہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم (الآیۃ)۔

وَصَلَوٰاتٌ یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان میں ان کے راہب نمازیں پڑھتے وہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس نام سے موسوم تھے۔

امام راغب نے فرمایا کہ نماز کی جگہ کو صلوٰۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں کو صلوات کہا کرتے۔

بعض نے کہا کہ یہ عبرانی کلمہ ہے جو در اصل "صلوتا" بالثاء المثلثۃ ہے بمعنے المصلّٰی۔ اسے معرب کر کے "صلوٰۃ" کہا گیا۔

وَمَسٰجِدُ اور اہل اسلام کی عبادت گاہیں۔ اور یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا اصطلاحی لفظ ہے

سوال : غیروں کی عبادت گاہوں کا پہلے کیوں ذکر کیا گیا ؟

جواب : وہی وجوداً مقدم تھیں اس لیے ان کی لفظاً تقدیم موزوں تھی۔ اور اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ کسی شے کے ذکر میں تقدیم بزرگی و عظمت پر دلالت نہیں کرتی۔ جیسے فمنکم کافر و منکم مؤمن میں کافر کی تقدیم ہے۔

یُذْكَرُ فِیهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا جو کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا ذکر ہو۔ یہ مساجد کی صفت مادحہ ہے اور ذکرِ الٰہی کو صرف اس سے مخصوص کرنے میں اس کی اور اس کے اہل کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے اور نیز ہو سکتا ہے کہ یہ ان چاروں عبادت گاہوں کی صفت ہو اس لیے کہ ان کی شرائع کے منسوخ ہونے سے پہلے ان چاروں میں ذکرِ الٰہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول تھا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ قلوب کو نفوس پر غلبہ نہ بخشتا اور نہ ہی نفوس کے استیلاد کو قلوب سے دفع فرماتا تو ارکانِ شریعت کا صومعہ اور آدابِ طریقت کا بیعہ اور مقاماتِ حقیقت کی عبادت گاہ اور ان کے قلوب کی مساجد جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بکثرت ہوتا ہے گرا دی جاتیں اور ذکرِ کثیر کو ان قلوب میں وسعت حاصل ہوتی ہے جو واسع اور نورِ الٰہی سے منور ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اور بخدا اللہ تعالیٰ انہیں مدد دے گا جو ان کے اولیاء کرام کی مدد کرتے ہیں یا ان کی مدد کرتا ہے جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے۔ اس وعدہ کے ایفاء کو دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کو صنادیدِ عرب و اکاسرۂ عجم اور قیاصرۂ روم پر کیسی شان سے غالب فرما کر ان تمام بڑے بڑے بادشاہوں کے ملک ان غریب مہاجرین و انصار کے قبضہ میں دے دئے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ بے شک اللہ تعالےٰ جس امر کے لیے چاہتا ہے اس پر بہت بڑی قوت رکھتا ہے سب پر غالب ہے، نہ اس کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے نہ ہی اس کے

حکم کو کوئی ٹال سکتا ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور غلبہ سے دین کے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

سوال : اگر اہلِ اسلام کا غلبہ منجانب اللہ تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں غزوات میں شمولیت اور تلوار وغیرہ سے لڑنے اور دیگر تکلیفات و مشقات میں کیوں مبتلا فرمایا؟

جواب : ۱۔ تاکہ اہلِ اسلام کو جنگی آلات کے استعمال کا طریقہ معلوم ہو اور پھر ان کی مہارت و دیگر فنونِ جنگ سے واقف ہو کر دینی دنیوی منافع حاصل کر سکیں۔

۲۔ یہ دنیائے عالم اسباب سے متعلق ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت تو نصیب ہوئی لیکن اسباب و وسائل کے ساتھ۔ تاکہ دنیوی قاعدہ و قانون بحال رہے۔

سوال : اگر واقعی اہلِ اسلام کو فتح و نصرت منجانب اللہ نصیب ہونے کا وعدہ تھا تو پھر انھیں بعض جنگوں میں شکستِ فاش کیوں؟

جواب : یہ دنیا امتحان و آزمائش کے لیے بنائی گئی ہے اور اگرچہ فتح و نصرت اور غلبہ ایک بہت بڑا مرتبہ ہے اور کفار اس عہدہ جلیلہ کے لائق نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اگر ہر بار کفار کو شکست اور اہلِ ایمان کو فتح و نصرت سے باریاب فرماتا تو پھر کفر و ایمان کی آزمائش کس طرح ہو سکتی۔ اس لیے اس نے کبھی کفار کو اور کبھی اہلِ ایمان کو فتح و نصرت سے نوازا لہٰذا اسی آزمائش کی وجہ سے تو بندوں کو مکلف بنایا گیا ہے اور ان کے لیے جزا و سزا بھی مقرر ہے تاکہ اہلِ نظر ایمان کی باتوں کو دلائل سے سمجھ سکے اور کفر سے دُور بھاگے۔

ف : بعض دفعہ اہلِ ایمان اپنے معاصی کی وجہ سے دُنیا میں دُکھ اور درد میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ ابتلاء اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور کافروں کو دنیا میں گناہوں کی وجہ سے تکالیف میں مبتلا کرنا اس کے گناہوں کا کفارہ نہیں بنتا بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے غضب و قہر کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے طاعون کفار کے لیے قہر و غضب اور اہلِ ایمان کے لیے لطف و کرم ہوتا ہے۔

حکایت حضرت عامر نے حجاج بن یوسف کو دیکھا کہ اس نے ایک غریب مظلوم کو سُولی پہ لٹکایا ہوا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی کہ یا اللہ! تیرا حوصلہ ظالموں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے اور مظلوم کو سخت دُکھ اور درد پہنچا رہا ہے۔ یہ کہہ کر عامر چلے گئے، رات کو خواب میں دیکھتے ہیں کہ قیامت قائم ہو گئی اور وہ بہشت میں داخل ہوئے، دیکھا کہ جس شخص کو حجاج ظالم نے سُولی پہ لٹکایا ہوا ہے وہ اعلیٰ علیین میں نہایت آرام و سکون سے ہے۔ اس کے بعد ایک منادی نے غیبی آواز دی کہ میرا حوصلہ ظالموں کو مہلت دیتا ہے لیکن مظلوموں کو اعلیٰ علیین میں پہنچاتا ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں بدبخت کو نیک بخت سے اور اہلِ باطل کو حق سے اور وقت کے فرعون کو وقت کے موسیٰ اور وقت کے دجال کو وقت کے عیسیٰ سے مٹایا ہے۔ البتہ اس کے حکم میں دیر ہوتی ہے اندھیر نہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

اسم اعظم بکند کار خود اے دل خوش باش   کہ بتلبیس و حیل دیو سلیمان نشود

ترجمہ : اسم اعظم تو اپنا کام کرتا ہے تمہیں خوشی ہونی چاہیے لیکن تلبیس وحیلوں سے دیو سلیمان نہیں بن سکتے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ بادشاہ تلواروں سے جنگ کرتے ہیں اور اولیاء اللہ نگاہوں سے۔ اسی لیے مشہور ہے جب مسلمان بادشاہ جنگ کے معاملہ میں حق پر ہو اور اس کا مدِمقابل باطل پرست، تو غیب سے رجال غیب حق والے کی مدد کرتے ہیں۔ اگر مسلمان بادشاہ حق پر نہ ہو تو پھر غیبی امداد نہیں پہنچتی۔

ف : امت محمدیہ کے متعلق توراۃ میں مکتوب تھا کہ ان کے سینوں میں قرآن ہوگا اس لیے وہ لوگ جب بھی جنگ پر جائیں گے تو ان کی مدد کے لیے جبریل علیہ السلام حاضر ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام حق پر ہوں تو ان کی جنگ میں جبریل علیہ السلام تشریف لاتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ تاقیامت جاری رہے گا۔ بلکہ یوں کہو کہ اگر حق پر ہو تو صرف ایک بندہ ہزاروں پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ حضرت حافظؒ نے فرمایا : ؎

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب

تنہا جہان بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ : جس تلوار کو اللہ تعالیٰ کی مدد نصیب ہو تو وہ سپاہی کے پکڑے بغیر ہی جہان پر غلبہ پا سکتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ للذین اخرجوا من دیارھم کے موصوفین کی وہ صفت بیان کی جارہی ہے جو انہیں آئندہ نصیب ہو گی۔ مثلاً انہیں زمین پر ملکی غلبہ دینا یعنی ان کی حسنِ سیرت کے پیشِ نظر انہیں ملکوں کا بادشاہ بنانا۔ یعنی وہ لوگ جنہیں ہم زمین کا مالک بنائیں یا اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ انہوں نے نماز قایم کی صرف میری تعظیم کی خاطر۔

قاعدہ : امام راغب نے لکھا ہے کہ جہاں اللہ تعالےٰ نے نمازیوں کی مدح کے طور نماز کا ذکر فرمایا ہے تو وہاں اقامت الصلوٰۃ بیان فرمایا ہے اور جہاں منافقین کا ذکر فرمایا ہے وہاں مصلّین وغیرہ کا لفظ فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا فویلٌ للمصلین۔

سوال : اہلِ مدح کے لیے اقامۃ الصلوٰۃ کے لفظ سے کیا فائدہ ہے؟

جواب : اس اطلاق سے اس کے جملہ حقوق کی ادائیگی اور اس کی شرائط مراد ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے اس کی اصلی ہیئت سے پڑھا جائے اسی لیے اہلِ حق فرماتے ہیں کہ نمازی تو بہت ہیں لیکن حقوق کی پابندی کے ساتھ اسے ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔

وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ اور وہ میرے بندوں کی امداد کے ارادہ سے زکوٰۃ دیں وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ معروف ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جو شرعاً و عرفاً اچھا ہو وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ المنکر وہ عمل جسے اہلِ علم اور اہل عقل سلیم قبیح سمجھے۔

امام راغب نے فرمایا کہ ہر وہ فعل جس کا حسن عقل و شرع سے مشہور و معلوم ہوا سے معروف کہا جاتا ہے اور منکر

وہ فعل جو عقل و شرع میں اچھا نہ ہو۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں قلوب منصورہ کے اوصاف کی طرف اشارہ ہے کہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ زمین بشریہ پر قوت و طاقت بخشے تو وہ مواصلات پر مداومت کرتی ہیں اور احوال کی زکوٰۃ دیتی ہیں۔ احوال کی زکوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے دو سو نفوس میں سے ایک سو ننانوے نفوس اپنے کام میں لگاتے ہیں تو ایک باقی اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے خلقِ خدا پر صرف کرتے ہیں جیسے مالدار اپنے دو سو دراہم میں سے پانچ دراہم اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرتا ہے وہ امر بالمعروف کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کے حکم کی مخالفت سے نفس کو محفوظ رکھتا ہے بلکہ اپنے ہر سانس پر قابو رکھتا ہے تاکہ یادِ الٰہی کے بغیر نہ گزرے۔ اور بُرائی سے روکتا ہے یعنی ریا دو اعجاب و مساکنۃ و ملاحظہ جیسی گندی بیماریوں سے اجتناب کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں جملہ امور کے نیک انجام۔ کیونکہ جملہ امور کا مرجع اسی کے حکم و تقدیر کی طرف ہے اس لیے کہ جیسے وہ چاہتا ہے ویسے ہی امور کا انجام ہوتا ہے ؎

این دولت فقر و ہا و ہو میخواہد
وان گلشن و حوض و آب جُو میخواہد
از حق ہمہ کس حال نکو می خواہد
آنست سرانجام کہ او میخواہد

ترجمہ: یہ دولت فقر و ہا و ہو چاہتی ہے اور وہ گلشن اور حوض اور نہر کا پانی چاہتا ہے ہر کس حق تعالیٰ سے اچھا انجام چاہتا ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو وہ خود چاہتا ہے۔

علاماتِ قیامت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ علاماتِ قیامت یہ ہیں:

(۱) نمازیں ضائع کی جائیں گی۔

(۲) شہوات کا اتباع ہوگا۔

(۳) خواہشات نفسانی کی طرف طبیعت راغب ہوگی۔

(۴) حکام خیانتی ہوں گے۔

(۵) وزراء فاسق ہوں گے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تڑپ اُٹھے اور عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا یہ امور واقعی عالم دنیا میں ہوں گے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سلمان! ہوں گے اور ضرور ہوں گے۔ بلکہ اس وقت مومن کا دل ایسے

پگھلے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے اور وہ بیچارہ اتنا عاجز اور کمزور ہوگا کہ ان گندے امور کو روک نہیں سکے گا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس سے مشوش ہو کر کہنے لگے، واقعی ایسے ہوگا؟ غیب پر نظر رکھنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سلمان! ایسے ہوگا اور ضرور ہوگا، بلکہ اس وقت تو مومن عوام کی نظروں میں ذلیل ترین انسان ہوگا۔ اگر وہ بیچارہ ان کے معاملات میں مداخلت یا ان کی مخالفت کرے گا تو وہ اسے جان سے مار دینے کے درپے ہوں گے۔ اگر خاموش رہے گا تو غصہ و غضب میں خود مرنے لگیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا سایہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: وہ کون سا بادشاہ ہے جس کے سامنے گردنیں جھک جائیں اور اس کی عظمت کے سامنے سو جان قربان ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: وہ بادشاہ جسے ظل اللہ (اللہ کا سایہ) کا لقب ملا ہے۔ وہ نیکی کرتا ہے تو اسے اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے۔ تمہیں ایسے بادشاہ کا زمانہ میسر آئے تو شکرِ الٰہی بجا لاؤ۔ اگر بادشاہ برائی کا ارتکاب کرے تو تم صبر کرو اور اس کا گناہ اس کے سر۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)
ایک لمحہ عدل و انصاف کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

شاہ را بود از طاعت صد سالہ و زہد
قدر یک ساعت عمرے کہ در و داد کند

ترجمہ: بادشاہ کی وہی صد سالہ عبادت و طاعت ہے جو زندگی میں ایک لمحہ عدل و انصاف کرے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ بقومی کہ نیکی پسند د خدائے
دہد خسرو عادل نیک رائے

۲ چو خواہد کہ ویران کند عالمی
کند ملک در پنجہ ظالمی

۳ نخواہی کہ نفرین کنند از پست
نکو باش تا بد نگوید کست

۴ نخفتست مظلوم از آہش بترس
ز دود دل صبحگاہش بترس

۵ نترسی کہ پاک اندرونی شبی
برآرد ز سوز جگر یاربی

۶ نمی ترسی اے گرگ ناقص خرد
کہ روزے پلنگیت برہم درد

۷ الا تا بغفلت نخسبی کہ توم
حرامست بر چشم سالار قوم

۸ غم زیردستاں بخور زینہار
بترس از زبردستیٔ روزگار

ترجمہ :۱۔جس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ بھلائی پسند کرتا ہے تو اسے نیک اور عادل بادشاہ بخشتا ہے۔
۲۔جب جہان کو ویران کرنا چاہتا ہے تو ملک ظالم کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔
۳۔اگر نہیں چاہتا کہ تیرے بعد برائی ہو تو اچھا ہو تاکہ تجھے کوئی بھی بُرا نہ کہے۔
۴۔مظلوم سوتا نہیں، اس کی آہ سے ڈر۔ بلکہ اس کی صبح کی گرم آہ کے دھوئیں سے باخطر رہ۔
۵۔تو نہیں ڈرتا اس پاک دل سے کہ اگر وہ کسی رات سوزِ جگر سے آہ کھینچے اور عرض کرے کہ اے پروردگار۔
۶۔اے ناقص عقل بھیڑیے! تو ڈرتا نہیں کہ ایک دن تجھے چیتا پھاڑ کھائے گا۔
۷۔خبردار! غفلت سے نہ سو کیونکہ سالارِ قوم پر نیند حرام ہے۔
۸۔عاجزوں کا غم کھا، زمانہ کے غلبہ سے ڈر۔

نکتہ ازدشیر نے کہا کہ سلطنت عوام کے وجود سے کمال کو پہنچتی ہے اور لوگ مال سے زینت پاتے ہیں اور مال تعمیر سے عروج پاتا ہے اور تعمیر اور سیاست عدل سے رونق پاتی ہے۔ بعض نے کہا: سیاست ریاست کی بنیاد ہے۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو کیا ہے۔ مضارع کا صیغہ جملہ شرطیہ میں تکذیب کے تحقق کی وجہ سے ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہو کیونکہ آپ کی تکذیب سے آپ کے مغموم و محزون ہونے کا امکان تھا اس لیے قبل از وقت آپ کو تسلی دلائی گئی۔ یعنی اگر آپ اپنی قوم کی تکذیب سے محزون و مغموم ہوں تو یہ آپ کے لائق نہیں فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ وَقَوْمُ اِبْرَاهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ تو آپ سے پہلی قوموں نے تکذیب کی۔ یعنی قومِ نوح نے نوح علیہ السلام کی، قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی، ثمود نے صالح علیہ السلام کی، قومِ ابراہیم نے ابراہیم علیہ السلام کی، قومِ لوط نے لوط علیہ السلام کی اور اصحابِ مدین نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی۔

ف : مدین اور شعیب ابراہیم کے بیٹے تھے۔ پھر مدین ایک بستی کا نام پڑ گیا۔

وَكُذِّبَ مُوْسٰى اور موسیٰ علیہ السلام جھٹلائے گئے۔ جھٹلانے والے قبطی تھے اور وہ اس تکذیب پر مرتے دم تک ڈٹے رہے۔

سوال : قبطیوں کی طرح بنی اسرائیل نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ چنانچہ ان کا انکار لن نؤمن لك حتی نری الله جهرة (اے موسیٰ ! ہم آپ کو ہرگز نہیں مانتے یہاں تک کہ ہم خدا کو کھلم کھلا دیکھیں) تھا۔ پھر تم نے صرف قبطیوں کی تخصیص کیوں کی ؟

جواب : واقعی انہوں نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب بار بار کی لیکن اس پر وہ مداومت نہیں رکھتے تھے بلکہ تکذیب کے بعد معجزہ دیکھ کر تائب ہوجاتے اور پھر مرنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے نیازمندی کا ثبوت پیش کرتے۔

سوال : پہلی قوموں کے برعکس موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے متعلق عبارت کو کیوں متغیر کیا گیا۔ یعنی ان کے لیے صیغہ فعل ماضی معلوم اور ان کے لیے فعل مجہول، اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب : چونکہ سابقہ قوموں کی تکذیب سخت اور نہایت قبیح تھی اور وہ معجزات دیکھنے کے باوجود انکار سے باز نہ آتے بخلاف

فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ پس میں نے کافروں کو ایک میعاد تک مہلت بخشی **ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ** پھر میں نے ان کی گرفت کی۔ یعنی مدتِ مقررہ گزرنے کے بعد پھر میں نے ہر تکذیب کرنے والی قوم کو عذاب میں مبتلا کیا کسی کو طوفان سے تباہ کیا کوئی آندھی سے، کوئی چنگھاڑ سے تباہ ہوئے۔ کوئی مچھروں سے، کوئی خسف سے اور کوئی پتھروں سے مارے گئے۔ کوئی یوم الظلہ سے برباد ہوئے، کوئی دریا میں غرق ہوئے وغیرہ۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف : امام راغب نے فرمایا کہ الاخذ بمعنے وضع الشئ و تحصیلہ۔ وہ کبھی تناول سے ہوتا ہے مثلاً فرمایا معاذ الله ان ناخذ الا من وجدنا متاعنا عندہ۔ اور کبھی قہر سے، اس کی مثال آیت ہذا ہے۔

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ پھر میرا انکار کیسا رہا۔ مثلاً ان کی نعمتوں کو دکھ درد اور تکالیف سے اور ان کی حیاۃ کو تباہی و بربادی سے اور ان کی آبادی کو ویرانی سے تبدیل کیا غرضیکہ ان کے معاملات نہایت ہی ہولناک صورتوں میں بدل گئے۔ یہ استفہام تقریری ہے خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کو حسبِ وعدہ فتح و نصرت نصیب ہوئی اور پھر انہوں نے آرام و سکون سے زندگی بسر فرمائی۔ آپ بھی صبر کیجئے آپ کے دشمن تباہ و برباد ہوں گے پھر آپ بھی آرام و سکون سے وقت گزاریں گے۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ **فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ** حضرت مولانا عارف جامی قدس سرہٗ نے شرح کافیہ میں لکھا ہے کہ کاین کا لفظ کنایہ کا ہے اور وہ مبنی ہے کیونکہ جب ایّ پر کاف تشبیہ کا داخل ہوا تو اگرچہ لفظ ایّ معرب تھا لیکن دو اجزا کے یک جز ہونے پر افرادی معنے میں داخل ہو کر مجموع مفرد ہوگیا بمعنے کمْ خبریہ کے، اس طرح وہ اسم مبنی ہوتا ہے جس کا آخر ساکن ہو جیسے اسم مَنْ، اس کا آخر مبنی علی السکون ہے۔ یہ تنوین تمکن کا نہیں اس لیے یاء کے بعد نون کو صاف طور

لکھا جاتا ہے حالانکہ تنوین کی اپنی کوئی شکل وصورت نہیں ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بہت سے دیہات اور شہر ہیں ۔ یہ مبتدا ہے ۔ اَهْلَكْنٰهَا
یہ مبتدا کی خبر ہے وَهِيَ ظَالِمَةٌ یہ جملہ حالیہ ہے اس کا ذوالحال اهلكنٰها میں ہے اور اس سے بستی والوں کا ظلم مراد ہے
اور ان کے ظلم کفر ومعاصی تھے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کے ظلم سے متقدس ہونے کا بیان ہے ۔ چنانچہ واضح فرمایا کہ
اللہ تعالیٰ نے انہیں بلا وجہ تباہ و برباد نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے کفر ومعاصی کا ارتکاب کیا تو انہیں تباہ و برباد کیا گیا ۔ فَهِيَ خَاوِيَةٌ
اس کا عطف اهلكنٰها پر ہے هی کا مرجع القریہ ہے ۔ اس سے اس کی دیواروں کا انہدام مراد ہے ۔

حلِ لغات : الخواء بمعنے السقوط ۔ خوی النجم سے ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب ستارا گرے ۔ اب معنیٰ
یہ ہوا کہ اس بستی کی دیواریں گرنے والی ہیں عَلٰى عُرُوْشِهَا اپنی چھتوں پر ۔ یعنی ان بستیوں کی بنیادیں بیکار ہو جائیں گی ،
چھتیں گریں گی ان کے اوپر ان کی دیواریں گر پڑیں گی ۔ العروش بمعنے السقوف ۔ کیونکہ قاعدہ ہے جو شے بھی سر کے اوپر
ہو اسے عرش کہا جاتا ہے وہ چھت ہو یا کوئی درخت یا کسی دیگر شے کا سایہ ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اہلِ ظلم کے قلوب کی بربادی و ویرانی کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ظلم ظالمین کے وطن کی
خرابی و بربادی کا موجب ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے اس کی راحت کا سرچشمہ یعنی دل برباد ہوتا ہے
اور وحشت وہ ہے جو ظلمت پر غلبہ رکھتی ہے ۔ اس لیے کہ ظلمت سینے کی تنگی اور برے اخلاق اور مظلوموں پر غیظ وغضب سے
پیدا ہوتی ہے اور یہ جملہ امور وطن کی راحت کے اجاڑنے کے اسباب ہیں اور درحقیقت یہی امور ظالم کے ظلم کی سزائیں ہیں اور یہ
اللہ تعالیٰ کے اپنے ارادہ پر ہے کبھی کسی ظالم کو فوراً سزا دیتا ہے اور کسی کو دیر سے ۔ اور صوفیہ کے نزدیک نفوس کے ظلم کی علامت
یہ ہے کہ ان کی شامت کے اثرات سے عبادت میں جی نہیں لگتا ۔ کما قال :

فهی خاویة علٰی عروشها ۔

اور قلوب کے ویران و برباد ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ غفلت کے نشہ میں ڈوب جائیں بالخصوص نماز کے اوقات اور
خلوات کی گھڑیوں میں تو غفلت ان پر بادلوں کی طرح چھا جاتی ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ البئر دراصل اس گڑھے کو کہا جاتا ہے جس کے اوپر کا حصہ ڈھانپا جائے تاکہ
اس سے گزرنے والا اس میں گر نہ جائے اور معطلہ عطلت المرأة و تعطّلت سے ہے ۔ یہ
اس عورت کے لیے بولتے ہیں جو زیور پہنے ہوئے نہ ہو اسے عاطل بھی کہا جاتا ہے ۔ دراصل التعطیل بمعنے التفریغ ہے
یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو اپنے گمان پر یہ سمجھے کہ اس نے شے کو خالی کر لیا ۔ اس کا عطف قریہ پر ہے یعنی کتنے وہ آباد کنویں جو
بستیوں میں ہر وقت پانی سے لبریز رہتے تھے اور پانی نکالنے کے آلات ہر وقت جن پر موجود رہتے تھے اب ویران پڑے ہیں
کیونکہ ان سے پانی نکالنے والے نیست و نابود ہو گئے ہیں ۔ یوں اُن کا ویران ہونا لازمی امر تھا وَقَصْرٍ یہ قصرت سے ہے
بمعنے ضممت بعضه الٰی بعض یعنی میں نے اس کے بعض کو بعض سے ملایا ۔ اور قصر (محل ، بلڈنگ) کو اس لیے قصر

کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ القاموس میں القصر خلاف الطول کا معنی لکھا ہے ایسے ہی القصر خلاف المد کو بھی کہا جاتا ہے اور بمعنے المنزل، اور ہر وہ گھر جو پتھروں سے تیار کیا جائے اسے بھی القصر کہتے ہیں اور ایک علاقے کا علم ہے جو ستادون مواضعات پر مشتمل مدینہ طیبہ کے مابین واقع ہے اور بمعنے قریہ وحصن بھی آیا ہے۔ عالم دنیا کے عجائبات میں بہرام گور کا محل تھا جو صرف ایک پتھر سے تیار کیا گیا اور ہمدان کے قرب میں واقع تھا۔ **مَّشِيْدٍ** وہ مکان جو شید سے تیار کیا گیا ہو۔ مطلب یہ کہ ہم نے اسے مقیموں سے خالی کر دیا۔ اہل عرب شید 'جص کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ مشید بمعنے مطول و مرفوع البنیان ہے (کذا فی المفردات) مثلاً کہا جاتا ہے:

شَيَّد قواعده بمعنے احکمها۔ یعنی اسے جص سے مضبوط بنایا گیا۔ اور جص بمعنے گچ۔

القاموس میں ہے کہ شاد الحائط ویشیده بمعنے طلاه بالشید یعنی ہر وہ مکان جس کی دیواروں پر گچ وغیرہ لگایا جائے اور المشید وہ مکان جو گچ وغیرہ سے تیار کیا جائے۔

کنوئیں والوں کا قصہ

مروی ہے کہ اسی کنوئیں پر صالح علیہ السلام اترے اور چار ہزار نفوس آپ کے امتی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ کی امت پر عذاب نازل ہوا۔ تو آپ اور آپ کے مذکورہ بالا امتی نجات پا کر اسی کنویں کے قریب آباد ہوئے۔ اسی مقام کو حضرموت بھی کہا جاتا ہے۔

حضرموت کی وجہ تسمیہ: چونکہ یہاں حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے اس لیے حضر کہا گیا۔ یہاں آپ پر موت طاری ہوئی۔ یہ دراصل حضر مات ہے۔ کثرت استعمال سے حضرموت ہو گیا ہے۔

(**بقایا قصہ**) کنویں کے گرد ایک شہر تھا جسے "حاضورا" کہا جاتا۔ اسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بنوایا تھا۔ اس کا امیر (حاکم) جلیس بن جلاس مقرر ہوا۔ عرصہ دراز تک آباد رہے۔ ایک مدت کے بعد کافر ہو کر بت پرستی اختیار کر لی۔ ان کی اصلاح کے لیے حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا، انہوں نے اپنے نبی حنظلہ کو بازار میں شہید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان پر ناراضگی ہوئی تو انہیں تباہ و برباد کر دیا، اس کے بعد کنواں اور محلات بھی ویران ہو گئے۔

کنوئیں کی دوسری داستان

امام سہیلی نے فرمایا کہ اس سے رس والوں کا کنواں مراد ہے۔ وہ عدن میں تھا اور اس کے ساتھ ثمود کے بقایا لوگ آباد تھے ان کا بادشاہ العلس نامی عادل اور نیک سیرت تھا اور کنویں سے تمام شہر اور گرد و نواح کی آبادیاں سیراب ہوتی تھیں اور جملہ جانور یعنی بھیڑ بکریاں، اونٹ اور گائیں وغیرہ بھی اسی سے پانی پیتے تھے۔ اس سے مختلف طریقوں سے پانی کی چھوٹی چھوٹی نالیاں بنا دی گئیں۔ اور اس سے پانی نکالنے اور مختلف نالیوں میں پہنچانے کے لیے کثیر التعداد نوکر، ملازم مقرر تھے۔ اس کے پانی کو پہلے سنگ مرمر کے ایک بڑے حوض میں جمع کیا جاتا۔ ہر ایک جنس کے لیے علیحدہ علیحدہ چھوٹے چھوٹے حوض بنائے گئے۔ یعنی انسانوں کے لیے علیحدہ، مانوس جانوروں کے لیے علیحدہ اور وحشی جانوروں کے لیے علیحدہ۔ اس کنویں کے کاروبار میں خوب گہما گہمی

رہتی تھی۔ شہریوں اور اس شہر کے گردونواح کے لوگوں کو سوائے اس کنوئیں کے اور کہیں سے پانی نہیں ملتا تھا۔ اس لیے اس سے پانی لینے کے لیے ہر قبیلے کے لیے باری مقرر تھی۔ بادشاہ مذکور عدل و انصاف سے چلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے طویل عمر بخشی آخر اسے موت نے آلیا۔ چونکہ ملک کی تباہی کا خطرہ تھا اس لیے سنجیدہ لوگوں نے اس کے جسم پر تیل مل دیا تاکہ جسم متغیر نہ ہو۔ ان کی عادت تھی کہ محترم و معظم شخصیت کی میت کو تیل مل دیتے تھے۔ اس عادل بادشاہ کی رحلت ان کے لیے معمولی سانحہ نہ تھا۔ ملک کی تباہی کا خطرہ تھا اس لیے بادشاہ کی موت سے انھیں سخت صدمہ پہنچا اور دھاڑیں مار مار کر روئے۔ ان کی اس کیفیت سے شیطان نے موقعہ غنیمت جانا اور بادشاہ کی لاش میں گھس گیا۔ چند روز خاموش رہنے کے بعد بول پڑا اور کہنے لگا: اے میری رعایا! میں مرا نہیں ہوں صرف چند روز کے لیے تم سے جدا ہو گیا ہوں تاکہ معلوم کروں کہ تم میرے بعد کیا کرتے ہو۔ رعایا اپنے محبوب و عادل بادشاہ کی باتوں سے بہت خوش ہوئی۔ اس کے بعد شیطان نے نیا ڈھنگ اختیار کیا اور بادشاہ کے خواص کو کہا کہ میرے اور رعایا کے درمیان پردہ لٹکا دو اور آج کے بعد ہر شخص میرے ساتھ پردہ کی اوٹ میں گفتگو کرے۔ یہ اس لیے کیا تاکہ لوگ جسم کی خرابی کو دیکھ کر اسے مردہ تصور کر کے اس کے کلام سے شک میں نہ پڑ جائیں۔ اور ساتھ ہی اس لاش کے ساتھ پردہ کی اوٹ میں ایک بت کھڑا کر دیا اور کہا کہ اب وہ نہ کھائے گا نہ پیئے گا اور نہ ہی مرے گا بلکہ وہی تمہارا معبود ہے۔ یہ تمام کارروائی شیطان خود کرتا رہا اور رعایا نے کلام بادشاہ کے منہ سے سنی۔ ان آخری جملوں کی تصدیق اکثر لوگوں نے کی لیکن اہلِ ایمان نے انکار کر دیا۔ چونکہ اسے ماننے والے بکثرت تھے اور انکاری (مومن) بہت تھوڑے۔ اس لیے ان منکرین (سچے مومنوں) پر مظالم ڈھائے گئے جس سے وہ بیچارے بادلِ نخواستہ مان گئے۔ لیکن رب تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا کہ ان میں ایک نبی بنایا جن کا نام حضرت حنظلہ بن صفوان (علیہ السلام) تھا۔ ان پر صرف خواب میں وحی نازل ہوتی۔ انہوں نے بت پرستوں سے فرمایا کہ یہ بولنے والا بت ہے اس کے اندر شیطان بولتا ہے وہی تمہیں گمراہ کر رہا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی شکل وصورت میں متشکل نہیں ہوتا اور نہ ہی تمہارا بادشاہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک ہو سکتا ہے۔ جونہی حضرت حنظلہؑ نے انہیں وعظ فرمایا تو وہ بت پرست آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ پہلے تو انہوں نے آپ کو ڈرایا دھمکایا اور وعظ و نصیحت کرنے سے روکا، پھر طرح طرح کی ایذائیں دیں لیکن حضرت حنظلہ نے حق کا پیغام سنانے میں کوتاہی نہ کی۔ ان بدبختوں نے آپ کو شہید کر ڈالا اور آپ کی لاش کو اس کنوئیں میں پھینک دی۔

نبی علیہ السلام سے گستاخی کا انجام

جونہی ان بدبختوں نے اپنے نبی علیہ السلام کو شہید کر کے کنوئیں میں پھینکا ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ رات کو کنوئیں کے پانی سے سیر ہو کر سوئے صبح اٹھ کر دیکھا کہ کنوئیں کا پانی زمین میں دھنس گیا، اب پانی کے بغیر پیاسے مرنے لگے یہاں تک کہ مرد، عورتیں، بچے پانی کی پیاس سے چیختے چلاتے مر گئے اور جانوروں کو پانی نہ ملا وہ بھی تڑپ تڑپ کر مرتے گئے۔ یہاں تک کہ اس علاقہ کے لوگ ایک ایک کر کے مر گئے۔ اب وہاں درندوں اور جنگلی جانوروں کا بسیرا ہو گیا ان کے مکانوں اور محلوں میں لومڑیاں اور گیدڑ بسنے لگے۔

ان کے باغوں میں خار دار درخت پیدا ہوگئے۔ اب وہاں سے جنوں اور درندوں کی آوازیں آتی تھیں (نعوذ باللہ من سطواتہ ومن الاصرار علی ما یوجب لنقماتہ)

قصرِ مشید کا قصہ اس محل عالیشان کو شداد بن عامر بن ارم نے بنایا اور ایسی شان والا محل عالم دنیا میں اور نہیں تھا۔ پھر اس کی حالت بھی وہی ہوگئی جو اوپر کنویں والوں کے انجام میں بیان کی گئی ہے۔ بلکہ اس کا حال اس سے زبوں تر تھا کہ میلوں تک اس کے اردگرد کسی کے جانے کا امکان نہ رہا جبکہ جنات اور دیگر ڈراؤنی آوازیں دور دور تک سنائی دیتی تھیں۔ یہ اس کی قدرت ہے کہ نعمتوں سے مالامال کر کے اور عیش و عشرت سے بھرپور فرما کر ویران و برباد کر دیتا ہے۔

سبق وہ ملک اور ملک والوں کو تاگے میں موتیوں کی طرح پرو دیتا ہے۔ پھر توڑتا ہے تو نام و نشان تک مٹا دیتا ہے آیت ہذا میں امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کو نصیحت و تذکیر فرماتی ہے تاکہ اس کی نافرمانی سے بچیں اور انجام برباد سے احتراز کریں۔

حضرت حنظلہ علیہ السلام کی نبوت کی دوسری وجہ حضرت کاشفی نے لکھا کہ تیسیر میں ہے کہ ایک کافر بادشاہ نے مسلمان وزیر پر ظلم کیا تو وہ مسلمان وزیر چار ہزار افراد اہلِ ایمان کو ساتھ لے کر حضرموت کے پہاڑ کے دامن میں چھپ گیا۔ جہاں انہوں نے رہنا سہنا اختیار فرمایا خوشنما مقام تھا لیکن کنواں کھودا تو اس کا پانی کڑوا نکلا۔ غیب سے آواز آئی کہ فلاں جگہ پر کنواں کھودو۔ چنانچہ وہاں پر کنواں کھودا گیا تو پانی نہایت میٹھا اور لذیذ ملا ؎

درزہ چوں شیرۂ شاخ نبات
در خوشی ہمشیرۂ آبِ حیات

ترجمہ: لذت اور مزے میں کھانڈ اور مصری کی طرح تھا اور آبِ حیات کی طرح فرحت بخش تھا۔

غیبی نعمت سمجھ کر کنویں کو خوب سنگارا گیا کہ اُوپر کے حصے کو زر و سیم کی اینٹوں سے پختہ بنایا گیا اور نعمتِ حق کے شکریہ میں عبادت و طاعتِ الٰہی میں مشغول ہوگئے۔ عرصۂ دراز کے بعد شیطان ایک نیک بخت بڑھیا کی شکل میں نمودار ہوا اور ان کی عورتوں سے کہا کہ شوہر نہ ہونے کی صورت میں جماع کے بجائے انگلیوں سے گزارہ کریں۔ پھر ایک مدت کے بعد ایک عابد و زاہد کی صورت میں ان کے مردوں کے پاس آیا اور کہا کہ عورتوں کی ازدواجی صورت کے عدمِ حصول پر جانوروں سے وطی کریں۔ ان بدبختوں کو شیطان کی شرارت پسند آگئی اور مذکورہ بالا قبیح فعل کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حنظلہ بن صفوان کو نبی بنا کر بھیجا لیکن انہوں نے حضرت حنظلہ علیہ السلام کی نصیحت کو قبول نہ کیا اور بدستور اس فعل قبیح کا ارتکاب کرتے رہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوئی تو سب سے پہلے ان کے لیے اس کنویں کا پانی بند ہوگیا۔ جب یہ کیفیت انہوں نے دیکھی تو پیغمبر

کے ہاں توبہ کی اور وعدہ کیا کہ پھر ایسی غلطی نہیں کریں گے۔ پیغمبر علیہ السلام نے دُعا مانگی تو کنویں میں پانی پھر جاری ہو گیا۔ لیکن وعدہ خلافی کے بعد وہ پھر برے افعال کے مرتکب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ انہیں فرما دو کہ سات سال سات ماہ سات دن کے بعد انہیں عذاب میں مبتلا کروں گا۔ انہوں نے بجائے عذابِ الٰہی سے ڈرنے کے ایک بہت بڑا محل تعمیر کیا جس کی اینٹیں زر و سیم کی تھیں اور یواقیت و جواہر سے اسے مرصّع کیا۔ جونہی وعدۂ عذابِ الٰہی آ پہنچا تو سب کے سب محل کے اندر گھس گئے اور باہر سے سب دروازے بند کر دئے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور محل مذکور کو زمین میں دھنسا دیا اور اسی کنویں سے تاحال بدبُو آتی ہے اور اس کے ارد گرد سے تباہ شدہ لوگوں کی چیخ و پکار کی آواز سنائی دیتی ہے ؎

۱ نہ ہرگز شنیدم دریں عمر خویش
که بد مرد را نیکی آمد به پیش

۲ رطب نا ور د چوب خر زہرہ بار
چه تخم افگنی بر ہمان چشم دار

۳ غم و شادمانی نماند و لیک
جزاے عمل ماند و نام نیک

ترجمہ: ۱۔ میں نے زندگی بھر نہیں سنا کہ برے کو بھلائی نصیب ہو۔
۲۔ کنیر سے کبھی کھجور کا میوہ نہیں ملتا۔ جیسا بیج ڈالو گے ویسا پھل ملے گا۔
۳۔ غم اور خوشی ہمیشہ نہیں رہتی۔ ہاں عمل کی جزا اور نیک نامی باقی رہتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا کیا غفلت کے نشے میں ہیں، انہیں تو سیر کرنی چاہیے فِی الْاَرْضِ زمین پر۔ یعنی یمن و شام میں پھر کر تباہ شدگان کے مقامات کو دیکھیں فَتَكُوْنَ لَهُمْ بسبب مشاہدہ کے ان عبرت گاہوں کے انہیں حاصل ہوں۔ استفہام کے جواب کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ جملہ بظاہر مثبت ہے لیکن معنیً منفی ہے قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَا قلوب جن کے ذریعہ وہ سمجھیں یعنی انہیں وہ اسباب حاصل ہوں جن کی بدولت وہ توحید کو سمجھ سکیں اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا یا انہیں کان حاصل ہوں جن کے ذریعے وہ سُنیں۔ یعنی انہیں ایسے اسباب میسر آجائیں جن کی وجہ سے امم مہلکہ کے وہ حالات سُنیں جو ان علاقوں کے لوگوں میں مشہور رہیں کیونکہ علاقہ والے لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں۔

سوال: کفارِ مکہ و مشرکینِ عرب تو بارہا ان علاقوں سے گزرے اور بارہا ان کے حالات سنے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دیکھنے اور سننے کی نفی فرمائی ہے۔

جواب: چونکہ انہوں نے اس دیکھنے اور سننے سے عبرت حاصل نہیں کی تھی اس لیے ان سے دیکھنے اور سننے کی نفی کی گئی ہے۔

اس معنے پر یہ استفہام انکاری ہے فَاِنَّهَا یہ ضمیر قصہ کی ہے لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ان کے مشاعر (حس) میں خلل نہیں بلکہ خلل ان کی عقول میں ہے کہ اتباع ہوائے نفس اور انہماک فی الغفلۃ کی وجہ سے ان کی عقلوں پر قفل پڑ گئے ہیں۔ یعنی ان کی دیکھنے والی آنکھیں اندھی نہیں ہیں وہ تو ہر شے دیکھ رہی ہیں۔ ان کے قلوب عبرت پکڑنے سے اندھے ہو چکے ہیں، وہ قلوب جو ان کے سینوں میں ہیں۔ اندھے بایں معنیٰ کہ گزشتہ لوگوں کے حالات وواقعات سے عبرت نہیں پکڑتے۔ یا اس کا یہ معنیٰ ہے کہ ان کی ظاہری آنکھیں دل کی آنکھوں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہیں اور عمیٰ کا اطلاق ظاہری آنکھ اور دل کی بینائی کے فقدان پر ہوتا ہے اور فی الصدور کے اضافہ سے تاکید مطلوب ہے یا مجازی معنے کو دُور کرنے کے لیے ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اندھاپن محض آنکھ سے مخصوص ہے بلکہ اس کا تعلق دل سے بھی ہے۔

ہر انسان کی چار آنکھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے چار آنکھیں عطا کی ہیں، دو سر میں جن سے دنیوی امور دیکھے جاتے ہیں اور دو دل میں، جن سے دینی امور دیکھے جاتے ہیں اور اکثر لوگ انہی دل کی آنکھوں سے محروم ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں دینی امور کا کوئی علم نہیں۔

ف

۱ دل بکشا بین بے انتظار
ہر طرف آیاتِ قدرت آشکار

۲ چشمِ سر جز پوست خود چیزے ندید
چشمِ سر در مغز ہر چیزے رسید

ترجمہ : دل کی آنکھ کھول کر دیکھ ہر طرف آیاتِ قدرت ظاہر ہیں۔ سر کی آنکھ میں سوائے گوشت پوست کے ادراک کیا ہے۔ لیکن اس میں ہر شے کا مغز ہے۔

فائدہ صوفیانہ حقایق البقلی میں ہے کہ جہال اشیاء کو انہی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے قلوب ان حقایقِ اشیا سے محجوب ہیں جو کہ وہ انوارِ ذات وصفات کے تابع ہیں اور ان کے دل کی آنکھیں اللہ تعالیٰ نے غشاوۂ غفلت اور غطائے شہوت سے اندھی بنا دی ہیں۔

سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قلب کی بصر کا تھوڑا سا نور خواہشات وشہوات غالب ہو جاتا ہے جب دل کی آنکھ بند ہو جاتی ہے تو شہوت کا غلبہ اور غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے انسان غلبۂ شہوت کے بعد عموماً معاصی وجرائم میں منہمک اور حق کا نافرمان رہتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ عقل حقیقی دل کی صفائی کے بعد نصیب ہوتی ہے اور دل صفائی حواس کے اندھے پن اور بہرے پن کی درستی کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسے قلب کو سمع و بصر سے موصوف کیا جاسکتا ہے ایسے ہی زندگی کے ہر وصف سے اسے موصوف کرنا جائز ہوگا۔ اس معنے پر قلب کے لیے جملہ ادراکات کا ماننا لازم ہے۔ جیسے قلوب نور یقین سے دیکھتے ہیں ایسے ہی مشام سر سے نسیم اقبال کو سُونگھتی ہیں جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی لاجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن۔ میں رحمٰن کی خوشبو یمن سے سُونگھتا ہُوں۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو خبر دی کہ:

انی لاجد ریح یوسف۔ بیشک میں یوسف کی خوشبو سُونگھتا ہوں۔

ان کا یہ ادراک سرائر سے تھا ظاہری ہوا کو سُونگھنے سے نہیں تھا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وُہ تصفیۂ باطن اور تجلیۂ قلب اور اس سے پردہ ہٹانے کی کوشش کرے اور یہ صرف ذکرِ الٰہی سے ہوتا ہے۔

ف: حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا اور کوئی زیادہ کلام نہ کرو۔ اس لیے کہ کثرتِ کلامی سے دل زنگ آلود ہوجاتا ہے اور زنگ آلود قلب اللہ تعالیٰ سے دُور ہوجاتا ہے اور تم اسے نہیں جانتے۔

ف: حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو مخلوق کی باتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی باتوں سے مانوس نہیں ہوتا اس کے عمل قلیل ہوجاتے ہیں اور جس کے عمل قلیل ہوجاتے ہیں اس کا دل اندھا اور عمر ضائع ہوجاتی ہے۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)
ہر شے کا مصقلہ ہے اور دل کا مصقلہ ذکرِ الٰہی ہے۔

رُوحانی نسخے حضرت ابو عبد اللہ انطاکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دل کا علاج پانچ چیزوں میں ہے:

(۱) نیک لوگوں کی صحبت

(۲) قرأت القرآن

(۳) پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا۔

(۴) قیام اللیل

(۵) سحر کے وقت آہ و بکا۔

(کذا فی تنبیہ الغافلین)

تفسیر عالمانہ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ (شانِ نزول) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کہتے آپ جس عذاب کی ہمیں دھمکیاں دیتے ہیں وہ لائیے، ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ ان کے جواب میں یہی آیت نازل ہوئی کہ آپ سے کفارِ مکہ عذاب کی جلدی کرتے ہیں۔ ان سے ابنِ حارث اور اس کے ساتھی مراد ہیں کیونکہ وہ بطورِ استہزاء اور تعجیز کے کہتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت میں ان کی عدمِ تصدیق کی طرف اشارہ ہے کما قال تعالیٰ: یستعجل بہا الذین لا یؤمنون بہا۔ عذاب کی عجلت وہی کرتے ہیں جو کافر ہیں۔ اگر وہ ایمان دار ہوتے تو عذاب طلب نہ کرتے بلکہ وُہ نبی علیہ السلام کے ہر قول کی تصدیق کرتے اور پھر آپ سے کسی شے کو جلد لانے کی طلب نہ کرتے۔ استعجال بمعنے طلب الشئ و تحریہ قبل اوانہ۔ وقت سے پہلے شے کا مطالبہ اور اس کے حصول کے لیے جدّوجہد کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔ اور ان کے عذاب کے مطالبہ سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ فرما چکا ہے کہ کفار کو ضرور عذاب میں مبتلا کرے گا۔ چنانچہ اس کا ایفاء یومِ بدر میں ہوا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ ایمان کے ساتھ وعدۂ الٰہی کے خلاف محال ہے البتہ ان سے وعید کا خلاف کرے تو اس کا عین کرم ہے اس لیے کہ اہلِ ایمان کے حق میں رحمت الٰہی غضبِ حق پر غلبہ رکھتی ہے نیز ان سے مغفرت کا بھی وعدہ فرمایا ہے کما قال:

ان اللہ یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذٰلک لمن یشاء۔

اور فرمایا:

ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا۔

ف: یحییٰ بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی بہتر توجیہ فرماتے تھے۔ وُہ فرماتے کہ وعد و وعید دونوں حق ہیں اس لیے کہ وعدۂ الٰہی بندوں کا حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم لگایا ہے کہ جب وہ حکمِ الٰہی بجا لائیں تو انہیں فلاں فلاں احسان و کرم سے نوازا جائے گا۔ جب بندہ وہ حکم بجا لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدۂ کریمہ کے مطابق اس بندے کو احسان و کرم سے نوازتا ہے اس لیے کہ یہ ایفاء جب اس کے بندوں سے لزوماً صادر ہوتا ہے تو ان کے آقا سے صادر ہونا تو اور اولیٰ ہے اور وعید اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اس نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ مثلاً انہیں فرمایا:

لا تفعلوا کذا۔ اے میرے بندو یُوں نہ کرنا ورنہ تمہیں عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔ اگر وہ حکم عدولی کریں تو پھر

اللہ تعالیٰ کی مرضی، چاہے انہیں معاف کر دے چاہے عذاب میں مبتلا کر دے کیونکہ یہ اس کا اپنا حق ہے اور اس کے لیے ایسے امور میں عفو و کرم اولیٰ ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ حضرت سری موصلی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اذا وعد السّرا انجز وعدہٗ

وان او عد الضراء فالعفو مانعہٗ

ترجمہ: جب رحمت کا وعدہ فرماتا ہے تو اس کا ایفا کرتا ہے۔ اگر کسی کو اپنے عذاب سے ڈراتا ہے تو عفو و کرم اس کو مانع ہوتا ہے۔

کذا فی شرح العضد للجلال الدوانی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد بیان فرمایا ہے کہ کفار کو عالم دنیا میں عذاب میں مبتلا کرنے کے علاوہ آخرت میں انہیں بہت سخت اور دائمی عذاب ہوگا۔ چنانچہ آخرت کی ایک معمولی کیفیت یوں بیان فرمائی۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ یعنی کفار کے عذاب کا ایک دن کا كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ تمہارے دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔

ف: یوم (دن) کی ساعات کے چند مراتب ہیں۔ اس کے ادنیٰ مرتبہ کو آن کہا جاتا ہے۔ اور آن ہر وہ گھڑی جس پہ زمان کا اطلاق ہو سکے۔ اسی سے ہی آگے کے مراتب بڑھتے ہیں (مثلاً سیکنڈ، منٹ، گھنٹہ، پہر وغیرہ) اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا:

کل یوم ھو فی شان۔

اسے یوں سمجھئے کہ شانِ الٰہی ادوارِ زمان میں بمنزلہ روح کے ہے کہ اسی سے ہی ادوارِ زمان گردش کر رہے ہیں اور شانِ الٰہی کی کیفیت ادوارِ زمان میں ایسے ہے جیسے روح جسم کے ذرّے ذرّے میں جاری و ساری ہے اور قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور آخرت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا۔

ف: یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور آپ کے ان ساتھیوں کو جو آپ پر ایمان لائے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار عذاب چاہتے کیوں ہیں جبکہ ان کے عذاب کے ایام میں سے صرف ایک یوم کی درازی ایک ہزار سال کی ہے۔

ف: وہ درازی یا تو حقیقۃً ہوگی یا اس کی شدۃ اور سختی کی وجہ سے انہیں دراز کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ سختی اور شدۃ کے ایام طویل محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ اہلِ عرب کے ہاں مقولہ مشہور ہے۔

لیل الفراق طویل وایام الوصل قصار۔

یعنی فراق کی راتیں لمبی اور وصال کے دن چھوٹے ہوتے ہیں۔

نیز وہ فرماتے ہیں :

سنة الوصل سنة و سنة الهجر سنة۔

یعنی وصال کی گھڑیاں آنکھ جھپکنے سے پہلے گزر جاتی ہیں اور ہجر و فراق کی ایک گھڑی سال کے برابر محسوس ہوتی ہے ؎

ویوم لا اراك كالف سنة
وشهر لا اراك كالف عام

ترجمہ : تیرا ایک دن کا فراق ہزار برس معلوم ہوتا ہے اور ایک مہینہ کا فراق تو ہمارے لیے تو ہزاروں برس کے برابر ہے ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

آندم کہ با تو باشم یک سالہ ہست روزے
و آندم کہ بے تو باشم یک لحظہ ہست سالے

ترجمہ : جب تیرا وصال نصیب ہوتا ہے تو ایک سال ایک دن کی طرح گزر جاتا ہے اور جب تیرے فراق میں ہوتا ہوں تو میرا ایک لحظہ سال کا ہوجاتا ہے ۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ وان یوما الخ کا تعلق ولن یخلف الخ سے ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وعدۂ الٰہی لازماً پورا ہو کر رہے گا اگرچہ اس کے ایفاء میں دیر نہیں ہونی چاہیے ۔ لیکن چونکہ وہ حلیم وصبور ہے اس لیے کفار کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کا ایک دن ہزار برس کا ہے اس لیے اسے حلم و وقار کی وجہ سے کافروں کے عذاب میں دیر لگتی ہے ۔

ف : مدت کی طوالت اور کمی صرف مخاطبین کی وجہ سے ہے ورنہ اس کے ہاں مدت کی کمی بیشی برابر ہے ۔ ہزار برس اور ایک دن اس کے لیے الآن کما کان کے حکم میں داخل ہے کیونکہ زمانہ کی کثرت وقلت اور درازی و کمی اس کے لیے نہ مفید ہے نہ نقصان دہ، اس لیے کہ وہاں نہ صبح ہے نہ مساء (نہ دن اور نہ رات)۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزار سال اور ایک دن برابر ہے کیونکہ اس پر زمانے کا اجراء نہیں ہوتا۔ اس کے کثرت وقلت اور وجود و عدم برابر ہیں ۔ بنا بریں جب وہ چاہے کسی کو عذاب دے زود یا بدیر۔ اور اجرائے حکم میں جلدی اور دیر حائل نہیں ؎

تا در نرسد وعدۂ ہر کار کہ ہست
ہر چند کنی جہد بجائے نرسد

ترجمہ : جب تک وعدۂ حق کے مطابق کام کا وقت نہ آئے تمہاری جدوجہد اس کے حصول کے لیے کارگر نہ ہوگی۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ وعدۂ الٰہی لازماً ایفا ہوگا۔ ہاں اس کے مہلت دینے سے مغرور نہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی گرفت شدید ہے۔ اس کے عذاب کو برداشت کرنے کی کس کو طاقت ہے! بلکہ بندے پر لازم ہے کہ وہ اس کی رضا کے حصول کے لیے جدوجہد کرے۔ یعنی اس کے اوامر پر عمل کرے اور نواہی سے اجتناب۔ اور اس پر لازم ہے کہ نہ دین سے استہزا کرے اور نہ اہلِ دین سے۔ احکامِ الٰہی اور اس کے وعدہ وعید کو ہر وقت مدِ نظر رکھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اقوال میں سچا اور اپنے افعال میں حکیم ہے۔ بندے پر واجب ہے کہ اس کے اوامر ونواہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اور بہت سے علاقہ کے لوگوں کو اَمْلَيْتُ لَهَا عذاب موخر کرکے مہلت دی، جیسے کفارِ مکہ کو مہلت دے رکھی ہے وَهِيَ ظَالِمَةٌ حالانکہ وہ لوگ ظالم تھے اور عذاب کے مستحق تھے۔ ان کے لیے تو یہ چاہیے تھا کہ انہیں فوراً تباہ کر دیا جاتا، جیسے انہی مکہ والوں کا حال ہے ثُمَّ اَخَذْتُهَا بہت بڑی مدّت کے بعد میں نے ان کی گرفت کی، وہ اس وقت جب انہوں نے معاصی وجرائم سے توبہ نہ کی۔ وَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ اور میرے حکم کے مطابق تمام بنی آدم وغیرہ کو لوٹنا ہے، کسی دوسرے کے ہاں ان کی حاضری نہیں ہوگی اب انہیں مہلت دی جا رہی ہے کہ وہ جو جی چاہے کریں۔

ف : آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا مہلت دینا بھی حکمت ہے۔ وہ اپنی مرضی سے مہلت دیتا ہے اسے کوئی مجبور نہیں کرتا۔ ظالم کو مہلت دیتا ہے اور ظلم کرنے کے لیے اس کی رسّی دراز کرتا ہے۔ اس سے ظالم یہ سمجھتا ہے کہ اس کا فعل اچھا ہے۔ یہ محض اس کا گمان ہوتا ہے ورنہ جب اللہ تعالیٰ گرفت کرتا ہے تو نہ دیر لگاتا ہے اور نہ ظالم کو اس کی خبر دیتا ہے۔ جب ظالم کی گرفت ہوتی ہے تو اس وقت اسے ندامت ہوتی ہے۔ لیکن اس سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی حیلہ اور سبب سے اسے عذابِ الٰہی سے نجات مل سکتی ہے کیونکہ تدبیر کو تقدیر فنا کر دیتی ہے اور سب کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے لیکن ظالم کی بدقسمتی کہ اسے ظلم کی شامت نے گرفتار کرکے بارگاہِ حق میں پہنچایا۔ اب گرفت پر اسے چیخنا چلانا بے سُود ہے بلکہ اسے اس گرفت پر اپنے آپ کو ملامت کرنی چاہیے نہ وہ ظلم کرتا نہ اسے گرفت ہوتی۔ حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

تو بتقصیر خود افتادی ازیں در محروم
از کہ می نالی و فریاد چرا می داری

ترجمہ : تو اپنی کوتاہی سے اس دروازہ سے خود محروم ہوا ہے پھر روتا کیوں ہے اور فریاد کیوں کرتا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي
الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ
بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ۝ ع

ترجمہ : فرمایئے کہ اے لوگو ! میں تو صرف تمہارے لیے کھلا ڈر سنانے والا ہوں تو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے اور وہ جو ہماری آیات کے متعلق ہار جیت کے ارادہ سے کوشش کرتے رہتے ہیں یہی لوگ دوزخی ہیں اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر یہ قصہ پیش آیا کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر اپنی طرف سے ملا دیا تو اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے تاکہ شیطان کے ڈالے ہوئے کو فتنہ کر دے ان کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور بیشک ظالم بہت بڑی مخالفت میں ہیں اور تاکہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے وہ امر جو تمہارے پروردگار سے حق ہے تو اس پر ایمان لائیں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جائیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سیدھی راہ پر چلانے والا ہے اور کافر ہمیشہ سے شک میں ہیں یہاں تک کہ ان پر اچانک قیامت آجائے یا ان پر کسی بے برکت دن کا عذاب آپہنچے - اس روز بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہی ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ نعمت والے باغات میں ہیں اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے -

تفسیر عالمانہ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ فرمائیے اے لوگو! بیشک میں تمہارے لیے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں یعنی میرے ہاں رب تعالیٰ سے جو وحی اُتری ہے اس میں امم سابقہ کے حالات ہیں تمہیں اسی وحی کے حکم سے ڈراتا ہوں اس میں میرا ذاتی طور پر کسی قسم کا دخل نہیں اور نہ ہی میں تمہارے مطالبے پر جلد تر عذاب لاسکتا ہوں۔

سوال : یہاں انذار پر اکتفا کیوں، حالاں کہ اس کے بعد دونوں فریقوں یعنی مسلم وکا فر کا ذکر ہے۔

جواب : اس کلام کا حقیقی روئے سخن مشرکین میں صرف اُنھیں کو عذاب کی خبر سنانا مطلوب ہے۔ پھر اہلِ اسلام اور ان کی نعمتوں کا بیان آیا ہے تو اس میں کافروں پر غیظ وغضب اور ان کے دُکھ درد میں اضافہ مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انذار اہل نسیان کو ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کو فرمائیے کہ ظاہر صورت میں مَیں تمہارے جیسا ہُوں لیکن سیرت کے اعتبار سے نہیں۔ میں نیکی والوں کا بشیر (خوشخبری سنانے والا) اور بُرائی والوں کا نذیر (ڈر سنانے والا) ہُوں۔ میں براہینِ ایزدی سے تائید دیا گیا ہُوں اور تمہیں طاعت واحسان کے لیے امر اور فجور وعصیان سے بچنے کا حکم فرماتا ہُوں۔

تفسیر عالمانہ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ پس وہ جو مومن اور نیک عمل والے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے یعنی ان کے گناہوں سے تجاوز کیا جائے گا وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ اور رزق کریم یعنی جنۃ النعیم نصیب ہو گی۔ یا رنج ومنت کے بغیر انہیں رزق نصیب ہو گا۔

ف : الکریم وہ ہے جو ہر طرح کے فضائل کا جامع ہو۔

وَالَّذِیْنَ سَعَوْا اور وہ لوگ جنہوں نے عجلت کے ساتھ جدوجہد کی فِیْۤ اٰیٰتِنَا ہماری آیات میں۔ یعنی ان کے رد اور باطل کرنے اور ان پر طعن وتشنیع کرنے اور انہیں جادو وشعر ودیگر افترآت کی طرف منسوب کرنے میں۔ مُعٰجِزِیْنَ درانحالیکہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا مقابلہ کرتے اور ایسے عوارض کھڑے کرتے کہ کسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سنانے میں عاجز ہو جائیں یا ان کا گمان تھا کہ اللہ عاجز ہے اور ہم پر کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتا یا وہ ہمارے ساتھ معاندت رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم پر سبقت کر جائیں گے۔ یہ عاجز فلان فلانا سے ہے بمعنے سابقہ۔ جیسے عجزہ بمعنے سبقہ۔ حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ درانحالیکہ وہ اپنے کمال کو ہم پر آگے لانے والے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے عذاب سے بچ جائیں گے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ وہی دوزخی ہیں۔ یعنی جلتی ہُوئی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جحیم دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

ہر کہ بر شمع خدا آرد تفو

شمع کے میرد لبسوزد لوزاو

۲   کے شود دریا زپوز سگ نجس

کے شود خورشید از پف منطمس

ترجمہ : ۱۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی شمع پر تھوک پھینکتا ہے اس سے شمع تو نہیں بجھے گی بلکہ اس کی اپنی داڑھی جل جائے گی۔

۲۔ کتے کی تھوک سے دریا پلید نہیں ہوگا اور نہ ہی سورج پھونک مارنے سے بے نور ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو بھی اہلِ آیات اولیاء اللہ سے عناد رکھتا ہے وہ دوزخی ہے یعنی جو شخص بھی اللہ والوں کی ولایت کو رد کرتا اور ان سے بغض رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جاتا ہے اور جحیم آخرت کی نارِ جہنم کو کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا دل انکار از اولیاءؒ سے پھیر دیتا ہے اور اسے توبہ و استغفار کی توفیق بخشتا ہے۔

حکایت وکرامت بشر حافی حکایت مشہور ہے کہ ایک شخص صوفیہ کرام سے بغض و عداوت رکھتا تھا اور وہ خود کہتا ہے کہ اسی بغض و عداوت میں میں نے ایک دن بشر حافی قدس سرہٗ کو دیکھا کہ وہ نمازِ جمعہ کے لیے تشریف لائے۔ بعد فراغت بازار سے روٹی، بھنا ہوا گوشت اور حلوا خرید کر بغداد سے باہر نکل گئے میری بدگمانی اور بڑھ گئی اور خیال آیا کہ جب یہ زاہد ہے تو پھر اسے ایسی لذیذ اشیاء کی کیا ضرورت! میں ان کے پیچھے ہو لیا تاکہ دیکھوں کہ وہ ان اشیائے خوردنی کو کیا کرتے ہیں میرا غالب گمان یہی تھا کہ جنگل میں اوجھل ہو کر خود کھائیں گے لیکن وہ ان اشیاء کو اٹھائے عصر تک چلتے رہے بالآخر ایک مسجد میں گھس گئے میں بھی ان کے پیچھے تھا۔ جب میں مسجد میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک بیمار پڑا ہے اور وہ لذیذ اشیاء اس کے سامنے پڑی ہیں اور وہ کھا رہا ہے۔ میں اس کے بعد مسجد سے باہر نکلا تاکہ دیکھوں کہ بشر حافی کہاں چلے گئے۔ میں نے مریض سے بشر حافی کا پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ وہ تو واپس بغداد چلے گئے ہیں۔ میں نے پوچھا یہاں سے بغداد کا کتنا فاصلہ ہے؟ مریض نے کہا: چالیس فرسخ (یعنی ایک سو بیس میل)۔ میں نے اتنا فاصلہ سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ میرے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ میں کرایہ کی سواری سے بغداد پہنچ سکتا۔ پیدل چل کر بھی اتنی مسافت طے کرنا میرے بس میں نہ تھا۔ آئندہ جمعہ تک مجھے انتظار کرنا پڑا۔ حسبِ دستور حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے اور مریض کے لیے اشیاءِ خوردنی بھی لائے۔ مریض نے کہا: اے ابو نصر (بشر حافی قدس سرہٗ کی کنیت ہے) اس شخص کو اس کے گھر پہنچا دیجیے۔ انہوں نے غضبناک آنکھوں سے میری طرف دیکھا، فرمایا: میرے ساتھ کیوں چل پڑا تھا؟ میں نے عرض کی: خطا ہو گئی معاف فرما دیجئے۔ مجھے گھر پہنچا کر فرمایا کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔ میں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنے گھر کا اثاثہ اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور اولیاء کرام کی صحبت و خدمت میں رہنے لگا۔

ف : حکایت مذکورہ بالا سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:

(۱) کرامات الاولیاء حق

(۲) جہاں عقل کی دال نہ گلے وہاں ایسے امور میں عقل کو دخیل بنانا اور انکار کرنا جہالت ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی وارثِ کامل کی طرف رجوع کرنے سے قبولیتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کلیدِ گنجِ سعادت قبول اہلِ دلست
مبادا کس کہ درین نکتہ شک و ریب کند

ترجمہ: سعادت کے خزانے کی چابی اللہ والوں کے ہاں قبول ہونے میں ہے خدا کرے ایسے معاملہ میں کوئی بھی شک وشبہ نہ کرے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اہلِ ارشاد سے استمداد حصولِ مقصد کے لیے اگرچہ ایک اچھا عمل ہے ان کے ساتھ تو محض حسنِ اعتقاد ہی بہت سی مشکلات کو آسان بنا دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔ وہی مفتح الابواب اور ہادی الیٰ سبیل الصواب ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ عارفین کاملین سے انکار قلّتِ فہم اور فقدانِ عقل ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے علوم مبنی بر کشف وعیان ہیں اور ان کے غیروں کے علوم خواطر فکریہ واذہان کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اللہ والوں کا ابتدائی طریقہ تقویٰ وعمل صالح ہوتا ہے اور ان کے غیروں کا ابتدائی طریقہ مطالعۂ کتب واستمداد از مخلوق پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والوں کے علوم کا انتہا حضرت حق وقیوم کے شہود تک واصل ہونا ہے اور ان کے غیروں کے علوم کی نہایت اور غرض وغایت تحصیل الوظائف والمناصب' اور وہ دنیوی مطالب جن کو دوام نہیں۔ اس سے ثابت ہُوا کہ بہتر طریقہ وہی ہے جو ائمہ واولیاء وصلحاء کا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اور آپ سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول بھیجا نہ نبی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور نبی میں فرق ہے۔ رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ تبلیغِ رسالت کے لیے اور ان مصالح دارین کے بیان کے لیے مخلوق کی طرف بھیجے جن سے عقول قاصر ہوں۔ اس میں کبھی کتاب کی شرط لگائی جاتی ہے۔ اور نبی اعم ہے اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے ہوتی ہے جبکہ آپ سے پُوچھا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کتنے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ پھر سوال ہوا کہ ان میں رسل کرام کتنے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ۔

ف: ایک روایت میں انبیاء علیہم السلام کی گنتی دو لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ قہستانی نے فرمایا کہ رسول وُہ ہے جو تبلیغِ احکام کے لیے مبعوث ہو وہ انسان ہو یا فرشتہ۔ اور نبی صرف انسانوں سے مخصوص ہے۔

ف : کاشفی مرحوم نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ بعض تفاسیر میں قصۂ القاء الشیطان وامنیۃ پیغمبر کو ایسے طریقہ سے بیان کیا گیا ہے جو اہلِ تحقیق کو بالکل ناپسند ہے۔ تاویلات علم الہدیٰ و تیسیر و دیگر کتب معتبرہ جیسے معتمد فی المعتقد وزروۃ الاحباب مصنف کو تاقیامت انوار جمال سے اللہ تعالیٰ نوازے۔ ہم اس طریق سے نقل کرتے ہیں جو اہل سنت کے مذہب کے موافق ہے۔

القاء الشیطان کی توجیہ

مروی ہے کہ جب سورۂ والنجم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو حضور سرورِ عالم علیہ وسلم انہیں مسجدِ حرام میں مجمع قریش کے سامنے تلاوت فرمایا ہر آیت پر وقفہ کے ساتھ۔ تاکہ سامعین سن کر اس پر غور و فکر کریں اور یاد بھی کر سکیں۔ چنانچہ آپ نے افرئیتم اللات والعزّی ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ پر توقف فرمایا تو شیطان نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یوں پڑھا تلك الغرانیق العلی وعن شفاعتهن لترتجیٰ۔ یعنی یہ بُت بہت بڑے بلند قدر یا وہ ایسے پرندے ہیں جن کی پرواز بلند ہے اور ان کی شفاعت کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ کفّار و مشرکین نے سُنا تو بہت شاداں و فرحاں ہُوئے اور ان کا گمان تھا کہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئے ہیں اور انہوں نے شکر کیا کہ آج آپ نے بتوں کی تعریف کر ہی ڈالی۔ آخر سورۃ مذکورہ (والنجم) پر جب آپ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سجدہ کیا تو کفار و مشرکین بھی شکرانہ کے طور پر سجدہ ریز ہوئے۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صورتِ حال سے آگاہ فرمایا۔ حضور اکرم کو اس سے سخت غم لاحق ہوا اور بہت پریشان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلّی دیتے ہوئے یہی آیت نازل فرمائی کہ وما ارسلنا من رسول الخ۔

اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰۤی مگر جب وہ پڑھتے تھے۔

حلِ لغات

القاموس میں تمنی الکتاب بمعنے قرأہ ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: التمنی بمعنے تقدیر شیئ فی النفس وتصویرها کسی شے کو نفس میں مقدر اور مصور کرنا۔ الامنیۃ بمعنے وہ صورت جو نفس میں حاصل ہو۔ تمنی الشیئ سے ہے۔ قرآن مجید میں ہے ومنهم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی یعنی ان کی تلاوت معرفت سے خالی تھی کیونکہ جو تلاوت معرفتِ معنیٰ سے خالی ہو وہ پڑھنے والے کے لیے محض ایک خیال ہے جو ایک تخمینہ پر مبنی ہے۔

اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِهٖ جو شیطان اس کی قرأت میں ڈالتا ہے۔ جیسا کہ امام راغب وغیرہ نے تفسیر کی ہے۔ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ تلاوت کے وقت شیطان جو چاہتا ہے کرتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے وقت کیا تھا کہ ابیض نامی شیطان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز کے مشابہ آواز بنا کر مذکورہ بالا الفاظ پڑھ دیئے جنہیں کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سمجھا تھا فَیَنْسَخُ اللّٰهُ تو اللہ تعالیٰ مٹاتا اور زائل کرتا ہے یہاں پہ نسخ سے شرعی معنیٰ مراد نہیں بلکہ لغوی معنیٰ مراد ہے کیونکہ شرعی معنیٰ احکام شرعیہ میں استعمال ہوتا ہے۔

مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ وہ کفریہ کلمات جو شیطان ڈالتا ہے ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ پھر ثابت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اٰيٰتِهٖ اپنی وہ آیات جو انبیاء علیہم السلام نے پڑھیں۔ یہاں تک کہ کسی کو ان کے مٹانے کی ہمت نہیں ہوتی وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ اپنی وحی اور شیطان کے القاء کو جانتا ہے حَكِيْمٌ ان میں جسے مضبوط رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے اس کے مضبوط رکھنے میں حکمت کا مالک ہے تاکہ متزلزل فی الایمان اور ثابت علی الایمان کا امتیاز ہو۔

سوال: اگر اس قسم کا القاء شیطانی تسلیم کیا جائے تو پھر احوال انبیاء علیہم السلام میں اشتباہ واقع ہوگا کہ سننے والے کو کیا معلوم کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی تلاوت حقیقی ہے یا شیطانی القا ہے۔

جواب: (۱) مخلص مومن خود اس میں امتیاز کرلیں گے کیونکہ القائے شیطانی مبنی بر بطلان ہوگا جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ میں شیطان نے اصنام کی تعریف میں بکواس کی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے فوراً سمجھ لیا کہ بتوں کی ایسی تعریف نبوت سے محال ہے۔

(۲) بفرض تسلیم نسخ واحکام و ایقاف کا قانون اسی لیے وضع کیا گیا ہے کہ ناقابل امر بعد کو منسوخ ہوجاتا ہے اگرچہ چند لمحات کے بعد۔ یوں اشتباہ کی جڑ کٹ جائے گی۔

(۳) دراصل اس قسم کا القائے شیطانی اہل ایمان کے لیے بمنزلہ امتحان کے ہوتا ہے جس سے کامیابی کے لیے تمام نقاب اُٹھ جاتے ہیں اور تردد کے بعد راہِ صواب نصیب ہوجاتی ہے۔

لِيَجْعَلَ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو القاء کی قدرت صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی نہیں دی بلکہ تمام انبیا علیہم السلام کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے۔ محض اس لیے تاکہ بنائے مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً شیطانی القاء کو آزمائش اور امتحان لِّلَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض یعنی شک اور منافقت ہے اس لیے کہ قلبی مرض روحانی ہلاکت وتباہی کا موجب بنتی ہے جیسے ظاہر قلب کی بیماری موت کا سبب بن جاتی ہے وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اور وہ قلوب جو سخت ہیں یعنی مشرکین۔

حلِ لغات: القسوۃ بمعنے قلب کا سخت ہونا۔ یہ حجر قاس سے لیا گیا ہے المقاساۃ بمعنے المعالجۃ۔ کاشفی مرحوم نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ منافق ومشرک القائے شیطانی سے شک اور خلاف میں مبتلا ہوتا ہے۔

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ اور بیشک ظالمین یعنی منافقین ومشرکین۔ اسم ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لانا ان کے ظلم پر مہر ثبت کرنا ہے لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ البتہ وہ ایسے خلاف میں ہیں جو حق سے کوسوں دُور ہے یعنی وہ عداوتِ شدیدہ ومخالفتِ تامہ میں ہیں۔

نکتہ: شقاق کو بُعد سے موصوف کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے ورنہ درحقیقت بُعد اس کی صفت ہونی چاہیے۔ جیسے شقاق عارض ہوا۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اور تاکہ علم والوں کو معلوم ہو اَنَّهُ بے شک قرآن۔ جلالین میں ہے انہ کی ضمیر کا مرجع قرآن مجید کی آیات محکمہ ہیں اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ تیرے رب تعالیٰ سے حق ہیں جو اسی سے نازل ہوئی ہیں

ان میں شیطان کو تصرف کی کیا مجال۔ حق الامر ہے بمعنے ثبت و وجب۔ فَيُؤْمِنُوا بِهٖ پس اس پر ایمان لائیں اور اس پر ثابت قدم رہیں۔ یا القائے شیطانی کو رد کرکے ایمان میں بڑھ جائیں گے۔ اس کا عطف لیعلم الخ پر ہے فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ تو ان کے دل متخاشع و متواضع ہوں گے۔ اخبات کا معنیٰ اسی سورۃ میں گزرا ہے۔ کاشفی مرحوم نے لکھا ہے تو نرم ہوں ان کے دل قرآن کے لیے، اور اس کے احکام قبول کریں وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور بے شک اللہ تعالےٰ ایمان والوں کو ہدایت دیتا ہے امورِ دینیہ میں، بالخصوص مشکلات اور پیچیدہ امور میں۔ جیسا کہ واقعہ مذکورہ میں ہوا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سیدھے راستے کی طرف۔ یعنی ایسی بصارت صحیح بخشتا ہے جو حق صریح کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن مخلص کو فتنہ و بلا سے آزماتا ہے۔ اور اسے ایسا حسنِ بصیرت عطا فرماتا ہے جس سے وہ حق و باطل کا امتیاز کرتا ہے جسے نہ تو شک کے بادل چھپا سکتے ہیں نہ کوئی اور شے۔ بلکہ اس کے قلب سے غفلت کے پردے ہٹ جاتے ہیں پھر اس پر کسی فتنے کا دھواں اثر انداز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کوئی آزمائش اس کے آڑے آسکتی ہے۔ صبح کی گرد سورج کی شعاع اور چمک کو نہیں ڈھانپ سکتی جب وہ اپنی تابانی میں ہوتا ہے۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی کی تائید و توفیق سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ انسان کی تدبیر کو اس میں کسی قسم کا دخل نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ اس کے نفس کے سپرد کردے اور اسے اس کی طبع سے رسوا کرے تو اس سے نہ شک زائل ہو سکتا ہے نہ وہ کفر کے گڑھے سے نکل سکتا ہے بلکہ وہ دائمی گمراہی کے دلدل میں پھنس جاتا ہے اگرچہ اس کے لیے نیک لوگ بھی کوشش کریں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ آنرا کہ زمین کشد کہ درون چوں قارون

نے موسیش آورد برون نے ہارون

۲ فاسد شدہ راز روزگار وارون

لا یمکن ان یصلحہ العطارون

ترجمہ: ۱۔ جسے وہ قارون کی طرح زمین میں دھنسائے اسے نہ موسیٰ علیہ السلام باہر نکال سکتے ہیں نہ ہارون علیہ السلام۔

۲۔ وہ تیل جو بدبودار ہو جائے اسے عطار درست نہیں کرتے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

توان پاک کردن ز زنگ آئینہ

ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ: شیشے سے زنگ کو صاف کیا جا سکتا ہے لیکن پتھر سے شیشہ نہیں بنایا جا سکتا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ قرآن مبین کے تمام احکام کو ماننے اور نفسِ امّارہ کی اصلاح میں جدّوجہد کرے یہاں تک کہ یقین کرے کیونکہ نفس جادوگر، مکار، حیلہ گر اور غدّار ہے۔

حضرت شیخ مغربی رحمہ اللہ نے فرمایا :ے

ملک بود کہ افتاد در چہ بابل

چہ سحرہاست دریں قعر چاہ بابل ما

ترجمہ : وہ فرشتہ تھا جو بابل کے کنوئیں میں گر پڑا، لیکن ہمارے کنوئیں میں ہزاروں جادو پوشیدہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اور کافر ہمیشہ قرآن میں شک کرتے ہیں اور اس کے ساتھ جدال کرتے رہتے ہیں۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا : المریہ بمعنے کسی معاملہ میں متردّد ہونا۔ اور یہ شک سے اخص ہے۔

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ یہاں تک کہ ان کے ہاں قیامت آئے گی۔ اور قیامت کو ساعۃ کہنے کی وجہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں بَغْتَةً اچانک۔ یعنی ان کے ہاں ان پر غفلت کے وقت آئے گی اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ یا ان کے ہاں عقیم کے دن عذاب آئے گا۔

حلِ لغات العقیم وہ خشکی جو قبول اثر سے مانع ہو۔ العقیم وہ عورت جو شوہر کے پانی (نطفے) کو قبول نہ کرے۔ یعنی بانجھ۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ یوم جس کے بعد اور یوم نہیں۔ گویا ہر یوم اپنے بعد والے یوم کو جنتا ہے۔ لیکن قیامت کا دن ایسا یوم ہے کہ اپنے بعد کسی کو نہ جنے گا۔ اس معنی پر وہ عقیم ہے۔ اس سے قیامت مراد ہے جیسا کہ ما بعد کا مضمون بتاتا ہے مثلاً فرمایا : الملك فيه بالله والحكم بين الفريقين - یہاں پر ضمیر کے بجائے اسم ظاہر کی وضع عذاب کو دردناک ظاہر کرنا مطلوب ہے (کذا فی الارشاد)۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق فقیر (اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ قرآن مجید میں اخروی عذاب دنیوی عذاب کے ساتھ متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا :

افأمنوا ان تأتیهم غاشیة من عذاب الله او تاتیهم الساعة بغتة۔

اور فرمایا :

حتّٰی اذا رأو ما یوعدون اما العذاب و اما الساعة۔

اس تقریر پر یوم عقیم وہ دن ہوگا جس میں کسی قسم کی بھلائی نہ ہو۔ نہ اس کے عذاب سے نجات نصیب ہو نہ راحت و فرحت حاصل ہو۔ جیسے بدر کے دن وغیرہ۔ اور چونکہ موت دنیوی ازمنہ کا آخری اور آخرت کا پہلا زمانہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے

اس میں صرف اپنا تصرف ثابت فرمایا ہے اور فریقین کے فیصلے کا دن بھی اسی کو مقرر فرمایا ہے اسی معنے پر موت کا زمانہ آخرت کے زمانے سے متصل ہوگا۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ جب ان کے ہاں قیامت یا عذاب آئے گا تو غلبے والی شاہی اور استیلاءِ تام اور علی الاطلاق تصرف لِلّٰهِ اللہ واحد لاشریک کے لیے ہوگا اس میں کسی کی شرکت نہ ہوگی نہ مجازاً نہ حقیقۃً۔ یعنی آج دنیا میں تو بادشہ اپنی شاہی اور ملک کا دم بھرتے ہیں لیکن قیامت میں ان کی کمر ٹوٹ جائے گی اور تاجِ خسروانہ ملیا میٹ ہوجائے گا اور تمام دعاوی خاک میں مل جائیں گے۔ ان کی تمام خیالی شاہی دریا برد ہو جائے گی اور لمن الملك اليوم کے اعلان سے ان کی آوازیں مٹ جائیں گی۔ اس وقت وہ عجز و نیاز کے سوا کچھ ظاہر نہ کرسکیں گے ؎

آں سر کہ صیت افسرش از چرخ درگذشت
روزے بر آستانۂ او خاک در شود

ترجمہ: وہ سر کہ جس کے تاج کی آواز آسمان سے بھی گزر جائے ایک دن اس کے آستانہ پر مٹی ہوگی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہمہ تخت و ملکے پذیرد زوال
بجز ملک فرمان دہ لایزال

ترجمہ: تمام تخت اور ملک زوال پذیر ہیں سوائے لایزال مالک کے ملک کے۔

ف: ابن عطا نے فرمایا کہ ہر وقت اور ہر حال میں ملک اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ لیکن عوام اس سے غافل ہیں۔ ہاں قیامت میں قہاریت وجباریت کا غلبہ ہوگا اس وقت کھل کر سامنے آجائے گا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا ملک نہیں۔ نہ ہی کسی منکر کو انکار کی گنجائش ہوگی۔

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو کیا کرے گا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کے مابین فیصلہ فرمائے گا اہل ایمان کو نیک جزا اور کفار کو سزا دے گا۔

ربط: مذکورہ بالا حکم کی تفسیر وتفصیل فرمائی کہ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور قرآن کے متعلق کوئی جھگڑا نہ کیا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور اس کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرکے نیک عمل کیے فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ نعمت والے باغات میں ٹھہریں گے۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ ناز ونعمت کے باغات میں بغیر رنج ومحن کے ہوں گے۔ امام راغب نے لکھا کہ النعیم بمعنے نعمت کثیرہ۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور وہ لوگ کافر ہیں اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور اس پر

مرتے دم تک ڈٹے رہتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ یہ مبتدا ہے اس کی خبر لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ہے۔ یہ لوگ خوار و رسوا کنندہ عذاب میں ہوں گے۔

حضرت سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مُهِين وہ عذاب جو بالکلیہ ان کی جملہ شان و شوکت کو ملیا میٹ کر کے انہیں ایسی ذلت و خواری میں ڈال دے جو بیان سے باہر ہو۔

ف : الارشاد میں فرمایا گیا مهین عذاب کی صفت مؤکدہ ہے اور اس کی تنوین اس کی فخامۃ پر دلالت کرتی ہے اور خبر اول کے بجائے خبر ثانی پر فاؔ کے دخول سے تنبیہ ہے کہ اہلِ ایمان کا یہ ثواب اس کا فضل محض ہے۔ یہ ان کے اعمال صالحہ کا نتیجہ نہیں البتہ کفار کے اعمال سیئہ کی سزا عذاب کی صورت میں ہو گی۔

سبق : فیصلہ اور حکومت عادلہ لازماً ہو گی اگرچہ کفار قرآن و احادیث کے ایسے مضامین کو نہ مانیں۔ ان کے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لقمان حکیم کی حکیمانہ باتیں مروی ہے کہ لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے کو مندرجہ ذیل حکمتیں بتائیں:

۱۔ اے عزیز! اگر تجھے موت کا شک ہے تو نیند کو نہ آنے دے (جیسے نیند سے انسان مغلوب ہو جاتا ہے ویسے ہی موت سے)۔

۲۔ اگر تو مرنے کے بعد قیامت کو اٹھنے کا منکر ہے تو نیند میں جاگنے کو روکے رکھ۔

جب تم ان باتوں پر غور کرو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ تمہارا ہاتھ کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ نیند بمنزلہ موت کے اور اس سے بیدار ہونا مرنے کے بعد قیامت کو جی اٹھنے کے مترادف ہے۔ جب کسی کو اپنے مولیٰ کی ایسی قدرتوں کا یقین ہو جائے تو وہ کبھی اس کی نافرمانی نہ کرے گا بلکہ اس کی فرمانبرداری سے دائمی عزّت و عظمت پائے گا۔ یعنی اخروی عزّت کہ جس کے مقابلہ میں دنیوی عزّت ہیچ ہے۔

لطیفہ مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جاہ و جلال دیکھ کر کسی نے کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کیسی عزت و عظمت بخشی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی صرف ایک بار تسبیح بیان کرنا سلیمان اور اس کے جملہ بخت و تخت سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ سلیمان اور اس کے جملہ تخت و بخت کو فنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تسبیح کو بقا ہے۔

سبق : جب ایک بار تسبیح کی یہ فضیلت ہے تو تلاوتِ قرآن مجید کی کیا شان ہو گی، جبکہ قرآن مجید افضل الکتب ہے۔

مسئلہ : حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فتوحاتِ مکیہ میں لکھا ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ قرآن مجید کو جہر سے پڑھے اور آیت پر نظر اور اسی آیت پر انگلی رکھ کر تلاوت کرے اس لیے کہ زبان کے جہر کا علیحدہ، آنکھ سے دیکھنے کا علیحدہ اور انگلی سے اسے مس کرنے کا علیحدہ ثواب ہو گا۔ ہمارے تین مشایخ ایسے ہی تلاوت کرتے تھے ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مجاہد ہیں۔ **سبق** : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اذکار اور تلاوتِ قرآن سے جنان کے اعلیٰ درجات پر پہنچنے کی کوشش کرے۔

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّھُمُ اللّٰہُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ
لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝ لَیُدْخِلَنَّھُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَہٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ۝
ذٰلِکَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِہٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْہِ لَیَنْصُرَنَّہُ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ
غَفُوْرٌ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَاَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ
بَصِیْرٌ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ھُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰہَ
ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّۃً ؕ
اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۝ۚ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝ۧ

ترجمہ : اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مارے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو ضرور بہتر رزق عطا فرمائے گا اور بیشک اللہ کی روزی سب سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جگہ لے جائے گا جس کو وہ پسند کریں اور بیشک اللہ تعالیٰ علم والا حلم والا ہے بات یہ ہے اور جو بدلہ لے جیسی تکلیف پہنچائی گئی تھی پھر اس شخص پر زیادتی کی جائے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والا بخشنے والا ہے یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو لاتا ہے رات میں، اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور بے شک جس ماسوا کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہے اور بے شک اللہ ہی بلندی والا بڑائی والا ہے کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہو گئی بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑا مہربان خبردار ہے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز اور ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی یعنی ترکِ وطن کیا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں یعنی وہ جہاد جو اس کی جنت و رضا تک پہنچاتا ہے جیسا کہ قولِ باری تعالیٰ سے واضح ہوتا ہے۔ ثُمَّ قُتِلُوْا پھر وہ دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں جہاد کے دوران شہید ہوئے۔ القتل بمعنے ازالۂ روح از جسد۔

قتل و موت کا فرق

اگر ازالۂ روح کسی بندے کے سبب سے ہو تو اسے قتل سے تعبیر کرتے ہیں اگر واسطہ نہ ہو تو اسے موت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اَوْ مَاتُوْا یا مرگئے یعنی ہجرت کے درمیان موت وارد ہوگئی یعنی انہوں نے شربتِ شہادت نوش نہیں فرمایا ، لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا انھیں اللہ تعالیٰ رزق حسن سے نوازے گا ۔ اس سے جنت کی غیر منقطع نعمتیں مراد ہیں ۔

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ انھیں نیک روزی عطا فرمائے گا اور نیک روزی بہشت کی نعمتیں ہو سکتی ہے جن کو حاصل کرنے میں نہ کوئی تکلیف اٹھانی پڑے گی نہ ان کے کھانے سے کسی بیماری کا خدشہ ہوگا ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اور بے شک اللہ تعالیٰ بے حساب رزق بخشتا ہے ۔ وہ خیر الرازقین ہے اس جیسا بے حساب روزی رساں اور کوئی نہیں ہے ۔

رزق کسے کہتے ہیں وہ عطا جو بلا انقطاع جاری رہے وہ دنیوی ہو یا اُخروی ۔

ربط : رزق کے بعد ان کے مسکن کو بیان فرمایا ۔

چنانچہ فرمایا : لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا مدخل اسم مکان ہے ۔ اس سے بہشت مراد ہے ۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بہشت میں داخل فرمائے گا يَرْضَوْنَهٗ جس سے وہ راضی ہوں گے اس لیے کہ وہ ایسا مکان ہے کہ اس جیسا نہ انھوں نے دیکھا نہ ان کے کانوں نے سُنا ، نہ کسی کے دل میں اس جیسا تصور آ سکتا ہے وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کے تمام حالات جانتا ہے حَلِيْمٌ حلیم ہے کہ وہ باوجود قدرت رکھنے کے اپنے دشمنوں کی گرفت میں جلدی نہیں کرتا ۔

حکایت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک شخص کو گناہ کرتے دیکھ کر اس کی تباہی کے لیے بددعا کی تو وہ فوراً تباہ ہوگیا ۔ پھر دوسرے کے ارتکابِ گناہ پر بددعا کی وہ بھی مرگیا ۔ پھر تیسرے کے لیے ، پھر چوتھے کے لیے بددعا کی وہ بھی غرق ہوگیا ۔ باری تعالیٰ نے فرمایا : اے ابراہیم ! اگر ہم بھی ایسے ہی ہر مجرم گنہگار کو مارنے لگیں تو چند اشخاص ہی بچ سکیں گے ۔ لیکن ہمارا دستور ہے کہ جب ہم کسی بندے کو گنہ کا مرتکب دیکھتے ہیں تو پہلے ہم اسے مہلت دیتے ہیں اگر تائب ہو جاتا ہے تو ہم اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں اگر استغفار کرتا ہے تو اس سے عذاب مؤخر کر دیتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اس نے ہمارے ملک سے باہر تو کہیں جانا نہیں تو پھر اس پر عذاب میں جلدی کیوں !

شانِ نزول : حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ صحابہ کرام نے عرض کی : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! بعض ہمارے دوست (صحابہ) جہاد پہ جاتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں اور بعض طبعی موت مرتے ہیں ۔ شہیدوں کو تو بلند مراتب نصیب ہوتے ہیں کیا طبعی موت مرنے والوں کو بھی شہداء کی طرح مراتب ملیں گے ۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ۔

مسئلہ : جہاد پہ جانے والے خواہ شہید ہوں یا طبعی موت مریں ثواب سب کے لیے برابر ہے کیونکہ ان سب کا پروگرام ایک ہے یعنی تقرب الی اللہ اور نصرتِ دین وغیرہ ۔

نکتہ یہ مسئلہ بظاہر عقل کے خلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وُسعت کے تقاضا کے عین مطابق ہے۔ اس کی مثال شرع میں موجود ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحاتِ مکیہ میں لکھا کہ مؤذن اقامت کے وقت کہتا ہے قد قامت الصّلوٰۃ۔ اس میں صیغہ ماضی ہے حالانکہ نماز بعد میں ادا کی جائے گی جو صیغہ مستقبل سے متعلق ہے۔ اس طرح سے ہر نمازی کے لیے خوشخبری ہے جو نماز میں ابھی داخل بھی نہیں ہوا۔ تو جیسے یہ خوشخبری ہر طرح کے نمازیوں کے لیے ہے ایسے ہی مجاہدین فی سبیل اللہ بہشت کی نعمتوں میں برابر ہیں وہ شہید ہوئے ہوں یا طبعی موت مرے ہوں۔

ف : ہر طرح کے نمازیوں سے مراد یہ ہے کہ وہ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہوں یا ابھی تکبیر تحریمہ تک نہیں پہنچے لیکن مسجد کی طرف آرہے ہوں یا نماز کے لیے وضو کر رہے ہوں یا اسی نماز کی تیاری میں مصروف ہوں (ایسا نہ ہو کہ وہ سستی کرکے بیٹھے رہیں اور جب نماز کی اقامت ہو تو اُٹھ کھڑے ہوں) اس سے وہ نمازی مراد ہیں جو نماز کے لیے شرعی مجبوری کی وجہ سے دیر سے پہنچیں یا ابھی پہنچ نہیں پائے اور راستہ میں موت واقع ہوگئی۔ ان سب کو اللہ تعالےٰ نے قد قامت الصّلوٰۃ کہہ کر نماز کی شمولیت کی خوشخبری سُنادی تو معلوم ہُوا کہ حصولِ فعل کی نیت سے فعل میں شامل ہو جانا اور مرتکب ہونا مساوی ہے۔

استدلال از حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص نماز کا منتظر ہے وہ گویا نماز میں ہے۔

حکایت دو شخص یک وقت مرگئے ایک کی فلاخن کے ذریعہ سے موت واقع ہوئی، دوسرا طبعی موت سے فوت ہوا۔ دونوں کو دفن کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ اس شخص کی قبر پر جا بیٹھے جو طبعی موت مرا تھا آپ سے عرض کیا گیا حضرت! آپ شہید کی قبر کو چھوڑ کر غیر شہید کی قبر پر کیوں جا بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا معلوم یہ دونوں اجر و ثواب میں برابر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والذین ھاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا اوماتوا (الآیۃ)۔

ف : حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کی اس حکایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بظاہر دو عمل مختلف ہوتے ہیں لیکن ثواب و اجر میں برابر ہوتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو حج کے ارادہ سے گھر سے نکلتا ہے لیکن راستہ میں مرجاتا ہے تو قیامت تک اس کے لیے حج کا ثواب لکھا جائے گا ایسے ہی جو عمرہ کرنے کے لیے گھر سے روانہ ہوا تو راستہ میں موت آگئی تو اسے قیامت تک عمرے کا ثواب نصیب ہوگا۔ ایسے ہی جو جنگ کے لیے روانہ ہوا لیکن راستہ میں مرگیا تو اسے بھی قیامت تک جہاد کا ثواب ملتا رہے گا۔

اَولیاءٌ زندہ ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (صحابی) بحری جنگ کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں ان کی موت واقع ہوگئی۔ آپ کے ساتھیوں نے قبر کی موزوں جگہ کے لیے بہت کوشش کی مگر بحری راستہ کی وجہ سے سات روز تک قبر کا موقع میسر نہ ہوا، باوجود اس کے سات روز تک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم میں کسی قسم کا تغیر و تبدّل نہ ہوا۔

ف : یہی جملہ شہداء کا حال ہے۔

ازالۂ وہم • قیامت میں مراتب مختلف ہوں گے اس لیے کہ اعمال والوں کے مراتب پر ان کا دار و مدار ہے۔ جب اعمال کے لحاظ سے مراتب میں اختلاف ہے تو پھر شہید اور عام موت والے کے مراتب و درجات کیسے مساوی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے لازماً ماننا پڑے گا کہ راہِ حق میں شہید ہونے والا طبعی موت مرنے والے سے افضل ہے۔ اس پر بہت بڑے دلائل ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ حدیث شریف ہے:

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ بہترین جہاد کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کا گھوڑا راہِ حق میں مارا جائے اور اس کا اپنا خُون بھی اللہ تعالیٰ کے لیے بہہ جائے۔

دوسری دلیل حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں جب شہید آئے گا تو اس کا خون بہتا ہوا ہوگا، اس کی خوشبو عطر جیسی ہوگی۔ یہ مرتبہ عام موت مرنے والے کو نصیب نہیں ہوگا۔

○ مرنے کے بعد دنیا کی طرف رجوع کرنے کی آرزو شہید کے لیے ثابت ہے عام موت مرنے والوں کے لیے آرزو ثابت نہیں۔

○ طبعی موت مرنے والے کو نہلایا جاتا ہے، شہید کو نہلایا نہیں جاتا۔

○ شہادت جملہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

○ شہید دُوسروں کی شفاعت کرے گا لیکن طبعی موت مرنے والا صرف اپنے تک محدود ہوگا۔

○ شہید اپنا خون خشک ہونے سے پہلے ہی حورِعین کو دیکھے گا لیکن طبعی موت مرنے والے کو یہ مرتبہ نہ ملے گا۔

تفسیرِ صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے طلبِ حقیقت میں اوطانِ طبعیہ سے ہجرت کرنا سیفِ صداقت کے ساتھ نفس کو قتل کرنے میں اوصافِ بشریہ کو مٹانے کی طرف اشارہ ہے اور ان کا اجر و ثواب یہ ہے کہ انہیں دنیا میں رزقِ معنوی کی عطا ہے۔ اور قلوب کا رزق حلاوۃ العرفان، اور اسرار کا رزق مشاہدات الجمال اور ارواح کا رزق مکاشفات الجلال ہے۔ مثنوی شریف میں ہے:

ے

ا   اے بسا نفس شہید معتمد

مردہ در دنیا و زندہ می رود

۲ اے بسا خامی کہ ظاہر خویش ریخت
لیک نفس زندہ آں جانب گریخت

۳ آلتش بشکست و رہزن زندہ ماند
نفس زندہ است ارچہ مرکب خوں فشاند

ترجمہ: ۱۔ بہت سے شہید معتدا ایسے ہیں جو دنیا میں مردہ ہوتے ہیں لیکن زندہ ہو کر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔

۲۔ بہت سے خام جنہوں نے ظاہر کو مٹایا لیکن نفس زندہ ہو کر اس کی طرف بھاگا۔

۳۔ آلہ اس کا ٹوٹا تو رہزن زندہ ہو گیا۔ نفس زندہ ہے اگرچہ اس کی سواری اس کے اپنے ہاتھوں سے نکل گئی۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ مبتدا محذوف کی خبر ہے دراصل الامر ذلك الذی قصصنا علیکم وبینا لکم تھا۔ یہ جملہ ماقبل کی تقریر اور تنبیہ ہے کہ یہ کلام نیا ہے وَمَنْ اور جس نے عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهٖ ظالم کو سزا دی اس قدر جتنا اس نے اس پر ظلم کیا اور قصاص میں تجاوز نہ کیا۔ العقوبہ جُرم کی سزا کا نام ہے۔

سوال: جب عقوبۃ جرم کی سزا کا نام ہے تو پھر جس نے جُرم کیا ہی نہیں اس پر عقوبت کا اطلاق کیوں؟

جواب: اس کے ساتھ والے کی مشاکلت کی وجہ سے۔ یا یہ مجاز مرسل ہے کیونکہ جس سے جرم کا صدور ہوا اسے سزا ملی تو یہ اس کے سبب ہے۔ سبب کو سبب کا نام دیا گیا ہے۔

ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ پھر اس پر بغاوت کی یعنی سزا دینے میں بدلہ لینے ہوئے اس پر ظلم کیا۔

حلِ لغات بغی علیہ بغیا بمعنے علا وظلم یعنی تجاوز کیا اور اس پر ظلم کیا۔ امام راغب نے فرمایا: البغی بمعنے طلب تجاوز الاقتصاد فیما یتحری اس پر تجاوز ہو یا نہ یہ کبھی قدرت میں ہوتا ہے یعنی کمیت میں اور کبھی وصف یعنی کیفیت میں۔ جیسے کہا جاتا ہے: بغیت الشئی۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے اصلی حقوق سے زاید کا مطالبہ کرے۔

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اسے مدد دے گا جس پر زیادتی ظلم ہوا۔ یہ مَنْ کی خبر ہے اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ یعنی بہت عفو و غفران والا ہے بدلہ والے کو معاف کرتا ہے اور اس سے جو کچھ صادر ہوا اسے بخش دیتا ہے اور اسے بھی بخش دیتا ہے جو صبر و عفو پر انتقام کو ترجیح دیتا ہے، حالانکہ اسے صبر و عفو مرغوب ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

ولمن صبر وغفر ان ذٰلك لمن عزم الامور۔ اور بے شک وہ جو صبر کرتا ہے اور بخشتا ہے بیشک یہی پختہ اموروں سے ہے۔

اگرچہ عفو کا تقاضا یہ ہے کہ جسے معاف کیا جا رہا ہے، جس سے پہلے جرم صادر ہوا ہے۔ لیکن کبھی ایک اور معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے وہ یہ کہ جس فعل پر ندامت کرتا تھی وہ ترک کر دے تو زجراً و توبیخاً اسے بھی جُرم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف : بحرالعلوم میں لکھا ہے کہ عفو وہ ذات جو دیوان حفظہ و قلوب سے گناہوں کے نشانات بھی مٹا دے تاکہ اس بیچارے سے قیامت میں ان گناہوں کا مطالبہ نہ ہو اور نہ ہی اسے ملائکہ اس کے گناہ یاد دلا کر رسوا کریں۔ اور کبھی یوں بھی فرماتا ہے کہ اس کے گناہوں کے عوض اس کی نیکیاں لکھوا دیتا ہے۔ کما قال :

اولٰئِك یبدّل الله سیاٰتهم حسنات۔

(وہی لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ حسنات سے تبدیل فرماتا ہے)

اور وہ غفور ہے کہ مستحقِ سزا کی سزا کو زائل کرنے کا ارادہ کرنے والا ہے۔ الغفر سے ہے بمعنے الستر یعنی وُہ اپنے بندوں کے گناہ چھپاتا ہے۔

نکتہ عفو کو غفر پر مقدم اس لیے کیا ہے کہ عفو غفر سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ عفو گناہوں کے مٹانے کا نام ہے اور وہ غفر (چھپانے سے) بہتر ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جس سے بدلہ لینا ہے اس کی غلطیوں سے درگزر کرنا اور انہیں چھپا دینا اور بخش دینا بدلہ لینے سے افضل ہے۔ اس کے ساتھ احسان و مروّت کرنا جوانمردی ہے ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردے احسن الی من اسائ

ترجمہ : برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے لیکن اگر تم جوانمرد ہو تو میرے ساتھ احسان کرو۔

بلکہ اس کے سامنے اس کی غلطیوں کا تذکرہ تک نہ ہو تاکہ اس کا دل نہ دُکھے۔ جب بندوں کے لیے یہ حکم ہے تو وہ اللہ تعالےٰ تو اکرم الاکرمین ہے اس کے لیے بطریق اولیٰ ایسے ہونا چاہیے۔

نکتہ عفو بدلہ لینے سے اس لیے افضل ہے کہ جس سے بدلہ لیا جائے گا اس سے بدلہ لیتے وقت اپنے حقوق سے تجاوز کرنے کا خطرہ ہے بالخصوص غضب و غصّہ اور جوش میں۔ گمان غالب ہے کہ الٹا بدلہ لینے والا ظالموں میں سے نہ ہو جائے جس کا اسے شعور بھی نہ ہو۔

شیخ و مرشد کی بہترین تقریر فقیر (حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے، میں نے اپنے شیخ قدس سرہٗ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ انسان کامل (ولی اللہ) کو دریا کی طرح ہونا چاہیے۔ اگر کوئی اسے ایذا دے یا اس کا گلہ و غیبت کرے یا اس کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے تو اس سے دل آزردہ نہ ہو بلکہ اسے معاف کر دے، اگر ہو سکے تو اس کے ساتھ احسان کرے۔ جیسے دریا میں پیشاب پڑے یا اس میں جنبی داخل ہو تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ وُہ الٹا انہیں پاک کر دیتا ہے۔ یعنی پیشاب دریا کے پانی میں مل کر پانی کی طرح پاک ہو گیا اور جنبی سے جنابت دور ہو گئی یوں جنبی بھی

پاک اور اس کی جنابت بھی پانی میں مل کر پاک ہو گئی۔

ف : پھر انہوں (روح اللہ روحہ) نے فرمایا کہ جو ہمارے ساتھ برائی کرے اسے معاف کر دو کیونکہ اس کے ساتھ انتقام کا ارادہ کرنا یا اسے کسی تکلیف میں ڈالنا ہمارے نزدیک شرک ہے ہم (صوفیہ) اس طرف حبّہ بھر بھی متوجہ نہیں ہوتے بلکہ ہمارا کام تو ان تمام امور میں وُہ ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ سے دُور رکھے۔ ہاں فعل حسن کے حصول میں ہم جان کی بازی تک لگا دیتے ہیں (شیخ نے اس تحقیق میں ایک طویل بحث لکھی ہے جس کی جملہ تقریر ہماری کتاب" تمام الفیض" میں ہے)

مسئلہ : خلاصہ کی کتاب الحدود میں ہے کہ اگر کسی کو خبیث کہے اس پر لازم ہے کہ سُن کر خاموش ہو جائے اور اسے کوئی جواب نہ دے۔ اگر یہ مقدمہ قاضی (حاکم وقت) کی خدمت میں پیش ہو تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ خبیث کہنے والے کو سزا دے یا خبیث کہنے والے کو جواب میں خبیث کہا جائے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ : مجمع الفتاوٰی کی کتاب الجنایات میں ہے اگر کوئی کسی کو یا خبیث کہے اور وہ اس کے جواب میں یہی کلمات دُہرا دے تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا ظالم سے بدلہ لینا ہے اور اس کی شرع پاک میں اجازت ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئك ما عليهم من سبيل اور اس کے بعد جو ظلم کے بعد بدلہ لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ف : عفو افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فمن عفا و اصلح فاجره على الله۔

(جو معاف کرتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ہے)

مسائل

۱۔ اگر کوئی کسی کو یا خبیث کہے تو وہ اس کے جواب میں ایسا کلمہ نہ بولے جس سے اسے حد کا مستحق ہونا پڑے۔

۲۔ کسی کو کوئی کہے، یا زانی۔ اس نے اس کے جواب میں کہا کہ تُو زانی ہے۔ تو جواب دینے والے پر حد کا اطلاق ہوگا بخلاف اس شخص کے کہ جس نے یا خبیث کہنے والے کو بدلے میں یا خبیث کہا تو جواب دینے والے پر حد نہ ہو گی۔

۳۔ التنویر میں بھی اسی طرح ہے جس نے کسی کو ناحق مارا تو پھر اس نے جواباً اسے بھی مارا تو دونوں کو سزا دی جائے گی پہلے اس کو سزا دی جائے گی جس نے پہلے مارا۔

ذٰلِكَ نصر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مبتدا ہے اس کی خبر بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ یہ بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ ایک شے کو دُوسری شے پر غلبہ دینا بھی اس کی قدرت کاملہ کی اعلیٰ دلیل ہے کیونکہ وہ "قادر قدرت" دیتا ہے کہ رات دن کی روشنی پر تاریکی ڈالتی ہے پھر اس تاریکی پر سورج اور روشنی کو غلبہ دیتا ہے۔ اس طور طریق سے گھڑیاں گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔

حل لغات : امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا : الولوج بمعنے تنگی میں داخل ہونا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔ یہاں تک کہ سُوئی کے ناکے میں اونٹ داخل ہو۔
ایسے ہی یولج الیل الخ۔ اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو ان سے مرکب فرمایا ہے کہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر بڑھاتا ہے اور زیادتی اور کمی سورج کے مطالع و مغارب کی وجہ سے ہوتی ہے۔
وَ اَنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ اور بے شک اللہ تعالیٰ عقوبت والے اور عقوبت دئے ہوئے کی ہر بات سُنتا ہے **بَصِیۡرٌ** اور وُہ دونوں کے ہر فعل کو دیکھتا ہے۔ پھر وُہ انہیں مہلت نہیں دے گا۔ **ذٰلِکَ** یہ کمال علم وقدرت اس لیے ہے **بِاَنَّ اللّٰہَ هُوَ الۡحَقُّ** کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی الوہیت میں حق ہے **وَ اَنَّ مَا یَدۡعُوۡنَ** اور بے شک جن کی وہ عبادت[1] کرتے ہیں **مِنۡ دُوۡنِهٖ** اللہ تعالیٰ کے سوا **هُوَ الۡبَاطِلُ** وہ باطل ہے۔ یعنی ان ماسوی اللہ کی الوہیت باطل ہے **وَ اَنَّ اللّٰہَ هُوَ الۡعَلِیُّ** اور بے شک وُہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے بلند ہے **الۡکَبِیۡرُ** بڑی عظمت والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کی اعلیٰ شان کا کوئی ہمسر ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی سلطنت و بادشاہت کے مساوی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس سے بھی اعلیٰ ہے جسے طالبین سمجھتے ہیں اور اس کی نہایت بھی اس سے بلند و بالا ہے جس کا تصوّر واصلین کے ذہنوں میں ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اللہ کی شان ذات و صفات میں بلند و بالا ہے وہ ہر ایک سے ہر لحاظ سے اعلیٰ ہے اور وہ واجب الوجود ہے کہ اس اعتبار سے اس کے برابر کون ہو سکتا ہے۔ العلی بر وزن فعیل ہے علو سے مشتق ہے اور یہ دونوں (علو و سفل) امورِ محسوسہ سے ہیں جیسے عرش، کرسی وغیرہما۔ ان کا اطلاق امورِ معقولہ پر بھی ہوتا ہے جیسے نبی و امت کی بلندی و پستی کے مراتب اور خلیفہ و سلطان اور عالم و متعلم کی بلندی و پستی کی شرافت و کمال اور فضیلت و رفعت کے اعتبارات میں جبکہ اللہ تعالیٰ امورِ محسوسہ سے منزّہ و مقدس ہے اس لیے اس کے لیے دُوسرا معنیٰ متعین ہوا۔

ف : حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا : کسی انسان کے متعلق علو مطلق کا تصور نہیں ہو سکتا اس لیے ہر انسان پر اور کوئی بلندی رکھتا ہے جیسے عام انسان پر انبیاء و ملائکہ فوقیت رکھتے ہیں۔ ہاں انسانوں میں ایک ہستی ہے جس پر علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بلند مرتبہ نہیں، نہ انبیاء علیہم السلام میں نہ ملائکہ میں، وہ ہیں ہمارے نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہاں ذاتِ حق تعالیٰ سے آپ کے مرتبہ کو کوئی نسبت نہیں دی جا سکتی کیونکہ ذات حق تعالیٰ واجب الوجود ہے اور وجوب ذاتی

---

[1] یہاں صاحبِ رُوح البیانؒ نے یدعون بمعنے یعبدون لکھا ہے یہ ان کا رد ہے جو اس جیسی آیات سے انبیاء و اولیاء کی ندا سے شرک ثابت کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

سے کسی کو کوئی نسبت نہیں۔ اس ذات واجب الوجود کے علاوہ باقی جملہ موجودات سے علی الاطلاق ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالا و اعلیٰ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ علیٰ مطلق (اعلیٰ علی الاطلاق) وہی ذات ہے جو ہر لحاظ سے فوق ہے اس کی فوقیت اضافی نہیں، وجوبی ہے امکان کا کوئی فرد بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔

الکبیر بمعنے ذوالکبریا، وہ ذات جس کی کبریائی کا کمال ذاتی ہے وجوبی ہے۔ اور کمال وجوبی دو وجہ سے ہے:

(۱) ہر وجود اسی سے ہے۔

(۲) وہ دائم اور حیّ و قیوم ہے بخلاف دُوسروں کے کہ انہیں دوام نہیں بلکہ ان کے ہر ایک کے وجود سے پہلے عدم ہے اور پھر بھی اسے عدم لاحق ہوگا اور یہ عیب النقص ہے۔

ف: جسے طویل عمر نصیب ہو اسے کبیر السّن کہا جاتا ہے یعنی وہ شخص جس کی عمر کو اور کافی مدت تک بقا نصیب ہو۔ ایسے کو عظیم السّن نہیں کہا جاتا۔ بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں عظیم استعمال نہیں ہو سکتا مگر کبیر استعمال ہوتا ہے الکبیر بندوں میں سے اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی صفات کا کمال صرف اپنی ذات تک محدود نہ رہے بلکہ دوسروں میں بھی سرایت کر جائے اس کی صحبت جسے بھی نصیب ہو وہ فیض و فضل سے معمور ہو جائے۔ اور بندے کے کمال سے کمال فی العقل و الورع و العلم مراد ہے۔ اس معنیٰ پر الکبیر وہ بندۂ خدا ہے جو عالم بھی ہو، پرہیزگار بھی ہو، خلقِ خدا کا رہبر بھی ہو اور مقتدا بننے کی صلاحیت و اہلیت بھی رکھتا ہو کہ جس کے انوار و علوم سے اقتباس کیا جا سکے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے علم پڑھا اور اس پر عمل کیا، پھر اسے پڑھایا تو اسے ملکوت السماء میں عظیم انسان کہا جاتا ہے۔

عُلماء کی صحبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پُوچھا گیا کہ ہم کس کی صحبت میں بیٹھیں؟ فرمایا: جس کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور اس کے دیکھنے سے خدا یاد آ جائے اور اس کی عملی صحبت سے آخرت کی ترغیب نصیب ہو۔

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام باطل ہے یعنی وجود ذاتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی موجود نہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ کل شئ ما خلا اللہ باطل
ان فضل اللہ غیم ھاطل

۲ ملک ملک اوست او خود مالکست
غیر دانش کل شئ ھالکست

ترجمہ : ۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے فضلِ الٰہی موسلا دھار بارش کی طرح ہے۔

۲۔ تمام ملک اسی کا ہے وہی تمام کا مالک ہے اس کی ذات کے سوا تمام اشیاء فانی ہیں۔

ف : حضرت الشیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ماسوی اللہ سے استغفار کرنا چاہیے کیونکہ ہم فانی ہیں اور فانی پر لازم ہے کہ وہ اپنے وجود کے لیے ذاتی وجود کے دعویٰ سے استغفار کرے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ تحصیلِ شہود و یقین میں اور توحید کے مقامِ تمکین تک پہنچنے میں کوشاں رہے ؎

تا دم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال

خامۂ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ : اے پریشان حال حافظ! جب تم توحید کا دم بھرتے ہو تو توحید کے قلم سے این و آں کے ورق کاٹ دیجئے۔

ہم تحقیق کے ساتھ درکِ حقیقت کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا ہے جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے یعنی نزولِ بارش سے زمین خشکی اور ویرانی کے باوجود سرسبز ہو جاتی ہے۔

حل لغات الخضرۃ سفیدی و سیاہی کے درمیانی رنگ کا نام ہے لیکن سیاہی کے زیادہ قریب ہوتا ہے اس لیے بعض اوقات سیاہ رنگ کو سبز اور سبز کو سیاہ کہا جاتا ہے۔ سواد العراق اس جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جہاں سبزی بکثرت ہو۔

ف : الم تو یہ استفہام تقریری ہے اس لیے یہ مرفوع ہے اور فتصبح کا عطف انزل پر ہے کیونکہ اگر فتصبح کو منصوب پڑھا جائے تو اخضرار (سبزی) کی نفی ہوگی حالانکہ اس کا اثبات مطلوب ہے اور نفی کے معنی کا قرینہ افلم یسیروا الخ کے استفہام کے جواب فینظروا کو منصوب پڑھنے میں نظر کی نفی ہو جاتی ہے اور وہاں نظر کی نفی مطلوب بھی ہے بخلاف اخضرار کے یہاں پر نفی نہیں بلکہ اثبات مطلوب ہے۔

نکتہ : فتصبح کو مضارع پڑھنے میں اشارہ ہے کہ بارش کا اثر کافی دیر تک رہتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ بے شک اللہ تعالیٰ سب پر لطف فرماتا ہے۔ ایسے لطف و کرم کا انھیں وہم و گمان تک نہیں ہوتا۔

ف : جناب کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں پر سبزی اگا کر لطف و کرم فرماتا ہے کہ اسی سے انھیں روزی پہنچائے۔

خَبِيْرٌ وہ ظاہری باطنی تدابیر سے باخبر ہے کہ کس کو کون سی بات چاہیے۔ (باقی برصفحہ ۳۳۴)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ
أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ
ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ ○ لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا
يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ ۚ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ○ وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ
اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ○ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ○
أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ
يَسِيرٌ ○ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ ۗ وَمَا
لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ○ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ ۖ
يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكُمُ ۗ النَّارُ ۖ
وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○

ترجمہ: کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قابو میں دے دیا جو کچھ زمین میں ہے اور کشتی کہ دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے مگر اس کے حکم سے بے شک اللہ تعالےٰ لوگوں پر مہروالا مہربان ہے اور وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو زندہ کرے گا بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کے قواعد بنائے کہ وہ ان پر چلتے تو وہ ہر گز تم سے اس معاملہ میں جھگڑا نہ کریں اور اپنے پروردگار کی طرف بلاؤ بے شک تم سیدھی راہ پر ہو اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو فرمائیے اللہ تمہارے کردار کو خوب جانتا ہے اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا ان امور میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے کیا تُو نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں مین ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے بیشک یہ تمام ایک کتاب میں ہے بے شک یہ اللہ پر آسان ہے۔ اور اللہ کے ماسوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور ایسوں کی جنہیں کوئی علم نہیں اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جائیں تو تم ان کے چہروں پر بگڑنے کے نشانات دیکھتے ہو قریب ہے کہ یہ ان لوگوں پر لپیٹ پڑیں جو ہماری آیات ان کے سامنے پڑھتے ہیں۔ فرمائیے کیا میں تمہیں خبر نہ دے دوں جو تمہارے اس حال سے بھی بدتر ہے وہ آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں کو وعدہ دیا اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

(بقیہ ص ۳۳۲)

ف : جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ رزق و مرزوق کے حال کو خوب جانتا ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے کیونکہ ان سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے اس لیئے ان سب کا مالک بھی وہی ہے اور تصرف بھی وہی کرتا ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ اور بے شک وہی غنی ہے اور وہ اپنی ذات میں ہر شے سے بے نیاز ہے۔ یہی ترجمہ حضرت کاشفی مرحوم نے کیا ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وُہ اپنی ذات میں کسی حمد کرنے والے کا محتاج نہیں۔

الْحَمِيْدُ وہ اپنی صفات و افعال میں حمد کا مستحق ہے۔

ف : حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : حمید وُہ ہے جس کی بہت تعریف کی جائے۔ اور اللہ تعالےٰ بھی حمید بایں معنیٰ ہے کہ اس نے اپنی ثنا ازلاً ابداً فرمائی۔ جیسے اس کی شانِ اقدس ہے ایسے ہی اس کی تمام مخلوق ہمیشہ اس کی حمد کرتی رہے گی۔ ایسے ہی اس کی جملہ صفات کا حال ہے کہ اس کی ہر صفت کو اس کی مخلوق کمال وعلو کے ساتھ ذکر کرے گی کیونکہ حمد بمعنے اس کے کمال کے اوصاف کو بیان کرنا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر کی تمام چیزیں تمہارے قابو میں کر دی ہیں یعنی جیسے چاہتے ہو ان سے منافع حاصل کرتے ہو ہم نے انہیں تمہارے منافع کے لیے ہر وقت تیار کر رکھا ہے ان پر جس طرح چاہو تصرف کرو۔ دیکھو پتھر سے بھی بڑھ کر کوئی شے سخت ہے یا لوہے سے بھی کوئی شے مضبوط تر ہے۔ اور آگ کتنی ہیبت ناک شے ہے۔ لیکن یہ تمام چیزیں ہم نے تمہارے قابو میں دے رکھی ہیں وَالْفُلْكَ اس کا عطف ما پر ہے یا اَنَّ کے اسم پر تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ اور کشتیاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریاؤں میں چلتی ہیں۔ امر سے یہاں پر تیسیر و مشیّت ہے وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اور آسمان کو روک کے رکھتا ہے اس سے کہ وہ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ گر پڑے زمین پر، یعنی اس کی ہیئت کچھ ایسی بنائی ہے کہ اس کے گرنے کی صورت نظر نہیں آتی الاستمساک بمعنے امساک، روکنا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں : امسك الشئ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو پکڑے رکھے۔ الوقوع بمعنے گرنا۔ اِلَّا بِاِذْنِهٖ مگر اس کے اذن یعنی مشیت سے۔ حضرت امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : الاذن فی الشئ بمعنے کسی کو کسی کام میں اپنی اجازت و رخصت جتلانا۔ اور آسمان کا زمین پر گرنا قیامت میں ہوگا۔ اس میں ان کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ آسمان ذاتی طور پر کھڑا ہے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی قدرت و تصرف کو کسی قسم کا دخل نہیں حالانکہ یہ ان کی بد دماغی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ آسمان اجسام ہیں اور انکی جسمانیت میں دوسری اشیاء کی طرح ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ہر وُہ شے جس کا جسم ہو وہ کسی نہ کسی وقت ضرور گرے گی۔ جس کا نتیجہ نکلا کہ آسمان بھی قابلِ سقوط ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے گرا دے گا۔

اعجوبہ : فقیر (حقیؒ) کہتا ہے کہ ایک مضمون میں نے کسی کتاب میں دیکھا جو اعجوبۂ روزگار سمجھا جائے گا وہ یہ کہ ایک ایسا

پرندہ ہے جو رات کو صبح تک درخت کی ٹہنی سے الٹا لٹکا رہتا ہے[1] اس خطرہ سے کہ اس پر کہیں آسمان نہ گر جائے۔ اس کی نظیر کر کی[2] (پرندہ) ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک پاؤں اٹھائے رکھتا ہے، اگر زمین پہ چلے تب بھی پاؤں کو اٹھا کر چلتا ہے، اگر تھوڑا سا پاؤں زمین پر رکھتا بھی ہے تو اسے اعتماد نہیں ہوتا بلکہ خدشہ ہوتا ہے کہ وہ کہیں زمین میں نہ دھنس جائے۔

سبق: ان دونوں پرندوں سے عاقل کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے مہربان اور بخشنے والا ہے بایں طور کہ ان کے اسبابِ معاش تیار فرمائے اور ان کے لیے منافع کے ابواب کھول دئے اور طرح طرح کی مضر چیزوں کو ان سے دور رکھا اور آیاتِ تکوینیہ و تنزیلیہ کے ساتھ انہیں استدلال کرنے کے طریقے واضح فرمائے رءوف بمعنے رحیم ہے یا رافت رحمت سے زیادتی رکھتی ہے یعنی رقت (رقیق القلبی) بہ نسبت رحمت کے رافت میں زاید ہے (کذا فی القاموس)

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ رءوف وہ ہے جو اپنے بندوں پر تخفیف کا ارادہ رکھے۔

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَحْيَاكُمْ اور اللہ وہ ہے جس نے تمہیں زندہ فرمایا یعنی تم جماد، مٹی کا ڈھیر اور نطفہ بے جان تھے پھر تمہیں بہترین تخلیق کے ساتھ زندگی بخشی۔ جیسا کہ اسی سورۂ حج کے شروع میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ پھر جب تمہاری میعاد ختم ہوگی تو تمہیں موت دے گا ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ تمہیں قیام قیامت کے وقت پھر زندہ فرمائے گا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ بے شک انسان اس کی نعمتوں کا بہت بڑا منکر ہے حالانکہ اس کی نعمتوں کے آثار روشن اور ہویدا ہیں اس لیے وہ اپنے منعم حقیقی کی عبادت نہیں کرتا اور بعض افراد کی وجہ سے اسم جنس (انسان) کا وصف بیان فرمایا (ورنہ سارے انسان ایسے نہیں جیسے اوپر ذکر کیا گیا)

تفسیر صوفیانہ سیدنا جنید (بغدادی) قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی معرفت کے ساتھ زندگی بخشتا ہے پھر تمہیں اوقاتِ غفلت و فترت سے موت دیتا ہے اس کے بعد تمہیں جذب سے زندہ فرماتا ہے پھر تمہیں جملہ عالم سے منقطع کر کے حقیقت کا وصل عطا فرماتا ہے بے شک انسان بہت بڑا ناشکرا ہے وہ اپنے منافع یاد رکھتا ہے لیکن جو شے اسے نقصان پہنچائے اسے بھلا دیتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکرم بنایا اور اسے عظمت بخشی کر اسے عالمِ جماد سے منتقل کر کے عالمِ نبات کی طرف لایا پھر اسے عالمِ حیوان تک پہنچایا اس کے بعد ناطق بنایا پھر اسے صوری و معنوی نعمتوں سے نوازا بلکہ جملہ موجودات کو اس کا خادم بنایا۔ اس لحاظ سے اس پر لازم تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے شکر میں لگا رہتا کہ اس نے اس پر کتنا لطف و کرم فرمایا اور اسے کیسی بہترین نعمتوں سے نوازا، اسے ہر طرح کے انکشافات عطا کیے۔ شکر کی نقیض کفران یعنی ناشکری بمعنے نعمت کو چھپانا ہے

---

[1] چمگادڑ [2] کرکی بضم کاف کلنگ مشہور پرندہ ۱۲ غیاث۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سبق دیتی ہے کیونکہ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کے آثار سے ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ہر اثر اپنے موثر پر دلالت کرتا ہے اس سے ایمان یقینی نصیب ہوتا ہے۔

حدیث قدسی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق و تحببت الیھم بالنعم حتی عرفونی۔	میں مخفی خزانہ تھا مجھے محبت ہوئی کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور میں نے اسے اپنی نعمتیں دے کر اسے اپنا مانوس بنایا تاکہ وہ میری معرفت حاصل کرے۔

سبق: عاقل کو چاہیے کہ وہ اپنی قوت وغنا سے مغرور نہ ہو ہر حال میں توفیقِ الٰہی کو شاملِ حال سمجھے۔

فرمانِ خدا تعالیٰ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ طاقتور کو فرمادیں کہ وہ اپنی طاقت سے دھوکا نہ کھائے اگر اسے اپنی طاقت پہ ناز ہے تو اسے فرمادیں کہ وہ میری بھیجی ہوئی قوت سے اپنے کو مٹادے۔ اور عالمِ دین سے فرمائیے کہ وہ اپنے علم سے نازاں نہ ہو، اگر اسے اپنے علم پہ اتنا غرور ہے تو اسے فرمائیے کہ بتا تیری اجل کب ہے؟ اور دولت مند کو فرمائیے کہ وہ اپنی دولت پر ناز نہ کرے اگر اسے اپنی دولت و مال پر گھمنڈ ہے تو اسے فرمادیں کہ وہ میری تمام مخلوق کو صرف صبح کا کھانا کھلا دے۔

سبق: انسان بالکل عاجز اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ ہر چھوٹے بڑے کو اس کی نعمت مل رہی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ: تمام روئے زمین اس کا عام دسترخوان ہے اس پر دشمن و دوست سب یکساں ہیں۔

سبق: انسان کے ہر عضو کے لیے علیحدہ علیحدہ مخصوص عبادت مقرر ہے جب وہ اسے مقرر کردہ مصرف پر نہیں لگاتا اور نہ ہی اس سے وہ خدمت لیتا ہے جو اس کے لیے مخصوص ہے تو وہ غضبِ الٰہی کا نشانہ بنتا ہے۔ بستان[۵] میں ہے:

؎

۱ یکے گوش کودک بمالید سخت
کہ اے بو العجب رائے و برگشتہ بخت

۲ ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن
نگفتم کہ دیوار مسجد بکن

---

۵ بوستان سعدی رح

۳ زبان آمد از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگرداندش حق شناس

۴ گزرگاہ قرآن و پندست گوش
بر بہتان و باطل شنیدن مکوش

۵ دو چشم از پے صنع بارے نکوست
زعیب برادر فرو گیر و دوست

ترجمہ : ۱ - اے بیوقوف، اے بدبخت ! کسی بچے کی سخت گوشمالی کی۔
۲ - میں نے تجھے کلہاڑی لکڑی کاٹنے کے لیے دی تھی، مسجد کی دیوار ڈھانے کے لیے نہیں۔
۳ - زبان شکر و سپاس کے لیے ہے غیبت میں اسے ملوث نہ کر۔
۴ - کان پند و قرآن کی گزرگاہ ہیں بہتان اور بری باتیں سننے کی کوشش نہ کر۔
۵ - دو آنکھیں کارگر کی کاریگری دیکھنے کے لیے ہیں بھائی اور دوست کی عیب گیری سے آنکھیں بند رکھ۔

رجوع الی اللہ کی علامات علامۃ المنیب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی تین علامات ہیں:
(۱) دل کو صفاتِ الٰہی کے تفکر اور امورِ اُخرویہ میں لگا دینا۔
(۲) اپنی زبان کو ذکر و شکر سے معمور رکھنا۔
(۳) اپنے بدن کو راہِ حق میں یُوں لگانا کہ تھکان کا احساس نہ رہے یہاں تک کہ موت آجائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی طاعت و خدمت کی توفیق بخشے اور ہمیں اپنی صحبت و وصال سے مشرف فرمائے۔

تفسیر عالمانہ **لِكُلِّ أُمَّةٍ** ہر ایک اُمّت ۔ یعنی وُہ امتیں جو پہلے گزر چکی ہیں اور وہ لوگ جو اس وقت زندہ موجود ہیں ان سب کے لیے ۔ اُمّۃ اس جماعت کو کہا جاتا ہے جس کی طرف رسول بھیجا جائے۔ **جَعَلْنَا** ہم نے مقرر کی **مَنْسَكًا** نسك کا مصدر میمی ہے بمعنے عبادۃ ۔ یعنی ایسی شریعت خاصہ جو ایک امت کے ساتھ مخصوص ہو اس میں دوسری امت شامل نہ ہو **هُمْ نَاسِكُوهُ** یہ منسکًا کی صفت مؤکدہ ہے اور اس میں قصر ہے جیسا کہ جار مجرور کی تقدیم دلالت کرتی ہے یعنی وہ امت مخصوصہ جو اپنے متعین کردہ عبادات پر عمل کرنے والی ہے ۔ مثلاً موسٰی علیہ السلام کی اُمّت کے مناسک یعنی عبادات توراۃ میں مندرج تھے وہ عیسٰی علیہ السلام کے مبعوث ہونے تک مقرر رہے ان کے مبعوث ہونے کے بعد انجیل اتاری گئی ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہورِ اقدس تک انجیل کے احکام کا اجراء رہا ۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا نزدل ہُوا تو جملہ آسمانی کتب کے احکام منسوخ ہوگئے پھر قیامت تک اسی قرآن مجید پر عمل ہوتا رہے گا۔ اس معنیٰ پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک ہر فرد کے

نبی ہیں اور تمام لوگ آپ کی اُمتِ واحدہ ہے۔ فَلَا یُنَازِعُنَّكَ تو آپ کے معاصرین اہل ملل آپ سے جھگڑا نہ کریں۔

حلِ لغات نزع الشئ بمعنے جذبه من مقره یعنی شے کو اپنی مقر سے جدا کرنا۔ جیسے تیر کا کمان سے علیحدہ ہونا۔ اور منازعة بمعنے مخاصمت (جھگڑا کرنا)

فِي الْأَمْرِ دین کے معاملہ میں اس گمان پر کہ ان کا وہ دین جو انہیں آباء و اجداد کے ہاتھوں ملا ہے کیونکہ ان کے دین کی دو کتابیں (۱) توراۃ (۲) انجیل منسوخ ہونے سے پہلے قابلِ عمل تھیں لیکن اب منسوخ ہو چکی ہیں اب آپ کے قرآن کے احکام جاری رہیں گے اور قیامت تک تمام لوگوں کے لیے یہی کتاب کافی رہے گی فلہٰذا ان کا جھگڑا بیکار ہے وَادْعُ اور تمام لوگوں کو دعوتِ اسلام دیجئے صرف چند لوگوں کے لیے ہی آپ مبعوث نہیں ہوئے بلکہ آپ جملہ لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں إِلَىٰ رَبِّكَ اپنے رب کی طرف، یعنی اس کی توحید و عبادت کی اسی طرح دعوت دیجئے جیسے ان کے لیے قرآن مجید میں احکامات اتارے گئے إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں یعنی آپ کی وہ راہ جو حق تک پہنچاتی ہے بالکل سیدھی ہے۔ اس سے آپ کا دین مراد ہے وَإِن جَادَلُوكَ اور اگر ظہورِ حق اور لزومِ حجت کے باوجود بھی وہ آپ سے جھگڑیں۔

حلِ لغات : مجادلة جدلت الحبل سے ہے بمعنے رسی کو بل دے کر مضبوط کرنا۔ اس معنیٰ پر گویا جھگڑا کرنے والے اپنی اپنی رائے کی رسیوں کے بل کو مضبوط کر کے دکھلاتے ہیں۔

فَقُلِ تو انہیں علیٰ سبیل الوعید فرمائیے اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ اللہ تعالیٰ تمہارے باطل اعمال کو خوب جانتا ہے منجملہ ان کے یہی تمہارا جھگڑا ہے پھر ان پر تمہیں جزا دے گا اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ اللہ تعالےٰ مومنوں اور کافروں کے فیصلے فرمائے گا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت میں ثواب و عذاب دے کر، جیسے دنیا میں دلائل اور آیات دکھا کر فیصلے کئے فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ وہ جو تم دین کے معاملہ میں اختلاف کرتے ہو أَلَمْ تَعْلَمْ کیا تمہیں معلوم نہیں ؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی تمہیں معلوم ہے أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو آسمان اور زمین میں ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں منجملہ اس سے کافروں کی باتیں اور اعمال بھی ہیں کہ وہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں إِنَّ ذَٰلِكَ بے شک وُہ جو آسمان اور زمین میں ہے فِي كِتَابٍ کتاب میں ہے کتاب سے لوحِ محفوظ مراد ہے کیونکہ اس میں تخلیق سے پہلے ہر شے کو لکھا گیا۔ اس لیے اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ان کا معاملہ آپ کو پریشان نہ کرے ہمیں ہر امر کا علم ہے اور ہم ہی ہر شے کی حفاظت کرتے ہیں وَإِنَّ ذَٰلِكَ بیشک وُہ جو اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا ذکر ہوا اور فرمایا گیا کہ ہر شے لوحِ محفوظ میں مکتوب ہے عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کیونکہ اس کی ذات کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اسے عظیم قدرت اور وسیع علم ہو اس لیے نہ تو اس سے کوئی شے مخفی ہے اور نہ ہی کوئی کام اس کی قدرت کے سامنے مشکل ہے۔

تفسیر صُوفیانہ ان آیات میں مندرجہ ذیل اشارات ہیں طالبین راہِ ہدیٰ کے ہر گروہ کا ایک مخصوص راستہ ہے جس سے وہ سیر الی اللہ طے کرتے ہیں اور ہر ایک کے مخصوص مقامات ہیں جن میں ان کا روحانی قیام ہوتا ہے پھر ہر ایک گروہ کو ان کی صلاحیت و اہلیت کے مطابق مربوط فرمایا اور ہر ایک کو اس کے مقام پر پہنچاتا ہے جس کا وہ اہل ہے اس لیے وہ لوگ عبادت کے لیے ہر وقت مستعد رہتے ہیں اور مشاہد اجتہاد جد وجہد کرنے والوں کی وجہ سے معمور ہیں ، اور اصحاب معارف کی مجالس لوازم عارفین سے مانوس ہیں اور عشاق کی منازل وجد کرنے والوں کی حاضری سے آباد وشاداب ہیں مقاماتِ سلوک و وصول اس لیے مختلف ہیں کہ دعوت حق مختلف طریق سے ہوتی ہے جس کے چند طریقے مندرجہ ذیل ہیں:

دعوت الی اللہ کے طریقے (۱) خلقِ خدا کو حقیقتِ عبودیت میں فنا سے دعوت دی جاتی ہے ۔ وقد خلقتك من قبل ولم تك شيئًا اور بے شک میں نے تجھے پیدا فرمایا حالانکہ تم لا شئے تھے ۔

(۲) بعض ملاحظۂ عبودیت سے دعوت دیتے ہیں اس کو ذلت و افتقار سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ عبودیت کا تقاضا ہے ۔

(۳) اخلاقِ رحمانیہ کو مدِ نظر رکھ کر دعوت دیتے ہیں ۔

(۴) اخلاقِ قہریہ کو مدِ نظر رکھ کر ۔

(۵) اخلاقِ الٰہیہ سے ۔ اور یہ جُملہ طریقوں سے ارفع و اعلیٰ ہے ۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ طرق الی اللہ انفاس خلائق اور انفاس الٰہیہ کے برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جو شئون متجدد وارد ہوتے ہیں وہ انفاس الٰہیہ کے مظہر ہیں ۔

ف : اہل اباد و انکار ہی مجادلہ کرتے ہیں اور حق پر معترض بھی یہی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کے احوال خوب جانتا ہے اور ہر گروہ کا قیامت میں ان کے حسبِ حال فیصلہ فرمائے گا ۔ دشمنانِ حق کے لیے فرمایا :

كفى بنفسك اليوم حسيباً ۔

اور اولیاء اللہ کا حساب نہایت آسان ہوگا ۔ بعض ان میں ایسے ہوں گے جنہیں بے حساب اجر و ثواب نصیب ہوگا ۔ اور جو اللہ کی محبت والے ہیں انہیں مخصوص مقام میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں جگہ ملے گی ۔

آیت کے بعض فوائد میں ایک یہ ہے کہ آسمان سے قلب مراد ہے اس میں یقین ، صدق و اخلاص اور محبت کا نور ہے ۔ اور ارض سے بشریت و نفسِ امارہ مراد ہے اس میں شک ، کذب ، شرک اور حرصِ دنیا کی تاریکی ہے ۔ اربابِ قلوب سے بلائیں دُور فرماتا اور انھیں اپنی نعمتوں سے بھر پور فرماتا ہے ۔ اور اربابِ نفوس پر بلائیں نازل کرتا ہے اور پھر ان کی شکایت بھی نہیں سُنتا ۔ اور یہ کتاب میں قلمِ تقدیر سے قدیم زمانہ سے مرقوم ہے ۔ جیسا کہ حضرت شیخ سعدی :

قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست
نگاریدۂ دست تقدیر اوست

ترجمہ : اگر تیری صورت بری ہے یا اچھی ہے اسے دستِ قدرت نے بنایا ہے۔
بے شک اللہ تعالیٰ پر بموافق تقدیر ان کی جزا و سزا آسان ہے۔ لیکن مومن کو معلوم ہے کہ جس کام کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے وہ امر اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے علم وعمل سے نوازا اسے سعادتِ عظمیٰ نصیب ہوئی۔ اور جو جہل میں مبتلا ہوا اور نیکی سے سستی کرتا ہے وہ اس کی شقاوتِ کبریٰ کی علامت ہے۔ بہتر ہے کہ انسان احکامِ الٰہیہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے اور شریعت وطریقت سے طریقِ حق میں جدوجہد کرے یہاں تک کہ اسے معرفت وحقیقت تک پہنچنا نصیب ہوجائے۔

سوال : مندرجہ ذیل شعر تمہارے دعویٰ کے خلاف ہے : ؎

قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد
وگر ناخدا جامہ بر تن درد

ترجمہ : قضائے الٰہی کشتی کو جہاں چاہتی ہے لے جاتی ہے اگرچہ ناخدا کپڑے پھاڑ ڈالے۔

جواب : تقدیر کے مسائل عقل وقیاس سے وراء ہیں۔ بندہ اس سے بے خبر ہے اس سے کسی کو روگردانی کی تاب کہاں۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ حق ہے وہی سیدھے راستے کی ہدایت فرماتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَعْبُدُوْنَ اور مشرکین عبادت کرتے ہیں مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کر رہے ہیں مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے نہیں اتارا۔ ما سے اصنام مراد ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کا کوئی جواز نازل نہیں فرمایا سُلْطٰنًا بمعنے حجت وبرہان وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ اور انہیں بتوں کی عبادت کے جواز کا کوئی عِلْمٌ علم حاصل نہیں ہوا حالانکہ یہ معمولی عقل والا بھی سمجھتا ہے کہ بتوں کی پرستش کم عقلی کی دلیل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ بت پرستی جہل سے یا اپنے آباد واجداد کی تقلید میں ایسا کرتے ہیں وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ اور ظالموں کے لیے نہیں۔ اور یہاں ظالمین سے وہ مشرک مراد ہیں جنہوں نے ایسے ظلمِ عظیم کا ارتکاب کیا مِنْ نَّصِيْرٍ ان کے ظلم کے سبب سے ان پر جو عذاب نازل ہوگا اسے دفع کرنے کے لیے ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ کے خالص بندے ہوتے ہیں انہیں وہ برہان بخشتا ہے اور ان کے لیے مضامین کو واضح فرما دیتا ہے دلائل سے معزز فرماتا ہے

اور جو اہلِ خذلان ہیں انہیں ان کی اصنام پرستی کے جواز کے لیے کوئی برہان نصیب نہیں، نہ ہی ان کے مطلوب پر براہین قایم کیے جاتے ہیں نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصرت میسر ہوتی ہے بلکہ ان کی قسمت میں رسوائی ہی رسوائی لکھ دی جاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اور مشرکین پر پڑھی جاتی ہیں اٰيٰتُنَا ہمارے قرآن کی آیات میں سے بَيِّنٰتٍ حالانکہ وہ آیات عقاید حقیہ و احکامِ الٰہیہ پر واضح الدلالۃ ہیں تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ تم کافروں کے چہروں میں تیوری جان لو گے۔ المنکر بمعنے انکار بالعبوس والکراھۃ جسے ہم تیوری چڑھانا کہتے ہیں۔ اور المنکر المکرم بمعنے اکرام کی طرح مصدر یعنی انکار کے معنیٰ میں ہے یعنی چونکہ کفار کو حق سے بہت زیادہ عناد اور دشمنی ہے اسی لیے جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو کراہت و نفرت کے آثار ان کے چہروں سے ہویدا ہوتے ہیں۔

ف : چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے دل کے اقرار و انکار کے آثار چہرے سے صاف نظر آتے ہیں۔ ہر برتن سے وہی باہر نکلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ جیسے صالح علیہ السلام کی قوم کا حال ہوا کہ جو کچھ ان کے باطن میں تھا وہ چہروں پر صاف ظاہر ہوگیا۔

فقیر (حقی رح) نے کہا: ؎

۱ ہر کرا صورت بیاض الوجوہ بود
صورت حال درونش رو نمود

۲ گر سیاہ و یا کبودی بود رنگ
رنگ او ظاہر شد از دل بے دل تنگ

ترجمہ : ۱۔ جس کے چہرے سے سفیدی ظاہر ہو وہ اس کے اندرونِ حال کی گواہ ہے۔

۲۔ اگر سیاہی یا کبودی ظاہر ہو تو وہ رنگ بتائیں گے کہ اس کے دل میں تنگی (ملال) ہے۔

يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا قریب ہے کہ وہ فرط غیظ و غضب سے حملہ کرتے ہیں ان اباطیل کی وجہ سے جن کی تقلید میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یسطون السطوۃ بمعنے ہاتھ اٹھا کر پکڑنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے سطا بہ۔ قُلْ ان کا رد کرتے ہوئے اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے سے ناامید کر کے فرمایئے اَفَاُنَبِّئُكُمْ تو کیا میں تم سے مخاطب ہو کر تمہیں خبر دوں بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ان سے بدتر شے کی؛ یعنی اس شے کی خبر دوں جو تمہاری تلاوتِ قرآن پر غیظ و غضب میں ہیں اور قرآن سن کر تم پر حملہ کرتے ہیں ان سے بھی وہ شے بدتر ہے اَلنَّارُ وہ جہنم ہے۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے سوال کیا وہ جہنم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ جس کا اللہ تعالےٰ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے وہ جہنم ہے اور بہت برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ قطعیت و طرد و ابعاد کی نار اس انکار سے بدتر ہے جو منکرین کے قلوب میں ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ ان جملہ امور سے دُور رہے جو شرک و انکار کا موجب بنیں اور ان امور کے قریب ہونے کی کوشش کرے جو توحید و اقرار اور حقائق و اسرار کی طرف متوجہ کرنے کے سبب بنیں۔ عقلمند پر لازم ہے کہ اولیاء اللہ سے محبت کرے اور اہلِ ضلالت سے بغض رکھے۔

حدیث شریف قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابنِ آدم! تُو نے دنیا میں زُہد کیا تو کیا ہوا وہ تو تُو نے اپنی راحتِ نفس کے لیے کیا تھا اور پھر تُو میری طرف رجوع کرکے انقطاع عن الناس کیا تو کیا ہُوا وہ تُو نے اپنی عزتِ نفس کے لیے کیا۔ ہاں تجھ سے پُوچھتا ہُوں، بتا تُو نے میرے دشمن سے دشمنی کی یا نہیں اور میرے ولی سے پیار کیا یا نہیں۔

ف : کفر و انکار جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور توحید و اقرار جنت میں پہنچاتے ہیں انسان کو توحید و اقرار سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ملی کیونکہ انسان توحید کے سبب سے سعادت ابدیہ تک پہنچاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عمل کا وزن ہوگا سوائے کلمۂ شہادت (توحید) کے کہ اس کا وزن نہ ہو سکے گا۔ اور جب انسان کے دل میں توحید راسخ ہو جاتی ہے تو پھر وہ اقرار بھی کرتا ہے اور ذکر بھی۔ جب بھی اس کے لیے موزوں وقت پاتا ہے تو ذکر و فکر میں محو ہو جاتا ہے۔

زبیدہ بیگم ہارون الرشید کی بخشش کا موجب بعض بزرگوں نے زبیدہ زوجہ ہارون الرشید کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھ کر پُوچھا کہ تیری نجات کا سبب کون سا عمل ہوا؟ کیا وہ نہر جو تُو نے عرب میں کھدوائی تھی؟ زبیدہ نے جواب دیا نہیں، وہ تو اموالِ مغصوبہ سے کھدوائی گئی تھی اس کا ثواب تو انہیں ملا جن کے مال تھے۔ میری نجات کا ایک عمل ہوا وہ یہ کہ میں مجلسِ شراب میں بیٹھی تھی تو مؤذن نے اذان پڑھی میں نے ادب سے شراب سے ہاتھ اٹھا لیا اور اختتام پر کلمۂ شہادت پڑھا۔ آج موت کے بعد فرشتوں نے کہا کہ اس سے عذاب اٹھا لو اگر اس کے دل میں توحید راسخ نہ ہوتی تو شراب کے وقت اللہ کو یاد نہ کرتی۔ اس طرح میں انجام بخیر کو پہنچی۔

ف : دوزخیوں کے لیے دوزخ قریب تر ہے انھیں آگ کا جُوتا پہنایا جائے گا جس سے ان کے دماغ اُبلیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وبئس المصیر اور دوزخ برا ٹھکانا ہے اس میں کسی قسم کی راحت نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نارِ بُعد و عذابِ سعیر سے بچائے، وہی سب سے بہتر بچانے والا اور پناہ دینے والا ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۗ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۗ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۗ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌۢ بَصِيرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يَآيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۗ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۗ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۗ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ۗ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝

ترجمہ : اے لوگو! کہاوت فرمائی جاتی ہے اسے کان لگا کر سنو وہ جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اگرچہ سب اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی کوئی ان سے چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے ایسا عابد بھی کمزور ہے اور معبود بھی انہوں نے اللہ کی جیسی تعظیم چاہیے تھی نہ کی بیشک اللہ بڑی قوت والا ہے اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے بیشک اللہ تعالیٰ بہت بڑا سننے والا جاننے والا ہے وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے اور تمام امور کا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور اچھے کام کرو اس امید پر کہ تمہیں فلاح نصیب ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں پسند کیا اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہ رکھی تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا اس سے قبل اور اس (کتاب) میں بھی تاکہ تمہارے لیے رسول گواہ ہوں اور تم اور لوگوں پر گواہی دو تو نماز پر پابندی رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کی رسّی کو مضبوط تھامو اور وہ تمہارا مولیٰ ہے تو کیا ہی اچھا مولیٰ ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ اے لوگو! تم سے وہ حالت بیان کی گئی ہے جو عجیب و غریب اور انوکھا قصہ ہے درحقیقت مثل اس کہاوت کو کہا جاتا ہے جو عجیب طرز سے بیان ہو۔ پھر وہ طرز پر امصار و اعصار میں پھیل جائے فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ تو اس مثل کو تفکر و تدبر کے ساتھ سنو۔ یعنی گوشِ ہوش سے سن کر اس میں تامل و تفکر کرو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں ان نسیان کے ماروں کی طرف اشارہ ہے جو حقیقت امر کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے اس لیے ایک کہاوت سے انہیں متنبہ کیا گیا ہے تاکہ وہ نورِ غفلت سے بیدار ہوں یہ خطاب عہدِ میثاق کو بھلانے والوں کو عام اور فہمِ خطاب کے ادراک کی استعداد رکھنے اور سننے والوں کو خاص طور ہے۔ اور یہ امر تکوینی ہے تاکہ خطاب کو سن کر اس سے نصیحت حاصل کریں۔

ربط: خطاب کے بعد اب اصل مقصد کو بیان فرمایا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی پرستش کرتے ہیں یعنی وہ بت جن کی پرستش کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرتے ہیں[1] یہ مثل کا بیان ہے۔

تین سو ساٹھ بُت حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ سب کے سب اللہ کے غیر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے:
ماسوی اللہ سے ظاہری و باطنی بت مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ یعنی حالانکہ مکھی ایک چھوٹا اور نہایت حقیر سا جانور ہے لیکن یہ تمام بُت مل کر ایسی ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے کیونکہ لفظ لَنْ تاکید نفی کے لیے ہے جو منفی اور منفی عنہ کے مابین منافات پر دلالت کرتا ہے۔

مکھی کے متعلق تحقیق الذباب الذب سے ہے بمعنے الدفع یذب بمعنے یمنع و یدفع۔ اس کا اطلاق اس معنیٰ معروف پر ہوتا ہے یعنی مکھی، شہد کی مکھی اور بھڑ۔ و ان سیلبھم الذباب اور اگر ان سے مکھی چھین کر لے جائے۔ یہاں پر الذباب سے یہی معروف مکھی مراد ہے۔

---

[1] یہاں اس غلط عقیدہ کے لوگوں کا رد ہے جو تدعون سے انبیاء و اولیاء کی ندا کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ یہاں تدعون بمعنے تعبدون ہے۔ چنانچہ روح البیان ج ۶ ص ۶۱ میں ہے کہ الاصنام التی تعبدونها الخ۔ اویسی غفرلہ

مکھی کی تخلیق اور اعجوبہ[۱] مکھی گندگی اور عفونت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی پلکیں نہیں ہوتیں بوجہ اس کے چھوٹے جثہ کے ۔ چونکہ پلکیں آنکھوں سے گرد و غبار صاف کرتی رہتی ہیں اس لیے مکھی اپنی آنکھوں کی صفائی اپنے ہاتھوں سے کرتی ہے اس لیے عموماً دیکھا جاتا ہے کہ مکھی اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر ملتی رہتی ہے ۔

ف : کدّو کے پتّوں کے دُھوئیں سے مکھی بھاگ جاتی ہے ۔

وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ اگرچہ مکھی بنانے میں سب کے سب جمع ہو جائیں ۔ یہ جواب مقدر کے ساتھ مل کر حال ہے ۔ مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہے ۔ یعنی سارے بُت مل کر ایک دُوسرے کی معاونت کرتے ہوئے ایک مکھی بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکیں گے ۔

---

[۱] **مکھی میں زہر اور شفاء** حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اگر کھانے میں مکھی گر جائے تو اس کھانے میں مکھی کو غوطہ دے دو ۔ کیونکہ اس کے ایک پر میں زہر اور دوسرے میں شفاء ہے ۔ اور مکھی کی عادت ہے کہ وہ پہلے زہر والا پر ہی ڈبوتی ہے ۔ (نسائی شریف)

ف : اس حدیث کو ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے ۔

زہر سے حفاظت کنز العباد میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص کچھ کھائے پیئے تو یہ دُعا پڑھ لے اس کی برکت سے کھانے کے مضر اثرات سے محفوظ رہے گا :

بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَاءِ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

(اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے اور ایسے نام کے ساتھ جو زمین و آسمان کا مالک ہے وہ اللہ جس کے نام کی برکت سے آسمان و زمین کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے)

حکایت روایت ہے کہ ابو مسلم خولانی کی ایک لونڈی تھی اس نے اپنے مالک کو کئی بار زہر دیا لیکن اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا ۔ کافی مدّت گزرنے کے بعد لونڈی نے مالک سے پُوچھا کہ میں نے تم کو کئی بار زہر دیا لیکن تم پر اثر نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے ؟ مالک نے پُوچھا : تُو نے مجھے زہر کیوں دیا تھا ؟ اس نے کہا کہ تم بوڑھے ہو گئے ہو اور مجھے بڈیاں پسند نہیں ۔

مالک نے کہا کہ میں ہمیشہ پاک کلمات اپنے ہر کھانے پینے کی چیز پر پڑھ کر کھاتا پیتا ہوں ۔ اس کی برکت سے میں محفوظ رہا ۔ اور ساتھ ہی اس لونڈی کو آزاد کر دیا ۔

جب ان کی اجتماعی طاقت اتنی کمزور ہے تو پھر انفرادی طاقت کا حال تو اس سے بھی زبوں تر ہو گا۔ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا اور اگر ان سے مکھی کوئی شے چھین لے لَا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ تو اس سے وہ چھینی ہوئی چیز واپس نہیں لے سکتے حالانکہ مکھی ایک کمزور شے ہے وہ اس سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

اعجوبہ بت کے پجاری اپنے بتوں پر خوشبو اور شہد لگا کر دروازے بند کر دیتے تو مکھیاں اندر گھس کر تمام شہد وغیرہ چٹ کر جائیں۔ یہ ان کی اسی کارروائی کی طرف اشارہ ہے۔

ف : حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشرکین کی عادت تھی کہ وہ بتوں پر خوشبو اور شہد لگا کر دروازوں کو مقفل کر دیتے تھے۔ مکھیاں اندر گھس کر سب کچھ کھا جاتیں۔ مشرکین کچھ دنوں کے بعد جب دروازے کھول کر دیکھتے تو وہاں شہد ہوتا نہ خوشبو۔ وہ پھولے نہ سماتے کہ یہ بتوں نے استعمال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بتایا کہ یہ تمہارے بت نہیں بلکہ مکھیاں کھا گئی ہیں۔ تم کتنے احمق ہو کہ ان کی عاجزی اور کمزوری کو جاننے کے باوجود بھی ان کی پرستش میں لگے ہوئے ہو حالانکہ وہ نہ صرف ایک مکھی پیدا کرنے سے عاجز ہیں بلکہ وہ تو مکھی کی چھینی ہوئی چیز واپس کرانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ طالب سے بت پرست اور مطلوب سے بت مراد ہے۔ یا طالب سے مکھی (جو بتوں سے خوشبو اور شہد چھیننے کی طلبگار ہے) اور مطلوب سے بت مراد ہیں۔ مَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت نہ پہچانی، یا اس کی تعظیم کا حق ادا نہ کیا کیونکہ انہوں نے اس کے ساتھ ایسی کمزور چیزوں کو شریک ٹھہرا لیا جو نہ مکھیوں کو اپنے سے روک سکتے ہیں نہ ان سے بدلہ لے سکتے ہیں اور نہ ان کے ایسے نام رکھتے ہیں جو ابعد الاشیاء ہوتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت رکھتا ہے کہ اس نے جملہ ممکنات کو پیدا فرمایا اور جملہ موجودات کو فنا کرے گا۔ عزیزٌ بہت غلبے والا ہے وہ ہر شے پر غالب ہے اس پر کوئی شے غالب نہیں۔ اور ان کے معبود عاجز محض ہیں بلکہ ذلیل ترین ہیں۔

ف : اس تفسیر کی تائید حضرت ابنِ عطاءؒ سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ قول وان یسلبهم الذباب الخ کے مطابق ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے جو ہیبت و عظمت کے لحاظ سے سب پر غالب ہے۔ وہ ایک معمولی شے سے کیسے خائف ہو سکتا ہے۔ وہ اس چیز کے عجز و ضعف کو ظاہر کرتا ہے تاکہ اس کی پرستش کرنے والوں کو معلوم ہو کہ جب یہ (بت) اس قدر ذلیل اور ضعیف ہیں تو ان کی پرستش سے کیا فائدہ۔ ایسے ہی ہر انسان اپنے عجز و ضعف کو ذہن میں رکھ کر غور کرے کہ وہ ایک ضعیف ترین انسان ہے تو پھر دوسروں پر تفوق و برتری کا دعویٰ کیوں۔ سب انسان آدم کی اولاد ہیں۔

مـ

عاجز انکہ عاجزاں را بندہ اند
چوں فتد کارے زہم شرمندہ اند

۲ عجز و امکان لازم یک دیگر ند
پس ہمہ خلقے ز ھم عاجز تر ند

۳ قوت از حق است و قوت حق اوست
آن او مغز است و آن خلق پوست

ترجمہ : ۱ - وہ عاجز جو عاجزوں کے پرستار ہیں جب ان سے کوئی کام نہیں بنتا تو شرمسار ہوتے ہیں۔
۲ - کیونکہ ان دونوں کو عجز و امکان لازم ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام مخلوق ایک دوسرے سے عاجز تر ہے۔
۳ - قوت حق سے ہے اور اس کی قوت حق ہے اس کی آن مغز اور تمام مخلوق کی آن پوست ہے۔

ف : واسطی نے فرمایا کہ آیۂ اخیرہ سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہی اپنی قدر و منزلت جانتا ہے کوئی اس کی قدر و منزلت کیسے جان سکتا ہے جبکہ اس کی معرفت کی قدر و منزلت کے عرفان سے رسل کرام اور اولیاء عظام بھی عاجز ہیں حالاں کہ وہ اس کی ذات کے وسائل و وسائط ہیں۔ اس کے ماسوا کی طرف التفات نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کے ذکر سے غفلت برتی جائے اور نہ ہی اس کی اطاعت سے سستی کی جائے۔ کیونکہ یہی اس کے ظاہری عرفان کی قدر و منزلت کی علامت ہے۔ ہاں حقیقی عرفان پر کسی کو قدرت نہیں، وہ اپنے آپ کو خود جانتا ہے اور بس۔

کاشفی مرحوم کی صوفیانہ تقریر جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ محققین کا مذہب یہ ہے کہ جیسے مشرکین اس کی حقیقی معرفت سے عاجز ہیں ایسے ہی اہلِ ایمان اور ان کے اہلِ علم بھی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ بحکم ولا یحیطون بہ علما کوئی بھی اس کے آستان کبریا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس کی ہویت کے قریب جانے کے لیے کوئی رہبری کر سکتا ہے۔ ماسویٰ کو اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تو پھر اس کے قریب ہونے کی معرفت کیسے حاصل کر سکتا ہے اور معرفت مناسبت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، کہاں ہم مٹھی بھر مٹی اور کہاں وہ رب العالمین ع

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

ترجمہ : عالم پاک سے مٹی کو کون سی نسبت !

صوفیہ کے صوفیانہ خیالات بعض مشایخ نے فرمایا کہ تیری معرفت جیسے کہ تو ہے ہم نے نہیں سمجھا - ہاں ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق تجھے پہچانا ہے۔

ف : شرح مفاتیح الغیب مصنفہ شیخی و سندی قدس سرہٗ میں ہے کہ علمِ الٰہی جسے اہل اللہ کے مشرب میں علم الحقایق کہا جاتا ہے جو درحقیقت یہی علم الحق ہے کہ اس سے اس کے اور مخلوق کے درمیان ارتباط ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں بہت سے کاملین ورطۂ حیرت میں ہیں اور وہ عرفانِ الٰہی سے اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں۔

ولی کی پہچان عرفانِ الٰہی سے زیادہ مشکل ہے حضرت شیخ ابوالعباس رحمہ اللہ نے فرمایا:

معرفۃ الولی اصعب من معرفۃ اللہ فان اللہ معروف بکمالہ وجمالہ متی یعرف مخلوقا مثلہ یاکل کما یاکل ویشرب کما یشرب۔ (روح البیان ج ۶ ص ۶۲)

ولی کی معرفت اللہ تعالیٰ کی معرفت سے مشکل تر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے کمال و جمال کی وجہ سے معروف ہے لیکن اسے کیسے سمجھا جائے جو عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے۔

اور یہ شرح المفتاح کی تقریر کے موافق ہے۔ جسے تھوڑا سا بھی ذوق نصیب ہو وہ اسے ٹھیک طور پر سمجھ جاتا ہے۔

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے ملائکہ سے رسول جو اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء علیہم السلام کے درمیان واسطہ بنائے گئے ہیں جیسے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل (علیہم السلام)۔

حل لغات: المفردات میں ہے: الصفا بمعنے شے کا ملاوٹ سے صاف ہونا۔ اور اصطفا بمعنے تناول صفوالشی بمعنے تناول الخیر۔ ایسے ہی اجتبا بمعنے تناول الجبایۃ۔

ف: اللہ تعالیٰ بعض مخلوق کو پیدائشی طور پر ہر ملاوٹ سے پاک پیدا فرماتا ہے۔ اور بعض کو بعد تخلیق ہر آلائش سے پاک اور منزہ فرماتا ہے۔ دوسری قسم پہلی قسم کے منافی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ملائکہ میں سے بعض کو رسل مقرر فرماتا ہے تاکہ بندوں (انسانوں) کے درمیان وہ واسطہ بنیں اور ان کے ہاں پیامِ الٰہی پہنچائیں جب تک وہ بلا واسطہ پیام لینے کی اہلیت و صلاحیت پائیں اسی درمیانی مدت تک ملائکہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان پیام رسانی کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ النَّاسِ اور انسانوں میں بعض ایسے خوش بخت ہیں جو مخلوق کو خالق کے پیام پہنچاتے ہیں اور یہ مخصوص انسان ہیں جن کے نفوس زکیہ اور قوتِ قدسیہ سے تائید کردہ اور روحانی و جسمانی عالم کے کلام سے واقف ہوتے ہیں جو ایک جانب سے دوسری جانب تک پہنچا سکتے ہیں ان کی جانب حق کے ساتھ متعلق ہونے سے مخلوق کے تعلقات و مشاغل و عوائق مانع نہیں ہوتے اس لیے ان کے ہاں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے وہ مخلوق تک پہنچاتے اور انھیں احکام و شرائع الٰہی بتلاتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمام مسموعات کو سنتا ہے۔

ف: جناب کاشفیؒ نے لکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کے اقوال سنتا ہے جب وہ تبلیغ فرماتے ہیں۔

بَصِیْرٌ تمام مبصرات کو دیکھنے والا ہے اس لیے اس پر نہ افعال مخفی ہیں نہ اقوال۔

ف: جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ امت کے حال کو جانتا ہے جو ان کی دعوتِ اسلام کو رد اور قبول کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ سمیع ہے کہ ان کی احتیاج الی الوجود کی عاجزی کو عدم میں سنتا تھا جب کہ وہ معدوم تھے۔ اور اسے دیکھتا تھا جو عدم میں رسالت کا مستحق تھا جبکہ وہ معدوم تھا۔

تفسیر عالمانہ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ جو کچھ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔ یعنی اشیاء میں سے پریشان کن اور راحت دینے والی ہر شے کو جانتا ہے۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ جو آدمیوں کے آگے ہے، یعنی ان کے وہ اعمال جو انہوں نے زمانۂ ماضی میں کئے اور وہ اعمال جو زمانۂ مستقبل میں کریں گے سب کو جانتا ہے۔

وَاِلَی اللّٰهِ اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف۔ کسی دوسرے کی جانب نہیں، نہ بالاشتراک نہ بالاستقلال۔ تُرْجَعُ رجعت قہقری[1] کی طرح لوٹائے جائیں گے اَلْاُمُوْرُ جملہ امور، کیونکہ وہی بالذات سب کا مالک ہے۔ جس کو جس عہد کے لیے منتخب فرمائے اس سے کوئی پُوچھنے والا نہیں، اور ان سے ان کے کردار کا سوال ہوگا۔

امام زین العابدینؓ کی بردباری کے واقعات کسی نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھا۔ آپ نے فرمایا جیسے تُو کہتا ہے اگر میں ویسا ہُوں تو میں اللہ تعالےٰ سے استغفار کرتا ہُوں۔ اگر میں ویسا نہیں ہوں تو میں تیرے لیے استغفار کرتا ہُوں۔ وہ شخص نادم ہُوا اور اُٹھ کر آپ کے سرِمبارک کو چُوما اور کہا، جیسے میں نے کہا آپ ویسے نہیں، میرے لیے استغفار فرمائیں۔ اب مجھے یقین ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے رسالت کا انتخاب فرماتا ہے۔

بدم گفتی خرسندم سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ایک مسجد سے باہر نکلے تو ایک شخص نے آپ کو گالی دی۔ یہ سُن کر آپ کے جان نثاروں اور غلاموں نے اس شخص کو گھیر لیا تاکہ اس کی سرزنش کریں۔ آپ نے منع فرمایا اور کہا، اسے میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ شخص حاضر ہوا آپ نے فرمایا: تُو نے میرے جتنے عیوب سنائے ہیں وہ بہ نسبت ان غلطیوں کے بہت کم ہیں جو میرے اللہ نے چھپائے ہیں۔ اگر تو چاہے تو میں تمہیں وُہ بھی بتا دوں تاکہ تو میری مذمت اور زیادہ کر سکے۔ وہ شخص ندامت کے مارے سر جھکائے کھڑا تھا آپ نے اسے اپنا قیمتی کمبل عطا فرمایا اور ساٹھ ہزار درہم بھی عنایت فرمائے۔ وہ شخص کہنے لگا، میں گواہی دیتا ہوں آپ یقیناً اولادِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

ف: اہلِ بیت کے لیے یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اہلِ دنیا تھے کہ وہ جمع کردہ دولت سے خرچ کرتے تھے بلکہ وُہ سخی گھرانہ تھا اور احسان و مروّت اور جُود و سخا ان کی فطرت تھا اور وہ بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ جو کچھ ان کے ہاں آتا تھا وہ فوراً راہِ خدا میں لٹا دیتے تھے۔ چنانچہ مندرج اشعار ان پر صادق آتے ہیں: ؎

---

[1] اُلٹے پاؤں

تعود بسط الکف حتی لو انہ

ثناها لقبض لم تطعہ انا ملہ

فلو لم یکن فی کفہ غیر نفسہ

لجاد بہا فلیتق اللہ سائلہ

ترجمہ :۔ اس کی ہتھیلی ہمیشہ کھلی رہتی ہے یہاں تک کہ جبراً بندکرو تو اس کی انگلیاں قابو میں نہیں آتیں ۔ اگر اس کے ہاتھ میں سوائے اپنی جان کے اور کچھ بھی نہ ہو تو وہ جان دینے کو تیار رہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسے سائل سے بچائے۔

یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا اے ایمان والو ! اپنی نماز میں رکوع وسجود کرو۔ مختلف تفاسیر کے مطابق رکوع وسجود کا حکم اس لیے ہوا کہ ابتدائے اسلام میں رکوع وسجود نہیں تھا۔

حضرت ابواللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے نماز رکوع کے بغیر پڑھی جاتی تھی اس آیت سے حکم ہوا کہ اب سجود کے ساتھ رکوع بھی کیا کرو۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کبھی نماز کو سجود سے ادا کرتے تو رکوع نہیں کرتے تھے ۔ اور کبھی سجود کرتے تو رکوع ترک کر دیتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : نماز میں دونوں ضروری ہیں۔

جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ ابتدائے اسلام میں نماز میں قیام وقعود تھا۔ اس آیت میں حکم ہوا کہ ان کے ساتھ رکوع وسجود بھی کیا کرو۔

بعض دیگر مفسرین نے فرمایا کہ اس میں نماز کا حکم ہے ۔ رکوع وسجود سے اسے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ نماز کے اہم ترین رکن ہیں۔

وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ان اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جن کا تمہیں حکم ہے وَافْعَلُوا الْخَيْرَ اور نیکی کرو یعنی ہر اس کام کے لیے جد و جہد کرو جو بہتر اور صالح تر ہو۔ جیسے نوافل ، صلۂ رحمی اور مکارم اخلاق وغیرہ ۔

حدیث شریف ۱ میں ہے : نوافل کو اچھے طریق سے ادا کرو اس لیے کہ انہی نوافل سے فرائض کی تکمیل ہوتی ہے۔

حدیث شریف ۲ مرفوع حدیث میں ہے کہ نوافل بندوں کا ہدیہ وتحفہ ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرتا ہے فلہٰذا چاہیے کہ اپنا ہدیہ بہتر طریق سے اور اطیب کر کے پیش کرو۔

حلِ لغات : الخیر بمعنے ہر وہ شے جس میں ہر ایک کو رغبت ہو جیسے عقل ، فضل ، عدل ۔ اور ہر مفید شے ۔ اس کی ضد شر ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ خیر دو قسم کی ہے :

(۱) خیرِ مطلق، جس میں ہر ایک کو ہر وقت رغبت ہو۔ جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت کے متعلق فرمایا: بہشت سے بہتر کوئی چیز نہیں اور دوزخ سے بُری کوئی شے نہیں۔

(۲) خیرِ مقید، جو بعض کے لیے بہتر ہو اور بعض کے لیے مضر۔ جیسے مال، جو بسا اوقات زید کے لیے مفید ہوتا ہے لیکن عمرو کے لیے مضر۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ فلہٰذا جملہ امور مذکورہ بالا عمل میں لاؤ درانحالیکہ تم فلاح کی امید میں رہو۔ ایسا نہ ہو کہ ان امور کی ادائیگی کے بعد یہ یقین کر کے بیٹھ جاؤ کہ بس اب ہم فلاح پا چکے۔ اعمال کا کوئی بھروسا نہیں، اس کے فضل و کرم کی امید میں رہو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

بضاعت نیاوردم اِلّا امید

خدایا ز عفوم مکن نا امید

ترجمہ: صرف امید کی پونجی لایا ہوں۔ اے اللہ! مجھے اپنے عفو و کرم سے ناامید نہ فرما۔

فلاح کی تحقیق

فلاح بمعنے ظفر اور مقصد کی کامیابی۔ یہ دو قسم کی ہے:

(۱) دنیوی (۲) اُخروی

دنیوی یہ ہے کہ ایسے اسباب میسر آ جائیں جن سے زندگی عیش سے بسر ہو۔ مثلاً درازیِ عمر، غنا (دولتمندی)، عزت، علم۔

اُخروی چار امور کے حصول کا نام ہے:

(۱) بقاء بلا فناء

(۲) غنا بلا فقر

(۳) عزّت بلا ذلّت

(۴) علم بلا جہل

اس لیے حدیث شریف میں ہے:

آخرت کا عیش ہی حقیقی عیش ہے۔ ع

زنہار دل مبند بر اسباب دنیوی

ترجمہ: خبردار! اسباب دنیوی کے ساتھ دلبستگی نہ کرو۔

مسئلہ: امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ آیت سجدہ ہے کیونکہ اس میں سجدہ کا حکم ہے۔ حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سجدہ کے متعلق اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن مجید کے سجدۂ تلاوت

کا یہ ساتواں سجدہ ہے۔ اور حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے سجدۃ الفلاح کا نام دیا ہے۔

ارشادِ امام اعظم رضی اللہ عنہ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سجدۂ صلوٰتیہ ہے، جیسا کہ سجود و رکوع دونوں کو یکجا بیان کرنے کا قرینہ بتاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یایھا الذین الخ میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ قیام انسانیت کے تکبر کو چھوڑ کر حیوانیت کی تواضع کی طرف رجوع کرے کیونکہ چوپائے ہمیشہ رکوع میں رہتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ: ومنھم من یمشی علی اربع اور ان کے بعض وہ ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ رکوع کو چھوڑ کر زیادہ انکساری کو چلا جائے۔ جیسے نباتات ہمیشہ عجز و نیاز کے ساتھ سربسجود ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

والنجم والشجر یسجدان۔ اور ستارے اور درخت سجدہ ریز ہیں۔

کیونکہ روح نے ایسی ہی منازل طے کی ہیں کیونکہ وہ عالم ارواح سے نیچے اُتری ہے تو معکوس ہو کر، یعنی عجز و نیاز کی طرف آئی تو پہلے[1] نباتی منازل پھر حیوانی منازل طے کر کے انسانی منزل میں پہنچی۔ اس بنا پر اگر انسان وصالِ الٰہی کا طالب ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی منازل اسی طریق (عجز و نیاز) سے طے کرے۔ یہی راز ہے الصلوٰۃ معراج المومنین میں۔ اور قولِ الٰہی واعبدوا ربکم سے یہی واضح ہوتا ہے یعنی اس عجز و نیاز کو عمل میں لاؤ پھر ذاتِ حق کے وصال کے مزے لوٹو وافعلوا الخیر اپنے جمیع احوال و اعمال خیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو لعلکم تفلحون تاکہ تم حجب ظلمات نفسانیہ و انوار رحمانیہ کی منازل طے کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر عالمانہ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ الجہاد والمجاھدہ بمعنے اپنی طاقت دشمن کی مدافعت میں صرف کرنا فی اللہ بمعنے فی سبیل اللہ (کذا فی الجلالین)۔ دوسری تفاسیر میں فی اللہ بمعنے للہ لکھا ہے۔ یعنی اللہ کی رضا کے لیے دین اسلام کے ظاہری و باطنی اعداء کی مدافعت میں قوت اور طاقت صرف کرو۔ جملہ اہل زیغ ظاہری دشمن ہیں اور باطنی اعدائے نفس اور شہواتِ نفسانیہ حَقَّ جِهَادِهٖ اس کے جہاد کا حق ادا کرو۔

---

[1] اس سے ڈاروِن کے نظریۂ فاسد کو تصور میں نہیں لانا چاہیے جیسا کہ اس نے کہا کہ انسان کی اصل بندر (حیوان) ہے ارتقا کی منازل طے کرنے کے بعد انسانی صورت موجودہ وجود میں آئی۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) بلکہ اس کا مطلب واضح ہے کہ انسان کی روح پہلے عالم بالا میں تھی عالمِ دنیا میں لایا گیا تو عجز و نیاز سے، کہ جیسے نباتات حضورِ حق میں سربسجود ہیں ایسے ہی روح عجز و نیاز کے ساتھ آئی۔ اس سے سالک کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر تم وصالِ الٰہی چاہتے ہو تو روح کی طرح عجز و نیاز اختیار کرو۔ اویسی غفرلہٗ

جیساکہ جہاد کا حق ہے ۔یعنی نیتِ خالص اور رضائے الٰہی مدنظر رکھ کر جہاد کرو۔ یعنی وُہ جہاد جس میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور وہ جو صرف اسی کی رضا کے لیے ہو۔ یہ عبارت در اصل جہادا حقا بمعنے خالصا لوجهه تھا۔ مبالغہ کے طور عبارت کو برعکس لایا گیا اور جہادہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کرنے میں بھی مبالغہ مطلوب ہے۔

جہاد کی اقسام

جہاد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ظاہری دشمن سے

(۲) شیطان سے

(۳) نفس سے۔ یہ تینوں آیہ مذکورہ میں داخل ہیں۔ (کذا قال الراغب)

حدیث شریف ۱

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کفّار کے ساتھ ہاتھوں اور زبانوں سے جہاد کرو۔

حدیث شریف ۲

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کے ساتھ ایسے جہاد کرو جیسے دشمنوں سے کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف ۳

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر فرمایا:

ہم جہادِ اصغر سے فارغ ہو کر جہادِ اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

ف: اس سے ثابت ہُوا کہ نفس کا جہاد کفار و شیاطین کے جہاد سے سخت تر ہے۔ اس میں اتباع الاوامر و اجتناب عن النواہی کی ترغیب ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ اے شہان کشتیم ما خصم برون
ماند از و خصمی بتر در اندرون

۲ کشتن این کار عقل و ہوش نیست
شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

ترجمہ: اے بادشاہو! ہم نے اپنے ظاہری دشمنوں کو تو مار ڈالا لیکن اندرونی دشمن تا ہنوز زندہ ہے۔ اس کا قتل کرنا عقل و ہوش کا کام نہیں یہ باطنی شیر خرگوش کے مکر و فریب میں نہیں آسکتا۔

هُوَ اجْتَبٰكُمْ اسی نے تمہیں اپنے دین کی نصرت کے لیے چُنا، تمہارے غیروں کو نہیں۔ اس میں جہاد کے مقتضیٰ اور دعوت الی الجہاد کی تنبیہ ہے۔

ف: ابن عطاؒ نے فرمایا: اس میں اشارہ ہے کہ اجتبائیت جہاد کا وارث بناتی ہے نہ یہ کہ جہاد سے اجتبائیت نصیب

ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ یعنی ادائیگی حقوق کے لیے تزکیۂ نفس کرکے جہاد کرو۔ یعنی نفسوں سے حظوظِ نفسانیہ ترک کراؤ اور قطع تعلق از کونین مراقبات عن الملاحظات میں قلوب کا تصفیہ کرو اور وجودِ فانی کو وجود باقی میں فنا کرکے ارواح کا تحلیہ (سنگار) کرو تاکہ فانی وجود باقی وجود کے ساتھ باقی ہو۔ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ تمام مخلوق میں سے انہی کرامات کے لیے اس نے تمہیں منتخب فرمایا ہے۔ اگر اس کا انتخاب نہ ہوتا اور نہ ہی تمہیں اس جہاد کی استعداد عطا ہوتی اور نہ وہ تمہیں راہِ ہدایت بخشتا تو تم کبھی اس جہاد فی اللہ کے قریب نہ پھٹکتے ؎

فلولا کمو ما عرفنا الھوی

ولولا الھوی ما عرفنا کمو

ترجمہ: اگر تم نہ ہوتے تو ہم عشق کو معروف نہ کرتے اور اگر عشق نہ ہوتا تو تم بھی معروف نہ ہوتے۔

ف: جہاد حق کے مبادی میں سے ہے فلہذا نفس کے جہاد میں لمحہ بھر بھی سستی نہیں کرنی چاہیے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا:

یا رب ان جہادی غیر منقطع

فکل ارضك لی ثغر وطرطوس

ترجمہ: اے میرے پروردگار! میرا جہاد جاری ہے تیری زمین میری سرحدیں اور پہلوان ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اور ہم نے تمہارے اوپر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں بنائی۔

حلِ لغات: حرج و حراج بمعنے شے کا جمع ہونا، اور وہ شے جس سے تنگی متصور ہو۔ اسی لیے ضیق (تنگی) کو حرج کہا جاتا ہے۔ یعنی ہم نے دین میں کوئی ایسی تنگی نہیں رکھی کہ جس سے تمہیں دینی امور ادا کرنے میں دقت محسوس ہو۔ اس لیے نابینا اور لنگڑے اور خرچ کی کمی والے اور سواری نہ رکھنے والے مفلس اور جسے والدین اجازت نہ دیں کے لیے جہاد معاف ہے۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تنگی نہیں بنائی اور نہ ہی احکامِ دین میں تکلیف مالا یطاق رکھی، بوقتِ ضرورت بہت سے احکام معاف فرمادیتا ہے مرض وسفر میں قصر وتیمم وافطار جیسی سہولتیں اسی آیت کا مصداق ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے سیر الی اللہ اور وصول الی اللہ میں تمہارے لیے تنگی نہیں رکھی کیونکہ سیر الی اللہ میری طاقت سے طے کرتے ہوئے نہ اپنی طاقت سے۔ ایسے ہی میرا وصال میرے تقرب سے نصیب ہوتا ہے نہ کہ اپنے تقرب سے۔ اگر تمہارا گمان ہے کہ تمہارا تقرب سیر و وصال باللہ کا سبب بنا ہے اور اس میں ہمارے تقرب کو کوئی دخل نہیں تو یہ تمہارا گمان غلط ہے کیونکہ میرا تقرب تمہارے تقرب سے سابق ہے جیسا کہ حدیث قدسی

میں ہے :

حدیث قدسی (اللہ تعالیٰ نے فرمایا :) جو میرے ہاں ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔

شبرین (دو بالشت) میں اشارہ ہے ایک بالشت تیرے تقرب سے پہلے اور ایک بعد میں۔ یہاں تک کہ بندہ جب اس کے ہاں چل کر جاتا ہے تو وہ دوڑ کر (یعنی جلد تر) اس سے جا ملتا ہے۔

تفسیر عالمانہ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ملّت کا منصوب ہونا فعل مقدر کی وجہ سے ہے جیسا کہ نعل ما قبل دلالت کرتا ہے اور یہاں مضمون محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی : وسع علیکم دینکم دین میں تمہیں ایسی وسعت بخشی ہے جیسی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تھی فلہذا اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملّت کی فرماں برداری کرو۔ (کذا فی الجلالین)

ف : ملّة دین کی طرح ہے یہ اس کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے مشروع فرمایا تاکہ اس پر چل کر اللہ کا تقرب حاصل کریں (کذا قال الراغب)

ملّت و دین کا فرق ملّت و دین میں فرق یہ ہے کہ ملّت کی اضافت صرف اس نبی سے ہوتی ہے جس کی وہ منسوب ہے جیسے اتبعوا ملّة ابراھیم و اتبعت ملة آبائی۔ نہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہوتی ہے اور نہ ہی کسی عام انسان کی طرف۔ اس لیے اس کا استعمال جملہ شرائع پر ہوتا ہے۔ اس معنیٰ پر ملّة اللہ یا ملّتی یا ملّة زید نہیں کہا جاتا بخلاف دین کے کہ وہ عام ہے اس میں دین اللہ (و دینی و دین زید) کہا جاتا ہے۔

حلِ لغات : مِلَّةٌ ملت الکتاب سے ہے اور نبی علیہ السلام کی طرف اس لیے مضاف ہوتی ہے کہ اسے اس نے منجانب اللہ بندوں پر مشروع فرمایا ہے اور دین ہر اس شخص کے لیے ہے جو اسے قائم کرے جبکہ اس کا معنیٰ اطاعت ہو۔ (کذا فی المفردات)

سوال : ابراہیم علیہ السلام کو ہمارا باپ کیوں کہا گیا حالانکہ وہ تو ہمارے حضور علیہ السلام کے اَب (دادا) تھے۔

جواب : (۱) چونکہ ہر رسول علیہ السلام اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے کیونکہ وہ باپ کی طرح حیوٰۃ ابدیہ کا سبب بنتا ہے اور اس کے وجود سے ہی قیامت میں امت کا وقت قائم ہوگا۔

(۲) چونکہ اکثر اہلِ عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے اس لیے تغلیباً سب کے لیے ابیکُم کہا گیا ہے۔

ملّتِ ابراہیم کے چند احکام حضرت ابن العطاؒ نے فرمایا : حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملّت سے جود و سخا اور خرچ میں وسعت اور حسن اخلاق نفس اور اہل و عیال اور اموال و اولاد کے حقوق کی ادائیگی مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں سیر الی اللہ کی چال مراد ہے یعنی جیسے وہ سیر الی اللہ کی چال چلتے تھے تم بھی ویسے چلو۔ ان کی چال کا ذکر انی ذاھب الی ربی سیھدین میں ہے اور انہیں باپ اس لیے کہا گیا کہ وہ طریق السیر الی اللہ میں بمنزلہ باپ کے ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

انا لکم کالوالد لولدہ میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ کے ہوں۔

تفسیر عالمانہ هُوَ اللہ تعالیٰ نے سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے یعنی کتب متقدمہ میں تمہارا نام مسلمان رکھا تھا وَفِيْ هٰذَا اور اس قرآن میں بھی لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ تاکہ ہوں رسول اللہ (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت میں ۔ یہ سمّٰکم کے متعلق ہے اور لام عاقبت کی ہے شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ گواہ کہ انہوں نے تمہارے ہاں رب کے پیغام پہنچائے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت قابلِ اعتماد ہو گی کیونکہ ان کی عصمت مسلّم ہے یا مطیع کی اطاعت اور نافرمان کی نافرمانی کی گواہی دیں گے وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ اور تم لوگوں پر گواہی دو کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیامِ الٰہی پہنچایا تھا فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو ۔ یعنی مختلف طاعات و عبادات سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوجاؤ کیونکہ اس نے صرف تمہیں فضل و شرف سے نوازا ہے۔

سوال : صرف نماز و زکوٰۃ کی تخصیص کیوں جبکہ تم جملہ عبادات وطاعات مراد لے رہے ہو۔

جواب : ان کی فضیلت کی وجہ سے ۔ دوسرے یہ کہ نماز امر الٰہی کی تعظیم پر اور زکوٰۃ شفقت علی الخلق پر دلالت کرتی ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ اور تم اپنے جملہ امور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرو اور صرف اسی سے ہی اعانت و نصرت طلب کرو یعنی اسی کے فضل کو مضبوطی سے پکڑو یعنی جملہ امور میں اسی پر اعتماد کرو یا مضاف محذوف ہے کتاب و سنّت کے دامن کو مضبوطی سے تھامو۔

ف : حضرت سلمی مرحوم نے فرمایا : اعتصام بحبل اللہ کا حکم عوام کو اور باللہ کا خواص کو ہے ۔ بحبل اللہ کے اعتصام کا معنیٰ ہے اوامر کا تمسک اور نواہی سے تنفر ۔ اور اعتصام کا مطلب ہے دل کو ما سوی اللہ سے خالی کرنا۔

هُوَ مَوْلٰىكُمْ وہی تمہارا مددگار اور جملہ امور کا کارساز ہے فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ وہ کیسا مددگار اور کارساز ہے کہ نہ ولایت میں اس کی مثال ہے نہ نصرت میں، بلکہ درحقیقت اس کے سوا نہ کوئی مددگار ہے نہ کارساز۔

ف : جناب کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ بہتر کارساز ہے اور بہتر مددگار کہ اپنی کریمی سے ہمارے گناہ ڈھانپتا اور مددگاری سے گناہ بخشتا ہے فلہذا اسی سے بہتری طلب کرنی چاہیے کہ وہ کسی کی کارسازی سے تھکتا نہیں اور مددگاری بھی اسی سے مانگنا لازم ہے کہ وہ کسی کی مددگاری سے عاجز نہیں ہوتا ؎

ازیاری خلق بگذر اے مردِ خدا یاری طلب آنچناں کراز روئے وفا

۲ کار تو تواند کہ بسازد ہمہ وقت دست تو تواند کہ بگیرد ہمہ جا

ترجمہ : ۱- اے مردِ خدا ! خلق کی مدد سے دُور بھاگ ، اس ذات سے یاری طلب کر جو باوفا ہے۔

۲ - وہ قادر ہے تیرا کام ہر وقت بنا سکتا ہے اور وہ ہر جگہ تیری دستگیری فرماتا ہے۔

ف : فیثا غورث نے کہا کہ جب تم کسی کام کا آغاز کرو تو پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز کا اظہار کرو۔

حکایت کسی نے اپنے بھائی سے شکایت کی اس نے کہا : بھائی ! اس قادر سے عرض کرو جو سب کا کارساز ہے اور سب کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ فلہٰذا تم اس کے سوا کسی اور سے شکایت کرو اور نہ کوئی سوال کرو۔

حکایت دیگر سلیمان بن عبد الملک کعبہ معظمہ میں حاضر ہوا تو حضرت سالم بن عبد اللہ سے کہا کہ کچھ ضرورت ہو تو بتاؤ۔ انہوں نے فرمایا : بخدا میں اللہ تعالیٰ کے گھر میں رہ کر غیر سے سوال نہیں کروں گا۔

سبق طالبِ خدا پر لازم ہے کہ وہ اپنے جملہ امور میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسا کرنے ظاہر و باطن میں صرف اسی کی رضا میں رہے اور دل میں یہ تصور نہ کرے کہ یہ کام اس کے لیے مشکل ہے۔ اس کے لیے تو ہر کام آسان ہے وہی سب کا مولیٰ ، کارساز اور مددگار ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا ؛ ذٰلک یعنی اس کی مدد بانّ اللہ مولی الذین اٰمنوا الخ بایں طور اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا مولیٰ ہے۔

(صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) سورۃ حج کی تفسیر اواخر جمادی الاولیٰ ۱۱۰۰ھ میں ختم ہوئی۔
فقیر اویسی غفر لہٗ اس کے ترجمہ سے ۱۳ محرم ۱۴۰۱ھ میں بروز اتوار بعد نمازِ ظہر فارغ ہوا۔

○

فہرست پارہ نمبر ۱۷